نوبیل انعام یافتہ ناول

تائیس

انا طول فرانس

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

اناطول فرانس

ترجمہ
عنایت اللہ صاحب دہلوی

فکشن ہاؤس
بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان
Ph: 042- 37249218, 37237430
E-mail:fictionhouse2004@hotmail.com

نام کتاب : تائیس (ناول)
مصنف : اناطول فرانس
ترجمہ : عنایت اللہ صاحب دہلوی
اہتمام : ظہور احمد خاں
کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق : ریاض ظہور
اشاعت : 2010
قیمت : -/200

ہیڈ آفس: بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

سب آفس حیدر آباد: 52,53 رابعہ اسکوائر حیدر چوک گاڑی کھاتہ حیدر آباد

فون: 022-2780608

فہرست

مقدمہ

مقدمہ نویسی کے جواز کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔ کہ مقدمہ کسی کتاب کے مضامین کو سمجھنے میں مدد دے۔ یا اس کے مصنف اور ناظرین کے درمیان تعارف پیدا کرنے کا وسیلہ بن سکے۔ "تائیس" افسانہ ہونے کی حیثیت سے کسی مزید تشریح و توضیح کا محتاج نہیں اور اس کے مصنف کی شخصیت میری تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔ میرے مخدوم و محترم مولوی عنایت اللہ صاحب کا بزرگانہ ارشاد ہے کہ میں ان کے ترجمے "تائیس" کا مقدمہ لکھوں۔ اور میں حیران ہوں کہ وہ مضامین عالی کہاں سے پیدا کروں۔ جو "تائیس" کے شہرۂ آفاق مصنف کی بلند خیالی کے مقابلہ میں پست نہ معلوم ہوں۔ اور وہ زبان اپنے خیالات کے اظہار کے لئے کہاں سے لاؤں جو اس کے یگانہ دحرم مترجم کی شیریں بیانی کے ساتھ بے جوڑ نہ لگی جائے اور جس پر ٹاٹ کا پیوند یافتہ والی مثل صادق نہ آئے۔ تاہم ایک خیال ہے جس سے اس نازک کام کے کرنے کی تھوڑی بہت ہمت بندھتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اناطول فرانس کے نام نامی سے اس ملک میں لوگ عام طور پر واقف نہیں۔ نیز "تائیس" کا اسلوب و انداز ان انگریزی ناولوں کے رنگ سے جو عموماً اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں اس درجہ مختلف ہے کہ مصنف اور تصنیف دونوں کی ایک مختصر سی تقریب شاید کتاب کے مطالعہ میں معاون و مفید ثابت ہو۔

اناطول فرانس☆ کے انتقال کو کچھ بہت عرصہ نہیں ہوا لیکن اس کی پیدائش انیسویں صدی کے وسط سے قبل یعنی 1844ء میں واقع ہوئی تھی۔ اور 1868ء میں اس کی پہلی تصنیف علمی دنیا سے روشناس ہوئی۔ اس کی طبیعت اگرچہ ایک سدا بہار درخت کی مانند زمستان پیری میں بھی شگوفہ کاری سے عاری نہ تھی۔ لیکن اس کی تصنیف و تالیف کی اصلی

☆ فرانس اس مصنف کا اصلی نام نہیں۔ اس نے یہ نام تصنیف و تالیف کے لیے اختیار کر لیا تھا اور اب وہ اسی نام سے مشہور ہے۔

بہار انیسویں صدی کے آخری تیس برس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور "تائیس" کی تخلیق بھی اناطول فرانس کے اسی حصہ عمر سے تعلق رکھتی ہے۔ یوں تو مصنوعات لطیفہ (اور تائیس کا شمار بھی انہی میں ہونا چاہیئے) زمانہ اور وقت کی قید سے آزاد ہیں۔ اور ایک لطیف شے خواہ وہ دو ہزار برس قبل وجود میں آئی ہو یا کل کی ساختہ پرداختہ ہو۔ حسن و تحسین کے اعتبار سے یکساں تاثیر رکھتی ہے۔ لیکن تو بھی انسان کے اور کاموں کی مانند فنون لطیفہ کے کرشمے بھی تاریخی ارتقاء کے ایک حد تک پابند ہیں۔ اور جس زمانہ میں وہ عالم خیال سے موجودات کی دنیا میں آئے ہوں۔ اس زمانے کی خصوصیات کی کچھ جھلک ان میں ضرور پائی جاتی ہے۔ انیسویں صدی کا آغاز نپولین اعظم کی عالمگیر فتوحات کی بدولت فرانس کے لئے بے نظیر عظمت و صولت کا زمانہ تھا۔ لیکن اس زمانہ کی مدت بہت قلیل ثابت ہوئی۔ اور جو اقتدار اسے چند سال میں حاصل ہو گیا تھا۔ وہ بعد کے تیس چالیس سال میں رفتہ رفتہ کم ہو تا گیا۔ اور نپولین سوم کے عہد میں جرمنی کے ہاتھوں جو شکست اسے نصیب ہوئی اس نے تو گویا اس وقت خاص کے لئے اس اقتدار کا بالکل خاتمہ ہی کر دیا۔ نپولین اعظم کے زمانہ میں جو عظیم جدوجہد فرانس نے کی تھی اس سے ملک پر ایک قسم کی تکان عارض ہو گئی تھی۔ جس کے مادی و اخلاقی اثرات ہر طرف نمایاں تھے۔ اہل فرانس کی وہ نسل جس نے اس ماحول میں پرورش پائی تھی۔ رفعت خیال سے زیادہ پست خیالی اور یقین سے زیادہ شک کی جانب مائل تھی۔ اور اس عہد کا کوئی مصنف شاید ہی اس مسموم اثرات سے محفوظ رہا ہو۔ مذہب اور اس کے لوازمات ان مصنفین کے خاصمانہ جذبات کے خاص طور پر تختہ مشق بن گئے تھے۔ کیونکہ اہل امرائے افراد کی ایک کثیر تعداد مذہب کو دنیا اور خصوصاً" فرانس کی ترقی کے لئے سد راہ سمجھتی تھی۔ موسیو ارنسٹ رینان کی ناقدانہ مساعی نے عیسائی مذہب کی تاریخی بنیادوں کو متزلزل کر دیا تھا۔ اور اس کے دین الہی ہونے کا اعتقاد تعلیم یافتہ گروہ کی نگاہ میں بالکل ساقط الاعتبار قرار پا گیا تھا۔ بعض لوگ مذہب کو قومی میراث کا ایک جزو سمجھ کر دبی زبان سے اس کی حمایت میں کبھی کبھی کچھ کہہ دیتے تھے۔ لیکن عام طور پر مذہب کے لئے قلم در کف دشمن الست کا مضمون تھا۔ اس لامذہبی کے عام میلان کو اس واقعہ سے بھی تقویت پہنچتی تھی کہ فرانس میں مذہب کے معنی عام طور پر رومن کیتھولک مذہب سمجھے جاتے تھے۔ اور اس

مذہب کے بعض عقائد اور نیز کلیسا کے گزشتہ کئی سو برس کے اعمال معارضانہ تنقید کے لئے خاصی گنجائش رکھتے ہیں۔ مذہب کے ساتھ اخلاق کے تسلط میں بھی بہت کمی واقع ہو گئی تھی اور ارباب علم و فن اگر اپنے ذاتی عمل میں نہیں تو کم از کم اپنی تصنیفات اور مصنوعات میں اخلاقی قیود کو نظر انداز کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ اخلاق کو فنون لطیفہ سے بالکل بے تعلق تصور کیا تھا۔ اور فنون لطیفہ کے علمبردار مذہب و اخلاق کی توہین کو اپنے فن کے لئے باعث رونق تصور کرتے تھے۔ عشق و محبت جو ہر زمانہ میں فنون لطیفہ اور ادب کے محرکات مانے گئے ہیں۔ اس زمانہ میں نفس پرستی کے مترادف سمجھے جاتے تھے اور جذبات اسفل کی تحقیق و تشریح اس زمانہ کے مصنفین کا پسند خاطر مشغلہ تھا۔ ممنوع مضامین کی حرص و ہوس اس درجہ ترقی کر گئی تھی۔ کہ اپنے زمانہ اور اپنے ملک سے گزر کر غیر ممالک اور دوسرے زمانوں کے تعیش اور نفس پرستی کی داستانیں تلاش کی جاتی تھیں۔ اور اس قسم کی داستانوں سے فرانسیسی ادب میں رنگینی پیدا کرنے کی سعی کی جاتی تھی۔

"تائیس" کے ناظرین کو اس کے مطالعہ سے یہ انکشاف ضرور ہو جائے گا۔ کہ جن اثرات کی جانب ہم نے مندرجہ بالا سطور میں اشارہ کیا ہے۔ ان کا شائبہ ایک حد تک اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ مذہب و اخلاق کے خلاف جرات بے جا کے الزام سے یہ کتاب بھی بری نہیں۔ اور اس کا حسن و خوبی بھی ایک حد تک ان رنگینیوں کا منت کش ہے جس کی تلاش اس زمانے کے مصنفین کے تخیل کو دور و دراز ممالک اور قرون ماضیہ میں سرگرداں رکھتی تھی۔ لیکن اس بدنما میلان کے باوجود "تائیس" اپنے زمانے کے ادب میں ممیز اور ممتاز تصنیف ہے جس کی خوبیوں کا ہر شخص معترف نظر آتا ہے۔ اگر اس زمانے کے فرانسیسی ادب کی عام کثافت و غلاظت پر نظر رکھتے ہوئے ہم "تائیس" کی نزاکت و لطافت پر غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک پھول ہے جو کبھی کبھی کسی خس و خاشاک کے انبار پر کھل کر ان تنگ خیال معلمین اخلاق پر خندہ زن ہوتا ہے۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ برائی سے بھلائی کبھی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ "تائیس" کی سب سے بڑی خوبی اس کا دلکش اسلوب بیان ہے۔ جو کم و بیش اناطول فرانس کی تمام تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ اس اسلوب کا تجزیہ کچھ آسان کام نہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی تمام ترسعی اس پر منحصر

ہے کہ زبان صاف اور سادہ ہو۔ لیکن یہ صفائی اور سادگی اس قسم کی ہے جس کو فن شعر میں سہل الممتنع کہا جاتا ہے وہ خود اس سادگی کی ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے۔

"سادہ اسلوب سفید روشنی کے مانند ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دراصل مرکب ہو۔ لیکن بظاہر ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ زبان کی خوشنما اور پسندیدہ سادگی محض ایک نمود ہے۔ جو مختلف نوع کے الفاظ کی عمدہ ترتیب اور ان کے استعمال میں کمال احتیاط سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔"

اناطول فرانس نے سادہ اسلوب کے لئے جو حدود قائم کی ہیں۔ ان کا وہ خود غایت درجہ پابند ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا۔ کہ صاف اور سادہ مگر موثر نثر نگاری میں فرانس تو کیا یورپ کے کسی اور ملک میں بھی اس کا ثانی نظر نہیں آتا۔

"تائیس" کی دوسری خوبی اس کا موضوع ہے۔ جو اپنی وسعت و رفعت کے لحاظ سے ہر زمانے اور ہر ملک کے آدمیوں کے لئے دلچسپ ہو سکتا ہے۔ یعنی وہی جسم و روح کا تصادم۔ وہی نیکی اور بدی کا تنازع۔ وہی ہرمن اور ہرمزکی جنگ جو زرتشت کے زمانے سے لے کر آج تک دینیات و روحانیات کے اسرار کی کلید ہے۔ اناطول فرانس نے اس موضوع کو عیسائی رہبانیت کے خاص رنگ میں پیش کیا ہے اور دکھایا ہے کہ نیک و بد رجحان کیونکر ایک دوسرے کے ساتھ پیوست رہتے ہیں۔ اور ان کے اس رابطہ کو قطعاً" منقطع کرنے سے انسانی جدوجہد قاصر ہے۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ "تائیس" کے مصنف کو اس مسئلہ کے اخلاقی پہلو سے کچھ زیادہ اعتنا ہے۔ تو یہ ایک گونہ غلط فہمی ہو گی۔ کیونکہ اناطول فرانس کے فلسفہ میں اخلاقی اعتقاد کے لئے چنداں گنجائش نہیں۔ اس کو تو صرف اس خیال کا اظہار مقصود ہے کہ جس کو عام طور پر روحانیت کہا جاتا ہے۔ وہ بھی درحقیقت جسم ہی کے بعض خاص میلان ہیں۔ اور ان کی اصلیت کو بے نقاب کرنے کے لئے بسا اوقات ایک اشارہ کافی ہوتا ہے۔ تصوف کے شائقین غالباً" پہچان جائیں گے۔ کہ یہ وہی نکتہ ہے جس کا متصوفین کے کلام میں بار بار اعادہ ہوتا ہے۔

رشک آیدم دگر نہ نقابت کشودمے

دست ترا گرفتہ بہ عالم نمودے

صرف فرق اتنا ہے کہ متصوفین کے عقیدہ میں جو کچھ ہے۔ وہ روح کی نمود ہے۔ اور اناطول فرانس کے خیال میں جو کچھ ہے وہ جسم کا کرشمہ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس قدر شکی مزاج واقع ہوا ہے کہ اس کو جسم و روح دونوں میں سے ایک پر بھی کلی اعتقاد نہیں اور جن آراء کو وہ بظاہر خود پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان پر بھی اس کو اتنا واثق یقین نہیں۔ کہ وہ اختلاف سے چیں بہ جبیں ہو۔ اس کی طبیعت ایک شفاف سطح آب ہے۔ جس پر مختلف خیالات و آراء اپنا عکس تو ڈالتے ہیں لیکن مکدر نہیں کر سکتے۔ وہ ہر قسم کے انسانوں کو سمجھ سکتا ہے اور ہر نوع کے عقائد میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ اس کے لئے دشت لیبا کا نیم وحشی اور نامعقول راہب بھی اسی قدر دلچسپ ہے۔ جس قدر کہ اسکندریہ کی آراستہ اور معطر عروس بازاری۔ وہ تنگ خیال عیسائی استغفون سے بھی اتنا ہی حظ اٹھاتا ہے جتنا کہ پادر ہوا فلسفیوں کے مناقشات سے۔ اس کے خیال کی یہی شیرینی ہے جو باوجود اپنے خلاف مذہبی رجحان کے بھی کسی پرستار مذہب کو ترش رو ہونے کا موقعہ نہیں دیتی۔ جب وہ ہمارے عقائد کو ٹھیس بھی لگاتا ہے۔ تو ایسے ہلکے ہاتھ سے کہ پھولوں کی چھڑی کا گمان ہوتا ہے۔ اگرچہ رومن کیتھولک کلیسا نے ایک زمانے میں اس کی تصانیف کو ممنوعات کی فہرست میں شامل کر دیا تھا۔ لیکن اس سے اناطول فرانس کی ہردلعزیزی کو مطلق صدمہ نہیں پہنچا۔ اور 1921ء میں نوبل پرائز کے مل جانے سے تو وہ ان مصنفین کے زمرہ میں شامل ہو گیا ہے۔ جن کی تصانیف کا عام میلان مصلحانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ "تائیس" کے نکتہ سنج مترجم نے تو اس کتاب کے مضمون کو خواجہ حافظ کے اس شعر کے ساتھ بالکل مطابق پایا ہے کہ۔

زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ

رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔ کہ شاید اس سے بہتر خلاصہ "تائیس" کا نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت میں اگر اس خاص پہلو سے دیکھا جائے تو یہ کتاب جو بظاہر عیسائیت سے بہت دور نظر آتی ہے۔ حضرت مسیح کے بعض اقوال اور میری میگڈالن کی حکایت سے بہت قریب معلوم ہوتی ہے۔

"تائیس" کی ایک اور قابل ذکر خصوصیت وہ کمال ہے۔ جو اس کے نقش و نگار میں ایک محو شدہ زمانے کے آثار نمودار کرنے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ قرون ماضی کے ظاہری کوائف کو قلمبند کرنا چنداں دشوار کام نہیں لیکن مردہ خیالات و جذبات کا احیاء ایک قسم کا سحر ہے جس پر بہت کم سحر نگار قدرت رکھتے ہیں۔ اناطول فرانس کو یہ قدرت اپنے وسیع و عمیق مطالعہ اور ہمہ گیر ذہانت کے زور سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کا دماغ زماں و مکاں کی تعبیروں کو توڑ کر عالم خیال کے دور و دراز اطراف و جوانب کی سیر کر سکتا ہے۔ اور اس دنیا کا کوئی کونہ اسے اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ اناطول فرانس کی استعداد علمی حیرت ناک تھی۔ اور جس آسانی و سلاست سے اپنی وسیع معلومات کو وہ اپنی تحریر میں استعمال کرتا تھا۔ اس کی مثال دنیا کے ادبیات میں بہت کم ملتی ہے۔

ان اوصاف سے متصف مصنف کی تحریر کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کس قدر دشوار و جانکاہ کام ہے۔ اس کو ہر شخص خود قیاس کر سکتا ہے۔ اس کے لطیف خیالات کو ان کی ادبی لطافتوں کے ساتھ کسی غیر زبان میں ادا کرنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اور خصوصاً اردو زبان کا تو ذخیرہ الفاظ ابھی تک اس قدر محدود ہے کہ اس میں غیر مانوس خیالات کا اظہار ذرا تکلف ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس مشکل کی جانب مولوی عنایت اللہ صاحب اپنے ایک خط میں بدیں الفاظ اشارہ کرتے ہیں کہ:

> "انگریزی زبان میں الفاظ کی کثرت اور خوب صورت ترکیبیں اس قدر ہیں اور اردو میں ان چیزوں کی اس قدر قلت ہے کہ ترجمہ سے بعض وقت نفرت ہو جاتی ہے۔ انگریزی مصنف تو دریا میں کھڑے نہاتے ہیں۔ اور ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ٹب میں بیٹھے تھوڑے سے پانی کو گھنگول رہے ہیں طبیعت الفاظ کی کمی سے بیزار ہو جاتی ہے۔ مگر ترجمہ کیے بغیر بھی چین نہیں کیونکہ عادت سی ہو گئی ہے۔"

ان کی یہ بے چینی اردو زبان کی خوبی تقدیر کی دلیل ہے۔ کیونکہ اصحاب ذوق سلیم ان کے تراجم کو اردو کے بہترین تراجم میں شمار کرتے ہیں۔ اور میرے خیال میں اس حقیقت کو

تسلیم کرنے میں کسی منصف مزاج شخص کو ذرا بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ کہ عنایت اللہ صاحب کو فطرت سے ترجمہ کے لئے موزوں طبیعت ودیعت ہوئی ہے۔ اور اس فن شریفہ میں انہیں خداداد ملکہ حاصل ہے۔ وہ لگاؤ جو ان کی طبیعت کو فن ترجمہ کے ساتھ ہے۔ ایک حد تک موروثی بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے محترم و نامور پدر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرحوم و مغفور ان معدودے چند افراد میں سے تھے۔ جنہوں نے اردو زبان کی کم مائیگی پر نظر رکھتے ہوئے مغربی زبانوں سے اخذ و ترجمہ کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور مدت العمر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ساعی رہے۔ عنایت اللہ صاحب ابھی علی گڑھ کالج میں متعلمانہ حیثیت ہی میں مقیم تھے۔ جب ان کے ترجموں کی شہرت ادبی حلقوں میں پھیلنے لگی۔ اس صنف تحریر میں ان کا سب سے اول کارنامہ سر ٹامس آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام (اشاعت اسلام) کا ترجمہ تھا۔ جو سر سید احمد خان صاحب مرحوم و مغفور کی تحریک و ترغیب سے عمل میں آیا۔ اس کے بعد ان کے مختلف تراجم ملک کے جرائد اور رسائل میں شائع ہو کر مقبولیت کی داد پاتے رہے۔ کوئی بیس بائیس برس ہوئے۔ جب انہوں نے رڈیارڈ کپلنگ کی معرکہ آلارا تصنیف جنگل بک کی دو کہانیوں کا حیرت ناک ترجمہ اردو میں کر کے اس بات کا ثبوت دیا کہ اردو زبان باوجود انگریزی کے مقابلہ میں کم بضاعت ہونے کے ہر قسم کے معجزات تحریر کی اہلیت رکھتی ہے۔ جب حیدر آباد میں دار الترجمہ قائم ہوا تو اس کی نظامت کچھ مدت کے بعد انہیں کے لائق ہاتھوں میں تفویض ہوئی۔ اور اس سلسلہ میں ایک سے زیادہ تاریخی کتابوں کا ترجمہ ان کے اپنے قلم سے سرانجام پایا۔ غرضیکہ "تائیس" کے ترجمہ سے قبل وہ بہت سی مختلف الانواع کتابوں کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اور ہر قسم کے خیالات کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے میں جس قدر کامیابی ان کو حاصل ہوئی ہے۔ وہ کسی اور فرد واحد کو نصیب نہیں ہوئی۔

میری اس تحریر سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ عنایت اللہ صاحب محض دوسروں ہی کے خرمن سے خوشہ چینی کر سکتے ہیں۔ ان کے متعدد طبعزاد مضامین اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے کافی ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ انہوں نے وہ ادبی ذوق اور لطف زبان پیدا کیا ہے۔ کہ ان کا معمولی سا خط بھی واقف کار لوگوں کی نگاہ میں ادبی دلچسپی کا ایک سرمایہ

ہوتا ہے۔

دلی کی خاص اور اصلی زبان کو ادبی لطافتوں کے ساتھ استعمال کرنے میں آپ کو خاص دسترس حاصل ہے۔ اور اس کا ایک بین ثبوت "تائیس" کے ترجمہ کی شکل میں ہمارے پیش نظر ہے۔ اصل کتاب کی زبان میں مصنف نے یہ رعایت رکھی ہو کہ اس کا طرزبیان پرانی مذہبی داستانوں سے ملتا جلتا بھی رہے۔ اور اس میں شوخی و ظرافت کی اس قدر آمیزش بھی ہو کہ روایات قدیمہ کی ثقالت و جمود اس پر عارض نہ ہو جائے۔ ترجمہ میں بھی یہ خصوصیت قائم رہی ہے۔ اکثر مقامات کی عبارت بادی النظر میں بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کسی مذہبی تذکرہ سے ماخوذ ہے۔ لیکن دو چار سطریں پڑھنے کے بعد ہی کوئی کھیلا فقرہ یا چبھتی ہوئی ترکیب پڑھنے والے کے دل پر بالکل دوسری ہی کیفیت وارد کر دیتی ہے۔ اس پرلطف کیفیت سے ناظرین کو زیادہ دیر تک محروم رکھنا ایک نوع کا گناہ ہے۔ اس لئے اپنی اس روکھی پھیکی تحریر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

محمد سعید

دریائے نیل کا پھول

جس زمانہ کا یہ قصہ ہے مصر میں طیبی کا صحرا عیسائی راہبوں سے آباد تھا۔ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر دور دور تک جھونپڑیاں پڑی تھیں جو ان راہبوں نے مٹی اور تنوں سے بنائی تھیں اور ان میں اتنا اتنا فاصلہ رکھا تھا کہ ان کے رہنے والوں کو تنہائی بھی نصیب رہے اور اگر ضرورت ہو تو وقت پر ایک دوسرے کی مدد کو بھی آسانی سے آ سکیں۔ جھونپڑیوں سے کچھ اونچے نکلے ہوئے گرجا بھی جابجا موجود تھے۔ ان کی چوٹیوں پر صلیبیں نصب تھیں۔ عشائے ربانی اور اسرار مسیحی کی رسوم کے موقعوں پر یہ تارک الدنیا عیسائی ان گرجاؤں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ دریا کے کناروں سے ملے ہوئے مسیحی زاہدوں کے گھر تھے' یہ سب اپنے اپنے تنگ و تاریک حجروں میں علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ مگر باہمی اتحاد بھی رکھتے تھے۔ جس کی غرض صرف یہ تھی کہ جو طریقہ گوشہ نشینی کا اختیار کیا ہے وہ خوش اسلوبی سے ہمیشہ برقرار رہ سکے۔

یہ زاہد اور راہب بڑے پرہیزگار ہوتے تھے۔ جب تک آفتاب غروب نہ ہو کچھ کھاتے پیتے نہ تھے اور کھانے میں بھی سوائے روٹی' نمک اور زوفے کے ساگ کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ ان میں بعض راہب بالکل ہی ریگستان میں جاکر آباد ہوئے تھے۔ کسی نے کسی غار کو اور کسی نے کسی ٹوٹے ہوئے مقبرے کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ اور یہاں اور بھی زیادہ تنہائی میں زندگی بسر کرتے تھے۔

یہ سب لوگ ایک بہت نیچا کرتہ پہنتے تھے جس کی پشت پر ایک رومال سا ہوتا تھا۔ جس کو الٹ کر سر ڈھک لیتے۔ رات کو بہت دیر تک وظیفے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ اور خدا کی حمد گانے کے بعد زمین پر بغیر فرش کے سو جاتے اور ہر روز گناہوں کی تلافی میں کوئی نہ کوئی عجیب جسمانی تکلیف اٹھاتے۔ آدمؑ کے سب سے پہلے گناہ کے کفارے میں انہوں نے اپنے جسم کو ہر طرح کی راحت و آسائش سے محروم کر دیا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنے تن بدن کی اتنی خبر نہ رکھتے جو ہر انسان کے لئے بالکل ضروری ہوتی ہے سمجھتے تھے کہ بدنی

امراض جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر روح کی اصلاح بھی زیادہ ہوتی ہے اور جسم کی زینت کے لئے پھوڑے پھنسیوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ان کے ان ہی زخموں سے انبیائے بنی اسرائیل کے اس قول کی تصدیق ہوتی تھی کہ "صحرا پھولوں سے ڈھک دیئے جائیں گے۔"

اس بیابان مقدس میں جو لوگ دنیا چھوڑ کر بسے تھے ان میں بہت سے لوگ تو صرف ریاضت اور نفس کشی میں اپنا کل وقت صرف کرتے تھے۔ اور بہت سے ایسے تھے جو کچھ روزی پیدا کرنے کے لئے درختوں کی چھالیں اتار کر ان کے ریشوں سے رسیاں بنا کرتے۔ یا جب فصل تیار ہو جاتی تو پاس کے زمینداروں کے ہاں جاکر مزدوری کر لیتے۔ بت پرست سمجھتے کہ یہ چور اور اٹھائی گیرے ہیں اور جو رہزن قافلوں کو لوٹا کرتے ہیں ان سے میل ملاپ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں غلط تھیں۔ ان راہبوں کو روپے پیسے سے بالکل نفرت تھی۔ وہ خدا کے نیک بندے تھے جن کی نیکیاں خوشبو بن کر آسمان تک پہنچا کرتی تھیں۔

فرشتے نوجوانوں کے بھیس میں مسافروں کی طرح ہاتھ میں عصاء لئے ان راہبوں کی بستیوں میں آیا کرتے اور شیاطین بھی حبشیوں اور جنگل کے جانوروں کا روپ بھر کر گمراہ کرنے کے لئے ان میں گشت لگاتے اور جب صبح کے وقت یہ راہب اپنے اپنے برتن لے کر چشمے سے پانی لینے جاتے تو بھوتوں اور عفریتوں کے نقش قدم ان کو ریت پر نظر آیا کرتے۔ مذہبی نظر سے دیکھنے والوں کے نزدیک طیبی کا مقدس مقام بیابان ایک میدان کارزار تھا جہاں عرش کی پاک اور تحت الثریٰ کی خبیث روحوں میں ہمیشہ بالخصوص رات کے وقت بڑے بڑے ہنگامے برپا رہتے تھے۔

شیاطین کی فوجیں رات دن ان غریب راہبوں پر یورشیں کیا کرتیں۔ مگر یہ خدا کے نیک بندے فرشتوں کی مدد اور خدا کے فضل سے سخت روزے رکھ کر اور جسم کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر شیاطین کے حملوں کا جواب دیتے۔ بعض وقت نفس کی خواہشیں ان پر ایسی غالب ہوتیں کہ تکلیف سے چلانے لگتے اور اس وقت ان کی آواز ایسی ہوتی جیسے بھوک میں بھیڑیئے چیختے ہوں۔ خبیث روحیں اچھی اچھی صورتیں بنا کر ان کے پاس آیا کرتیں، گو دراصل وہ کریہ منظر ہوتی تھیں لیکن اپنی بری طبیعت کو چھپانے کے لئے اچھی صورت بنالیتیں اور صحرائے طیبی کے تارک الدنیا اپنی اپنی جھونپڑیوں میں عیش و عشرت کے وہ وہ نقشے دیکھا کرتے جو اس زمانہ کے عیاشوں اور بدکاروں کے ذہن میں بھی نہ آتے

ہوں گے۔ لیکن چونکہ صلیب کا سایہ ان پر تھا اس لئے کسی بری بات کی تحریص ان کو نہ ہوتی اور صبح ہوتے ہی یہ خبیث روحیں اپنی اصل صورتیں اختیار کرکے دل میں نہایت شرمندہ و خجل بھاگ جاتیں۔ بلکہ اکثر دن نکلنے پر کسی راہب کو نظر آتا کہ ان ہی ناپاک روحوں میں سے ایک روح روتی پیٹتی بھاگی جاتی ہے اور جب سبب پوچھا جاتا تو کہتی کہ "یہاں ایک عیسائی رہتا ہے اس نے مجھے ڈنڈے مار کر اور بہت بے عزت کرکے اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔"

صحرا کے سن رسیدہ راہب خوب جانتے تھے کہ گنہگاروں پر ان کا کس قدر رعب چھایا رہتا ہے۔ بعض وقت دنیا داروں کے ساتھ ان بڈھے راہبوں کی نیکیاں بھی نہایت خطرناک ہوتی تھیں۔ خدائے برحق کے مقابلہ میں خطاکاروں کو سزائیں دینے کا اختیار ان کو "مسیحی رسولوں" سے ودیعت ہوا تھا۔ جس کسی کو خاطی سمجھ لیتے پھر اس کو کہیں پناہ نہ ملتی۔ شہروں شہروں یہاں تک کہ سکندریہ میں بھی لوگ بہت خوف زدہ ہو کر کہا کرتے کہ ان بڈھوں کا ڈنڈا جس پر پڑ گیا پھر زمین شق ہو کر اس کو نگل ہی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام بدکار خاص کر نقال اور مسخرے کسبیاں اور متلاش پادری ان سے لرزتے رہتے تھے۔

ان پیرانہ سال زاہدوں کے اعمال ایسے اچھے ہوتے تھے کہ وحشی جانور بھی ان کا حکم مانتے تھے۔ مشہور تھا کہ جب ایک راہب بیمار ہو کر مرنے کو ہوا تو جنگل سے ایک شیر آیا کہ بیمار کی قبر اپنے پنجوں سے کھودے۔ شیر کے آتے ہی راہب سمجھ گیا کہ خدا اب اس کو اپنے پاس بلانے والا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے سب بھائیوں سے گلے ملا اور پھر زمین پر دراز ہوا تاکہ خداوند کے سایہ میں میٹھی نیند سو جائے۔

جب سے قیس اعظم انطونی نے جس کی عمر اب سو برس سے زائد تھی کوہ کلزین پر گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور اس کے دونوں مشہور شاگرد مکاروس اور اماشوس بھی صحرا چھوڑ کر اس کے ساتھ رہنے لگے تھے اس وقت سے طیبی کی وسیع اقلیم میں انصینو کے قیس بفنونوس سے بڑھ کر خدا کی راہ میں نیک کام کرنے والا کوئی باقی نہ رہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ افریم اور اسرافیون بھی صحرا کے مشہور اکابر میں شمار ہوتے تھے جن کی ماتحتی میں راہبوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی' اور اپنی اپنی خانقاہوں کے دینی و دنیوی انتظام میں بھی بہت شہرت حاصل کرچکے تھے لیکن عبادت اور ریاضت میں بفنونوس ان دونوں سے ممتاز تھا۔ روزے نہایت سخت قسم کے رکھتا۔ بعض اوقات تین تین دن تک کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔

بھیڑ کے بالوں کا بنا ہوا ایک نیچا پیرہن پہنتا اور صبح و شام اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پیٹھ پر کوڑے لگاتا اور اکثر منہ کے بل زمین پر پڑا رہتا۔

پفنوتوس کی جھونپڑی کے پاس ہی اس کے چوبیس شاگردوں نے اپنی جھونپڑیاں بنائی تھیں۔ اور جس طرح یہ راہب جسمانی ایذائیں اٹھاتا اسی طرح اس کے شاگرد بھی اٹھاتے۔ مسیح کے واسطے اس کو اپنے شاگردوں سے بے انتہا محبت تھی۔ اور نفس کشی کی ان کو ہمیشہ ہدایت کرتا رہتا تھا۔ اس کی اس روحانی اولادیں ایسے لوگ بھی تھے جو برسوں قزاقی کا پیشہ کرتے رہے تھے۔ لیکن پفنوتوس کی نصیحتوں سے وہ راہ راست پر آئے اور دنیا کی مکروہات سے انہوں نے اپنا دامن کھینچ لیا۔ ان ہی شاگردوں میں ملکہ حبش کا ایک رکابدار تھا جسے پفنوتوس نے رہبانیت کی تعلیم دی۔ اور پھر اس شاگرد کو سوائے گریہ وزاری کے دوسرا کام نہ رہا۔ اسی طرح فلے ویان جو کلیسا میں شماس کا درجہ رکھتا تھا اور بڑا عالم اور فصیح مانا جاتا تھا پفنوتوس کی ہدایت سے تارک الدنیا ہوا۔ لیکن اس کے تلامذہ میں سب سے بڑا درجہ ایک نوجوان کاشتکار کو ملا تھا جس کا نام پال تھا۔ اس کا لقب "سادہ لوح" رکھ دیا گیا تھا کیونکہ وہ بہت ہی بے عقل تھا۔ اور لوگ اس کی صورت دیکھ کر ہنسا کرتے تھے۔ لیکن خدا کی نظروں میں وہ بہت پیارا تھا۔ عالم رویا میں ہر چیز کی حقیقت کو پہچاننے اور پیشین گوئی کرنے کی قدرت اس کو عطا ہوئی تھی۔

پفنوتوس بڑا عالم باعمل تھا۔ اپنے شاگردوں کو ترک دنیا اور نفس کشی کا سبق دینے کے علاوہ وہ کتب مقدسہ کے دقیق مضامین پر اکثر غور کیا کرتا اور الفاظ کے ظاہری مفہوم سے قطع نظر کر کے ان کے پوشیدہ معنی تلاش کرنے میں مصروف رہتا۔ اور اسی وجہ سے گو ابھی نوجوان تھا اس میں بہت سی نیکیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ بھوت پریت صحرا کے تمام راہبوں کو تنگ رکھتے لیکن اس کے پاس تک کوئی نہ آ سکتا۔ رات کے وقت سات چھوٹے چھوٹے گیدڑ اس کی جھونپڑی کے دروازے کے سامنے کان لگائے چپ چاپ بیٹھے رہتے۔ مشہور تھا کہ یہ ابلیس کی ذریات ہیں جن کو پفنوتوس نے خدا پرستی کی قوت سے اپنے دروازے کے سامنے قید کر رکھا ہے۔

پفنوتوس اسکندریہ کے شہر میں شریف ماں باپ کے گھر پیدا ہوا تھا۔ دنیوی علوم میں ادب کی کتابیں اس کو بہت غور سے پڑھائی گئی تھیں۔ شاعروں کے مضامین پر جان دیتا تھا۔ اور باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دیوکالیون کے طوفان میں بنی نوع انسان کے غرق ہو جانے کا

یقین رکھتا تھا۔ اور جو لوگ اس کے ہم مکتب تھے ان سے خدا کی فطرت اور اس کی صفات بلکہ وجود باری پر بھی مخالفانہ بحثیں کیا کرتا۔ اس زمانے میں اس کی زندگی بالکل لہو و لعب کی تھی اور یہی حال اس وقت اور بت پرستوں کا بھی تھا۔ اب پفنونوس اپنے پچھلے حالات یاد کر کے نہایت شرمندہ اور پریشان رہا کرتا۔ اور اپنے دینی بھائیوں سے کہتا۔ کہ اس کی زندگی کا وہ زمانہ ایسا تھا جیسے دنیا کی لذتوں کی ایک دیگ چڑھی ہو۔ اور یہ بھی ان ہی لذتوں میں جوش کھاتا ہو۔ اس فقرے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں وہ خوش ذائقہ چیزیں کھاتا اور حماموں میں جہاں سب طرح کے لوگ آیا کرتے نہانے میں مصروف رہتا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس نے بیس برس کی عمر تک بے دین بت پرستوں میں زندگی بسر کی تھی جس کو زندگی کیا موت کہنا بہتر تھا۔ لیکن جب مکاروس تلمیذ انطونی نے اس کو مذہب کی تعلیم دی تو وہ بالکل نیا آدمی ہو گیا۔

مذہب کی حقیقت اور سچائی نے اس کے دل پر بیحد اثر کیا۔ بلکہ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ چیزیں تلوار کی طرح اس کے سینے میں اتر گئی ہیں۔ وہ عیسائی مذہب قبول کر کے مسیح مصلوب کی پرستش کرنے لگا۔ اصطباغ لینے کے بعد بدستور ایک برس تک بت پرستوں میں رہا۔ لیکن ایک دن گرجا میں گیا تو پادری کی زبان سے انجیل کی یہ عبارت سنی کہ "اگر تو کامل بننا چاہتا ہے تو جا اور جو کچھ تیرے پاس ہے اس کو بیچ ڈال اور مسکینوں کو دے دے۔" اتنا سن کر وہ اپنے گھر آیا اور جس قدر مال و اسباب رکھتا تھا اس کو بیچ کر قیمت غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اور خود دنیا چھوڑ بیٹھا۔ اور اب دس برس سے لذائذ دنیا کی دیگ میں ابلنے کے بدلے توبہ و تاسف کے روغن سے گناہوں کے زخموں کو مندمل کیا کرتا تھا۔

ایک دن حسب معمول وہ ان وقتوں کو یاد کر رہا تھا جو اس نے خدا سے دور رہ کر بسر کئے تھے اپنی خطاؤں کو ایک ایک کر کے یاد کرنے لگا تاکہ ان کی سنگینی اور شدت کا اندازہ کرے۔ اسی حال میں اس کو یاد آیا کہ برسوں ہوئے اسکندریہ کے تماشاخانہ میں اس نے ایک تماشا کرنے والی کو دیکھا تھا جو بہت ہی حسین تھی۔ اور اس کا نام تائیس تھا۔ یہ عورت تماشے دکھلایا کرتی تھی اور ایسے ناچ ناچنے میں اس کو مطلق شرم نہ تھی جنہیں دیکھ کر شہوانی قوا کو تحریک ہو۔ یا وہ ایسی بے شرمی کی حرکتوں کی نقلیں اتارتی جو بت پرستوں کے قصوں میں بڑی بڑی دیویوں مثلاً وینس، لیدا اور پاسیفی سے منسوب تھیں۔ ان نقلوں سے وہ تماشائیوں کے دلوں میں تعیش کی آگ بھڑکا دیتی۔ اور جب عاشق مزاج خوبرو جوان یا مالدار

بڑھے ہیشہ کے تماشبین اس کے دروازے پر پھولوں کے گچھے لٹکانے آتے تو ان کو اندر بلا کر بہت ہی خاطر و مدارات سے پیش آتی۔ اور جس طرح اپنا دین و ایمان غارت کیا تھا ان لوگوں کا دین و ایمان بھی غارت کرتی۔

پفنوتوس ان پرانے قصوں کو یاد کرتے کرتے دفعتاً چونکا اور لکڑی کی صلیب کے سامنے جس میں مسیح مصلوب کی صورت اس طرح لٹک رہی تھی گویا میزان عدل میں ایک طرف دنیا کے گناہ اور دوسری طرف ان کا کفارہ تولا جاتا ہے زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہوا اور اپنے گناہوں کو یاد کرنے میں تائیس کا خیال دل میں جمایا۔ کیونکہ اس عورت کا شمار بھی اس کے گناہوں میں تھا۔ رہبانیت کے قواعد مجبور کرتے تھے کہ نفس کی لذتوں کے خوفناک نتائج پر ہیشہ غور کیا جائے' چونکہ جہل و معصیت کے زمانے میں اس عورت نے اس کے نفس کو لذت کی ترغیب دی تھی اس لئے دیر تک وہ اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ چند گھنٹے اسی حال میں گزرنے کے بعد تائیس اس کو اپنی اصلی شکل و صورت میں نظر آنے لگی۔ دیکھا تو اس کا حسن و جمال وہی ہے جو پہلے تھا۔ شروع میں وہ اس طرح نظر آئی کہ لیدلوبھی کی طرح سنبل کی سیج پر لیٹی ہے۔ منہ اونچا کئے ہے۔ آنکھیں روشن اور نیم باز ہیں۔ نتھنوں کو حرکت ہوتی ہے۔ چھاتیاں ابھرتی ہیں اور دونوں بازو اس طرح پھیلے ہیں جیسے عشق و الفت کے دو چشمے رواں ہوں۔ یہ دیکھ کر پفنوتوس نے اپنا سینہ کوٹ لیا۔ اور کہا "اے خدا میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ اب میں نے اپنے گناہ کی شدت کو سمجھ لیا۔"

تائیس کی صورت اب بدلنی شروع ہوئی۔ دونوں باچھیں نیچے کو جھک کر منہ کھل گیا۔ اور رفتہ رفتہ ایک عجیب کیفیت درد و الم کی چہرے سے ظاہر ہونے لگی آنکھوں میں چمک تھی اور آنسو بھی بھرے تھے اور سینے سے سانس اس طرح آتا تھا۔ جیسے طوفان سے پہلے ہوا کے تیز جھونکے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یک لخت آتے ہوں۔ یہ حالت دیکھ کر پفنوتوس کے دل پر تیر سا لگا۔ طبیعت میں گداز پیدا ہوا۔ زمین پر اسی حال میں گھٹنے ٹیکے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا سے اس طرح فریاد کی۔ "اے تو جس نے ہمارے دلوں میں رحم اس طرح ڈالا ہے جیسے سبزے پر صبح کی شبنم گرتی ہو۔ اے عادل و رحیم۔ تیری حمد ہر وقت زبان پر ہے۔ میرے دل کے اس گداز کو جس سے نفس کو تحریص ہوتی ہے دور کر دے۔ اور صرف اپنی راہ میں مخلوق کی محبت میرے دل میں پیدا کر کیونکہ مخلوق فانی ہے اور تجھ کو ہیشگی ہے۔ اس عورت کے لئے اگر میرے دل میں درد ہے تو صرف اس

لئے ہے کہ وہ تیرے ہی ہاتھوں کی بنائی ایک چیز ہے۔ فرشتے بھی دردمندی سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ خداوندا کیا تیرے ہی نفس پاک نے اس میں روح نہیں پھونکی تھی' پھر ہرکس و ناکس کے ساتھ اس کا جنائے گناہ ہونا بند کر دے۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آتا ہے۔ اس کے گناہ نہایت مکروہ اور سنگین ہیں جن کے خیال سے مجھ پر خوف طاری ہوتا ہے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس قدر اس کے گناہوں میں ترقی ہوتی ہے اتنا ہی میرا ترس اس کے لئے بڑھتا جاتا ہے۔ جس وقت خیال آتا ہے کہ مرنے کے بعد وہ کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہو گی تو زارو قطار رونے لگتا ہوں۔"

ان ہی خیالات میں منہمک تھا کہ ایک چھوٹے سے گیدڑ کو اپنے قدموں کے پاس بیٹھا دیکھا۔ بفنونوس کو اس پر حیرت ہوئی کیونکہ جھونپڑی کا دروازہ صبح سے بند تھا۔ گیدڑ کی صورت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس راہب کے خیالات سے بالکل واقف ہے۔ ایک رستی کتے کی طرح وہ بار بار دم ہلاتا ہے۔ بفنونوس نے اپنے سینے پر نشان صلیب بنایا اور وہ گیدڑ فوراً" غائب ہو گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر راہب کو خیال ہوا کہ آج پہلا دن ہے کہ شیطان کو اس کی جھونپڑی میں آنے کا موقعہ ملا۔ فوراً" ایک دعا پڑھی اور پھر تائیس کے خیال میں مصروف ہوا اور دل میں کہنے لگا۔ "خدا کی مدد شامل حال رہی تو ضرور اس عورت کو گناہوں سے بچا لوں گا۔" اور اسی خیال میں سو گیا۔

دوسرے دن عبادت اور وظیفے سے فارغ ہوتے ہی ایک بڑے خدا رسیدہ راہب کے پاس گیا جو یہاں سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ اس راہب کا نام بلمون تھا۔ دیکھا کہ وہ بہت ہی بشاش ہے۔ ہنستا چہرہ ہے اور حسب معمول اپنے باغیچے میں زمین کھود رہا ہے۔ یہ راہب بہت بڈھا تھا اور اس باغیچہ کا وہی مالک بھی تھا۔ جنگل کے وحشی جانور اس سے مانوس تھے اور قریب آ کر اس کے ہاتھ چاٹنے لگتے تھے۔ شیاطین بھی اس کو مطلق نہ ستاتے تھے۔

بفنونوس کو دیکھتے ہی بلمون نے کدال چلانی بند کی مگر اسی طرح جھکے جھکے کدال کے دستے پر ہاتھ ٹیک کر بولا۔ "سب تعریف خدا کی ہے بھائی بفنونوس۔"

بفنونوس نے جواب دیا۔ "سب تعریف اسی پروردگار کی ہے۔ تجھ پر سلامتی ہو۔ بھائی بلمون۔"

بلمون اب سیدھا کھڑا ہوا اور پیشانی کا پسینہ ہاتھ سے پونچھ کر بولا۔ "اور تجھ پر بھی سلامتی ہو۔ بھائی بفنونوس۔"

اس طرح سلام و جواب ختم ہونے کے بعد پفنونوس نے کہا۔ "بلمون چونکہ ہماری گفتگو کا مقصد ہمیشہ اس ذات اقدس کی تعریف و تمجید ہوتی ہے جس نے وعدہ فرمایا ہے کہ اپنے ان بندوں پر ظاہر ہو گا جو اس کا نام لیتے ہوئے ایک ہی جگہ جمع ہوا کریں گے۔ اس لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں کہ اپنا ایک ارادہ ظاہر کروں جس سے مراد خداوند کے نام کی بزرگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

بلمون۔ "پفنونوس خدا تمہارے ارادے میں ایسی ہی برکت دے جیسے میری کیاری کے ساگ پات میں وہ برکت دیتا ہے۔ ہر روز میرے اس چھوٹے سے باغ کو اپنی رحمت کی اوس برسا کر وہ رونق بخشتا ہے اور جو ترکاریاں میری ان کیاریوں میں بہ افراط ہوتی ہیں۔ وہ بھی سب اسی کا احسان و کرم ہیں اور اسی کی حمد ہر وقت بجالاتا ہوں۔ آؤ بھائی خدا سے التجا کریں کہ وہ ہمیشہ ہمارے قلب کو اطمینان بخشے۔ کیونکہ بے قاعدہ خواہشوں سے جو فکر پریشانی انسان کو ہوتی ہے۔ ان سے ہمیشہ ڈرنا چاہئے۔ جب اس قسم کی خواہشیں دل میں پیدا ہوتی ہیں تو ہمارا حال ایک شرابی کا سا ہو جاتا ہے کہ چلنے میں پاؤں کبھی ادھر پڑتا ہے اور کبھی ادھر۔ اور ہر قدم پر معلوم ہوتا ہے کہ گر پڑیں گے اور ذلیل ہوں گے۔ بعض تحریکیں دل میں مسرت انگیز ولولے پیدا کرتی ہیں۔ مگر یہ سب ناجائز اور اعتدال سے خارج ہوتی ہیں۔ اگر انسان اپنی یہی حالت قائم رکھتا ہے تو شیاطین اس پر ہنستے ہیں اور ان کے ہنسنے کی آواز سب طرف گونج اٹھتی ہے۔ یہ جوش اور ولولے جو قابل افسوس ہوتے ہیں انسان کو طرح طرح کی مصیبت و قباحت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب روح اور حواس پر مشکلیں ہجوم کرتی ہیں تو طبیعت پر ایک افسردگی طاری ہوتی ہے اور یہ بڑی ہی مکروہ چیز ہے۔ اس مسرت سے بھی زیادہ مہلک ہے جو نفس کی بری خواہشوں کی پیروی میں پیدا ہوتی ہے۔ بھائی پفنونوس میں تو ایک گنہگار ہوں۔ لیکن ایک عمر دراز بسر کرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ افسردگی سے بڑھ کر کوئی دشمن ایک راہب کا نہیں ہو سکتا۔ اس افسردگی سے میری مراد طبیعت کی وہ ماتم سازی اور ہر چیز کو بری نظر سے دیکھنے کی عادت ہے جو انسان کی روح کے گرد ایک غبار کثیف کی طرح چھا جاتی ہے اور خدا کے نور کو اس کی طرف نہیں آنے دیتی۔ شیطان کی سب سے بڑی فتح اس میں ہے کہ وہ ایک نیک بندے کے دل میں شقاوت اور ترش مزاجی کا بیج بو دے۔ انسان کی سلامتی میں اس سے زیادہ خدشے کی کوئی چیز نہیں۔ اگر شیطان صرف دنیا کی لذتوں کی ترغیب دیا کرتا تو وہ چنداں

خطرناک نہ تھا۔ لیکن وہ تو ہمیں آزار پہنچانے میں انتہائے بڑھا ہوا ہے۔ کیا اس نے ہمارے محترم انطونی کو ایک نہایت خوبصورت سیاہ فام بچہ نہیں دکھایا تھا۔ جس کی خوبصورتی کو دیکھ انطونی گریہ کرنے لگا تھا لیکن انطونی شیطان کے دھوکے میں نہ آیا۔ اور یہ میرا چشم دید واقعہ ہے کہ جب تک یہ بزرگ ہم راہبوں میں آباد رہا۔ ہمیشہ خوش و بشاش رہا۔ افسردگی کبھی اس پر طاری نہ ہوئی لیکن پفنوتوس تم تو اپنا کوئی ارادہ مجھ سے بیان کرنے آئے ہو۔ ضرور بیان کرو۔ یہ تمہاری بڑی نوازش ہوگی کیونکہ تمہارے ارادے کا مقصد خدا کے نام کو بزرگی دیتا ہے۔"

پفنوتوس۔ "ہاں میرا مقصد یہی تھا۔ اب آپ اپنے مشورے سے میرے دل کو تسکین دیں کیونکہ آپ کو خدا کا نور ملا ہے اور گناہوں نے کبھی آپ کی عقل کو تاریک نہیں کیا۔"

پلمون۔ "بھائی پفنوتوس میں تو اس قابل بھی نہیں کہ تمہاری نعلین کے تسمے کھول سکوں اور میرے گناہ تو اتنے ہیں جتنے ریگستان میں ریگ کے ذرے لیکن میں بڈھا ہوں اور اب تک جو کچھ تجربہ مجھ کو حاصل ہوا ہے اس سے تمہاری مدد کروں گا۔"

پفنوتوس۔ "تو پھر اے برادر مہربان سنئے۔ ایک خیال نے میرے دل کو نہایت غمگین کر رکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسکندریہ کے شہر میں ایک تماشے والی ہے جس کا نام تائیس ہے۔ وہ خود گناہوں میں مبتلا ہے۔ اور دوسروں کو بھی گنہگار کرتی ہے۔"

پلمون۔ "یہ تو بڑی ناپاکی ہے۔ بے دینوں میں بہت سی عورتیں اسی طرح زندگی بسر کرتی ہیں۔ تو کیا تم نے اس کا کوئی علاج سوچا ہے۔"

پفنوتوس۔ "ہاں میرا ارادہ ہے کہ اسکندریہ جا کر اس عورت کو تلاش کروں اور خدا کی مدد سے اسے نیک راستے پر لاؤں' یہی میرا مقصد ہے آپ اس کو پسند کرتے ہیں یا نہیں۔"

پلمون۔ "بھائی پفنوتوس میں تو ایک گنہگار بندہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ لیکن قسیس اکبر انطونی کا قول مجھے یاد ہے کہ جہاں کہیں بھی تم ہو وہاں سے دوسری جگہ جانے میں جلدی نہ کرو۔"

پفنوتوس۔ "تو کیا بھائی پلمون آپ کو میرے اس ارادے میں کوئی بات کھٹکتی ہے۔

بلمون۔ "خدا وہ دن نہ لائے کہ میں کسی بھائی کے ارادے کو بدگمانی کی نظر سے دیکھوں۔ لیکن ہمارا مقدس انطونی کہا کرتا تھا کہ "جب مچھلیاں پانی سے نکال کر زمین پر ڈال دی جاتی ہیں تو وہ مر جاتی ہیں۔ اسی طرح راہب جب اپنی جھونپڑیوں اور حجروں سے نکل کر دنیا کے لوگوں میں جاتے ہیں تو وہ اپنے پاک مقصد سے ہٹ جاتے ہیں۔""

اتنا کہہ کر بلمون نے پھر اپنی کدال سنبھالی اور ایک انجیر کے درخت کی جڑ کے پاس مٹی کو نرم کرنے لگا۔ جس میں کثرت سے پھل آئے ہوئے تھے۔ اس کام میں مصروف تھا کہ ایک ہرنی جو باغیچہ کی باڑ کود کر اندر آ چکی تھی کچھ دور ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی اور پھر دو چوکڑیاں بھر کر بلمون کے پاس چلی آئی اور اس کی گود میں اپنا منہ ڈال دیا۔

بلمون بولا۔ "صحرا کے ان غزالوں کو دیکھ کر خدا کی تعریف کرو۔"

اس کے بعد وہ اپنی جھونپڑی میں گیا۔ خوبصورت ہرنی بھی پیچھے پیچھے گئی۔ راہب نے کچھ روٹی نکالی اور ہرنی اس کے ہاتھ سے روٹی کھانے لگی۔

پفنوتوس دیر تک زمین کی طرف دیکھتا ہوا کسی خیال میں غرق رہا۔ پھر آہستہ قدم اپنی جھونپڑی کی طرف چلا اور بلمون سے جو کچھ سنا تھا اس پر برابر غور کرتا رہا۔

دل میں کہنے لگا۔ "یہ راہب بڑا آزمودہ کار ہے۔ مزاج میں بہت احتیاط ہے اس نے میرے ارادے کو درست نہیں سمجھا' بہرکیف تائیس کو یونہی شیطان کے قبضہ میں رہنے دینا اب تو ایک ظلم معلوم ہوتا ہے۔ خدا میری رہنمائی کرے اور مجھ کو نیک ہدایت دے۔"

یہی سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ دیکھا ریت پر چڑیمار کے جال میں ایک پرندہ پھنس گیا ہے' صورت دیکھ کر پہچانا کہ وہ بگلے کی مادہ ہے۔ اتنے میں اس کا نر تیز اڑتا ہوا آیا اور اپنی چونچ سے جلدی جلدی جال کے پھندوں کو توڑنے لگا۔ یہاں تک کہ جال میں ایک بڑی سوراخ ہو گیا۔ اور بگلے کی مادہ قید سے آزاد ہو کر اڑ گئی۔ خدا پرست راہب نے اس واقعہ پر غور کیا اور اپنے نفس کی پاکیزگی سے جو معنی اس میں مخفی تھے ان کو آسانی سے سمجھ گیا۔ خیال ہوا کہ جال میں پھنسے ہوئے پرندے سے مراد سوائے تائیس کے اور کون ہو سکتا ہے۔ جو اس وقت قعر عصیاں میں ڈوب رہی ہے اور جس طرح اس وقت بگلے نے اپنی چونچ سے جال کے پھندے توڑے ہیں اسی طرح پند و نصیحت کی قوت سے ان ناپدید بندشوں کو توڑ ڈالنا چاہئے۔ جنہوں نے تائیس کو گناہوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اس خیال کے آنے پر اس نے خدا کی تعریف کی اور اپنے ارادے میں بالکل پختہ ہو گیا۔ لیکن جب پیچھے مڑ کر دیکھا کہ جس

پرندے نے جال توڑا تھا خود اس کے پنجے جال میں پھنس گئے ہیں۔ تو اس کو اپنے ارادے میں تذبذب ہوا۔

رات بھر پفنوتوس کو نیند نہ آئی۔ صبح ہونے سے پہلے اس نے خواب میں دیکھا کہ تائیس پھر اس کے سامنے آئی ہے اور آج اس کے چہرے پر کوئی علامت جس سے ہوا و ہوس پیدا ہوتی ہو نہیں پائی جاتی۔ لباس بھی اس کا باریک نہیں ہے۔ بلکہ ایک موٹی چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہے۔ سارا جسم چھپا ہے صرف آنکھیں نظر آتی ہیں جن میں آنسو بھرے ہیں۔

یہ دیکھ کر پفنوتوس بھی رونے لگا۔ اور سمجھا کہ خواب میں یہ شکل خدا کی طرف سے اس پر ظاہر کی گئی ہے۔ پس اس کا تذبذب بالکل جاتا رہا۔ اور ایک لکڑی جو اوپر سے کچھ ٹیڑھی تھی (اور نصرانیت کا نشان سمجھی جاتی تھی) ہاتھ میں لے جھونپڑی سے باہر آیا۔ دروازہ احتیاط سے بند کیا تاکہ کتاب مقدس جو سرہانے رہا کرتی تھی اس کو صحرا کے چوپائے اور پرندے اندر آکر خراب نہ کریں۔ پھر اس نے اپنے چوبیس شاگردوں میں سے فلے وہاں کو طلب کیا اور باقی تئیس شاگردوں کی نگرانی و نگہداشت اس کے سپرد کی اور کمبل کا نیچا کرتا پہنے دریائے نیل کی طرف اس ارادہ سے چل پڑا کہ دشت لیبیہ کی جانب جو کنارہ دریا کا چلا گیا ہے اس کی ریتی ریتی چل کر اسکندر مقدونی کے بسائے ہوئے شہر اسکندریہ میں پہنچ جائے۔ سورج نکلتے ہی ریتی میں چلنا شروع کر دیا۔ نہ تکان کی پروا تھی نہ بھوک اور پیاس کی۔ یہاں تک کہ آفتاب افق مغرب کے قریب پہنچا۔ آسمان پر شفق پھولی اور دیکھا کہ جن پہاڑیوں کے بیچ میں سے دریا گزرتا تھا وہ آگ کا شعلہ یا سونے کا ڈلا بن گئی ہیں اور دریا کی موجوں پر کسی نے خون کی افشاں کر دی ہے۔ اسی حال میں دریا کے کنارے کنارے سفر جاری رکھا۔ جب بھوک بہت ستاتی اور ایسی جھونپڑیاں رستے میں ملتیں جو عشق خدا میں ایک دوسرے سے بے تعلق دور دور ڈالی گئی تھیں تو ان کے دروازے پر جا کر روٹی مانگتا۔ اگر روٹی کے بدلے جواب میں گالیاں یا انکار یا دھمکیاں سننی پڑتیں تو ان کو بہت خوشی سے گوارا کرتا۔ نہ اسے قزاقوں کا ڈر تھا نہ جنگلی درندوں کا۔ اتنی احتیاط البتہ ضرور کی کہ اگر کہیں گاؤں یا بستیاں ملیں تو ان سے بچ کر نکلا۔ کیونکہ کہ اس کو ان بچوں سے ڈر لگتا تھا جو اپنے گھروں کے سامنے سوکھی ہڈیوں سے کھیلتے ہوتے تھے یا اس کا خوب ہوتا تھا کہ کہیں عورتیں نیلے کرتے پہنے اس دھج سے نظر نہ آئیں کہ پانی کے برتن اپنے کندھوں سے اتار کر

کسی تالاب کے کنارے رکھتی ہوں' راہب کے لئے ہر چیز میں ایک خوف اور اندیشہ موجود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ انجیل میں اس مضمون کا پڑھنا بھی خالی از خطر نہیں کہ خداوند یسوع مسیح ایک شہر سے دوسرے شہر میں گیا اور اپنے شاگردوں کے ساتھ ضیافت کھائی۔ یہ راہب اپنے دامن ایمان پر جس قدر نیکیوں کے پھول بوٹے کاڑھتے تھے وہ جیسے خوبصورت ہوتے ویسے ہی نازک بھی ہوتے تھے۔ دنیا کی ذرا سی ہوا لگتے ہی ان کا رنگ ماند پڑ جاتا تھا۔ اسی لئے وہ شہروں میں جانے سے پرہیز کرتے تھے۔ کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں آدمیوں کی حالت دیکھ کر ان کے دل میں کسی طرح کی نرمی یا گداز نہ پیدا ہو جائے۔

کبھی شاہراہ چھوڑ کر وہ دوسرے رستوں سے سفر کرتا۔ جب شام ہو جاتی اور املیوں کے گھنے درخت ہوا سے جھومنے لگتے تو یہ کیفیت دیکھ کر وہ خود بھی کانپ جاتا۔ اور جلدی سے منہ ڈھانک لیتا کہ قدرت کی حسین چیزوں پر نظر نہ پڑے۔ چھ دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک مقام پر پہنچا جسے سلسلی کہتے تھے۔ یہاں دریائے نیل ایک تنگ گھاٹی میں سے گزرا تھا۔ دونوں طرف کناروں سے قریب سنگ خارا کے اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے اسی مقام پر مصر قدیم کے لوگوں نے جبکہ وہ شیاطین اور بلیات کی پرستش کرتے تھے اپنے معبودوں کی سنگین مورتیں بڑے بڑے چٹانوں کو تراش کر بنائی تھیں۔ ان ہی بتوں میں ایک بہت بڑا سر ابوالہول کا نظر آیا جو پہاڑوں کے بیچ میں ایک بڑی چٹان کو کاٹ کر بنایا تھا۔ راہب ڈرا کہ کہیں کسی شیطانی اثر سے یہ سر زندہ نہ ہو جائے اس نے فوراً اپنے سینہ پر صلیب کا نشان بنایا اور مسیح کا نام لیا۔ اس نام کے لیتے ہی اس سر کے کان میں سے ایک چمگادڑ نکل کر اڑی۔ پفنونوس سمجھا کہ اس بت میں جو بلائے بد صدہا برس سے مقید تھی وہ مسیح کا نام لیتے ہی فرار ہوئی۔ جوش ایمان اور بڑھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر اس نے ابوالہول کے چہرے پر مارا۔ پتھر کے لگتے ہی یہ چہرہ اس درجہ غمزدہ معلوم ہونے لگا کہ پفنونوس کو اس پر بے اختیار رحم آیا۔ حقیقت میں اس چہرہ سے ایسا غم والم ظاہر ہونے لگا کہ بے درد سے بے درد کا دل بھی اسے دیکھ کر ہل جائے۔ غرض پفنونوس نے اس پتھر کے ابوالہول سے کہا:

"اے جانور۔ مسیح کے خدا ہونے کا قائل ہو۔ پھر میں باپ بیٹے اور روح القدس کا نام لے کر تجھے برکت دوں گا۔"

اتنا کہتے ہی ابوالہول کے چہرے پر ایک سرخ روشنی چمکی اور اس کی آنکھوں کے موٹے

موٹے پپوٹوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور پتھر کے ہونٹوں سے مسیح کا نام ایسی آواز میں سنائی دیا جو کسی انسان کے منہ کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی تھی۔ اس پر پفنوتوس نے فوراً اپنا داہنا ہاتھ بلند کیا اور ابوالہول کے حق میں دعا کی۔

اس کے بعد آگے چلا۔ جب تنگ گھاٹی سے باہر آیا تو ایک عظیم الشان شہر کے صدہا کھنڈر نظر آئے۔ اس برباد مقام میں جو بت خانے اب تک سلامت تھے' ان کی چھتیں بتوں کے سروں پر رکھی تھیں گویا ان عمارتوں کے ستون سب بڑے بڑے قد آور بت تھے۔ اب ان تمام بتوں نے خواہ ان کی شکل عورتوں کی تھی یا شاندار جانوروں کی' خدا کے حکم سے یک لخت پفنوتوس کی طرف اپنی نظریں جما دیں جس کی وجہ سے راہب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سترہ دن تک وہ سفر کرتا رہا۔ جنگلی پھل زمین سے اٹھا کر کھا لیتا۔ اور رات کو برباد محلوں میں کہیں پڑ رہتا جہاں فرعونوں کے زمانے کے جنگلی بلاؤ اور چوہے ایسی عورتوں کے ساتھ رہا کرتے تھے جن کا نیچے کا دھڑ فلس دار مچھلی کا سا ہوتا تھا۔ پفنوتوس کو خوب معلوم تھا کہ یہ عورتیں دوزخ سے نکل کر یہاں آباد ہوئی ہیں۔ چنانچہ جہاں اس کو ان کی ذرا بھی آہٹ معلوم ہوتی فوراً صلیب کا نشان بنا کر ان کو دور کر دیتا۔

اٹھارویں دن اس کا گزر ایک بہت ہی زبوں حال جھونپڑی سے ہوا جو کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے قریب نہ کوئی گاؤں تھا نہ بستی۔ اور چاروں طرف ہوا سے ریت کے اتنے اونچے ڈھیر ہو گئے تھے۔ کہ جھونپڑی زمین میں گڑی معلوم ہوتی تھی۔ پفنوتوس سمجھا کہ اس میں کوئی بڑا ہی بزرگ راہب رہتا ہو گا۔ غرض جھونپڑی کے قریب آیا۔ دروازہ میں کواڑ نہ تھے۔ باہر ہی سے نظر آیا کہ اندر پانی کا ایک گھڑا اور کونے میں ایک طرف کچھ پیاز کی گٹھیاں پڑی ہیں۔ اور ایک چھوٹا سا خشک پتوں کا بچھا ہے۔

پفنوتوس نے دل میں کہا کہ "گھر کا یہ سامان تو کسی بڑے ہی عابد و زاہد کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ گھر سے دور نہیں جایا کرتے۔ یہیں کہیں آس پاس ہو گا اور جلد ملاقات ہو جائے گی۔ اور جب اس سے ملاقات ہو گی تو اسے سلام کر کے اس کی پیشانی کا بوسہ لوں گا۔ اور یہ تتبع ہو گا قسیس محترم انطونی کی مثال کا۔ کیونکہ جب وہ اس صحرا کے ایک مشہور راہب پولوس کی جھونپڑی کے پاس سے گزرا تھا تو تین مرتبہ اس سے بغل گیر ہوا تھا۔ میں بھی اس راہب سے ملتے ہی معانقہ کروں گا۔ اور پھر ہم دونوں مل کر خدا کی باتیں کریں گے اور کیا عجب ہے کہ اس وقت خداوند کسی کوے کو چونچ میں روٹی لئے ہوئے ہمارے پاس

بھیجے اور یہ راہب مجھ کو بھی ایک ٹکڑا اس روٹی میں سے دے۔

اسی شوق میں ارادہ کیا کہ جھونپڑی کے گرد ایک چکر لگانا چاہئے۔ شاید راہب سے ملاقات ہو جائے۔ اس قصد سے کوئی سو قدم گیا ہو گا کہ دریا کے کنارے ایک آدمی بیٹھا دکھائی دیا۔ سر سے پاؤں تک بالکل برہنہ۔ داڑھی اور سر کے بال جیسے بگلے کے پر۔ اور بدن کا رنگ ایسا جیسے لوہے پر زنگ آ گیا ہو۔ اب ذرا شبہ نہ رہا کہ جھونپڑی کا رہنے والا یہی بڈھا ہے۔ فوراً قریب گیا اور راہبوں کے طریقے کے مطابق اس پیر سال خوردہ کو اس طرح سلام کیا۔

پفنوتوس۔ "برادر۔ تجھ پر سلامتی ہو۔ اور جنت کے شیریں میوے کھانے نصیب ہوں۔"

بڈھے نے کچھ جواب نہ دیا اور جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح دم سادھ بیٹھا رہا۔ بلکہ معلوم ایسا ہوا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ پفنوتوس سمجھا کہ شاید یہ خاموش حالت وجدان کی ہے جو سچی درویشوں پر اکثر طاری رہا کرتی ہے۔ بہرکیف اس بڈھے کے سامنے وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر گھٹنوں کے بل کھڑا ہوا اور شام کی عبادت کے وقت تک یوں ہی کھڑا رہا۔ جب دیکھا کہ اس بزرگ کو کسی طرح جنبش ہی نہیں ہوئی تو کہنا شروع کیا:

"بابا اگر آپ اپنے مراقبہ سے فارغ ہو چکے ہوں تو خداوند یسوع مسیح کا نام لے کر مجھے برکت دیجئے۔"

اب بڈھے نے بغیر گردن پھیرے جواب دیا کہ "اے اجنبی نہ میں تیری بات کا مطلب سمجھتا ہوں اور نہ میں خداوند یسوع مسیح کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔"

اتنا سنتے ہی پفنوتوس تعجب سے چلا کر بولا۔ "ہائیں یہ کیا کہتے ہو' یسوع مسیح تو وہ ہے جس کی خبر نبیوں نے دی تھی۔ ہزارہا لوگ اس کے نام پر شہید ہوئے۔ خود قیصر نے اس کی پرستش کی اور ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ میں نے سلسلی کے ابوالہول کو اس کا نام پکارتے ہوئے سنا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم خداوند کے نام کو نہ جانتے ہو۔"

بڈھا۔ "اے عزیز یہ بالکل ممکن ہے۔ اور اگر یقین کا وجود دنیا میں ہوتا تو یہ امکان بالکل یقینی ہوتا۔"

پفنوتوس کو اس بڈھے کی لاعلمی پر سخت تعجب اور افسوس ہونے لگا۔ اور بڈھے سے کہا۔ "اگر تم یسوع مسیح کو نہیں جانتے تو تم کو اس ریاضت سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔ بغیر

خداوند کو جانے تم ہمیشہ کی زندگی کبھی نہ پا سکو گے۔"

بڈھے نے جواب دیا۔ "پانا نہ پانا۔ زندگی اور موت میرے لئے سب ہیچ ہیں۔

پفنونوس۔ "تائیں تو کیا تمہیں ہمیشہ کی زندگی کی بھی پروا نہیں۔ کیا تم اس صحرا میں ایک راہب کی طرح جھونپڑی میں نہیں رہتے ہو۔"

بڈھا۔ "ظاہر تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

پفنونوس۔ "کیا تم ہر قسم کے سامان سے محروم اور برہنہ نہیں ہو۔"

بڈھا۔ "ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

پفنونوس۔ "کیا تم جڑی بوٹی ساگ پتی کھا کر نہیں جیتے ہو۔"

بڈھا۔ "ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے۔"

پفنونوس۔ "کیا تم نے دنیا کی باطل اور فضول باتوں سے کنارہ نہیں کیا۔"

بڈھا۔ "ہاں یہ سچ ہے کہ میں نے ایسی باطل اور فضول چیزوں سے پرہیز کیا ہے جن کے حاصل کرنے کی اکثر لوگ کوشش کرتے ہیں۔"

پفنونوس۔ "تو پھر تم ایسے ہی ہوئے جیسا کہ میں ہوں یعنی مفلس، پاک باز اور تارک الدنیا۔ لیکن میری طرح عشق معبود کا پرتو اور آسمان کی نگاہ مہر تم پر نہیں ہے اگر تم یسوع مسیح پر ایمان نہیں رکھتے تو پھر تمہاری ان نیکیوں سے کیا حاصل، اگر تم کو آسمان پر نعمتیں ملنے کی توقع نہیں تو پھر دنیا کی نعمتوں سے کیوں اپنے تئیں محروم کیا۔"

بڈھا۔ "اے اجنبی میں نے اپنے تئیں کسی چیز سے محروم نہیں کیا۔ صرف مجھے ایک ایسا طریقہ زندگی بسر کرنے کا معلوم ہو گیا ہے جو میری تسکین کے لئے کافی ہے۔ گو واقعہ یہ ہے کہ یہ طرز زندگی نہ اچھا ہے نہ برا۔ کوئی بات بذات خود نہ قابل فخر ہے نہ قابل شرم۔ نہ اس میں انصاف ہے نہ بے انصافی۔ نہ وہ خوش گوار ہے نہ ناگوار۔ یہ فقط انسان کا خیال ہے جو ہر شے میں اس کی صفات اس طرح پیدا کر دیتا ہے جیسے نمک کھانوں میں ذائقہ پیدا کر دیتا ہے۔"

پفنونوس۔ "تو پھر کیا تمہارے خیال میں یقین کا دنیا میں وجود ہی نہیں۔ کیا تم کو اس حقیقت سے انکار ہے جس کی تلاش میں بت پرست تک رہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہالت میں تم ایسے ڈوبے ہو جیسے تھکا ہوا کتا نیند کا ماتا ہو کر کیچڑ میں بے خبر سو جائے۔"

بڈھا۔ "فلسفیوں کو برا کہنا بھی ایسا ہی بیکار ہے۔ جیسے کتوں کو برا سمجھا ہم کو نہیں معلوم

کہ کتا کیا ہے اور ہم خود کیا ہیں۔ ہمیں تو کسی چیز کا بھی علم نہیں۔"

بفنونوس۔ "ارے بڈھے۔ تو پھر کیا تو اس مسخرے فرقے کا آدمی ہے۔ جس کو متشکک کہتے ہیں۔ کیا تو بھی ان کو رنجنا حمقوں میں ہے جن کو حرکت اور سکون دونوں سے انکار ہے اور جن کی بصارت اتنی بھی نہیں کہ دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے میں تمیز کر سکیں۔"

بڈھا۔ "اے عزیز۔ اس میں کلام نہیں کہ میں متشکک ہوں۔ اور مجھے ایسے فرقے سے تعلق ہے جس کو تم مسخرا اور میں اچھا سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ایک ہی شے مختلف صورتوں میں نظر آیا کرتی ہے۔ منف کے اہرام طلوع آفتاب کے وقت گلابی روشنی کے مخروط معلوم ہوتے ہیں مگر وہی اہرام غروب کے وقت جب کہ آسمان پر شفق ہوتی ہے ایک مشتعل سطح پر سیاہ مثلث نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی اندرونی کیفیت کسی پر ظاہر نہیں۔ تو صورتوں کے انکار پر مجھے ملامت کرتا ہے حالانکہ میں صرف صورتوں ہی کو حقیقت مانتا ہوں۔ آفتاب مجھ کو روشن معلوم ہوتا ہے مگر اس کی ماہیت سے میں آگاہ نہیں۔ جانتا ہوں کہ آگ جلا دیتی ہے لیکن کس طرح اور کیوں جلا دیتی ہے اس سے ناواقف ہوں۔ اے میرے عزیز تو مجھے بہت برا خیال کرتا ہے مگر تیرے اس خیال سے میرا کچھ بنتا بگڑتا نہیں۔"

بفنونوس۔ "اس صحرا میں سوکھی کھجوریں اور جنگلی پیاز کھا کر کیوں گزر کرتے ہو' کیوں اپنے نفس پر اس طرح کی سختیاں جھیلتے ہو' میں بھی تمہاری طرح دنیا چھوڑ کر پرہیزگاری سے زندگی بسر کرتا ہوں۔ لیکن یہ طریقہ میں نے خدا کو خوش کرنے کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ مسرت جاوید مجھے نصیب ہو۔ یہ ایک معقول وجہ ہے کسی بڑے انعام کے لئے تکلیفیں اٹھانی عقل کی بات ہے' برعکس اس کے یہ جنون ہے کہ انسان جان بوجھ کر ایسی تکلیفیں برداشت کرے جن سے کچھ حاصل نہ ہو۔ اگر میں ایمان نہ رکھتا ہوتا (اور اے نور قدیم و ازلی تو اس کفر بکنے پر مجھے معاف کرے گا) اگر میں خدا کی نسبت جو تعلیم مجھے دی گئی ہے اسے نبیوں کے کلام اور ابن اللہ کی مثال اور "رسولوں" کے اعمال اور مسیحی مجالس کے احکام اور شہیدوں کی گواہی کی بنیاد پر یقین نہ کرتا ہوتا۔ اگر مجھ کو علم نہ ہوتا کہ جسم کو آزار پہنچانے سے روح کی اصلاح ہوتی ہے۔ اگر میں تیری طرح اسرار نصرانیت سے ناآشنا ہوتا تو فوراً" دنیا کی طرف پلٹ جاتا۔ دولت کمانے کی فکر کرتا۔ زندگی کا حظ اٹھاتا اور عیش و نشاط کی ذریات سے کہتا "آؤ۔ آؤ۔ میری بیٹیو۔ میرے خادماؤ آؤ۔ اور اپنی اپنی شرابیں اور

مرقیات اور عطریات میرے سامنے رکھو۔" لیکن تم ایسے عقل کے دشمن ہو کہ تمام لذائذ سے بلاوجہ محروم ہو گئے۔ نقصان تو تم اٹھاتے ہو اور فائدہ کچھ نہیں حاصل کرتے' اپنی چیز دوسرے کو مستعار دیتے ہو۔ اور اس کی توقع نہیں رکھتے کہ وہ واپس ملے گی ہم عابدوں اور راہبوں کی نقل تم اس طرح اتارتے ہو۔ جیسے کوئی بندر ایک دیوار پر اپنے پنجوں سے چھاپے مارے اور سمجھے کہ وہ کسی باکمال مصور کی تصویر کی نقل اتار رہا ہے۔ اے بے وقوفوں کے سردار بتا تو کہ وہ کیا اسباب و دلائل ہیں جن کی بنا پر تو نے اپنا یہ درجہ کیا ہے۔"

پفنوتوس نے یہ جملے بہت ہی جوش و خروش میں کہے تھے۔ لیکن بڈھے پر مطلق اثر نہ ہوا۔ اور بہت ہی نرمی سے بولا:

بڈھا۔ "یار عزیز۔ کیچڑ میں سوتے ہوئے کتے یا ایک شریر بندر کے پاس اسباب و دلائل ہوں تو کیا اور نہ ہوں تو کیا۔"

پفنوتوس کی غرض اس گفتگو سے محض خدا کے نام کو بزرگی دینی تھی۔ اب اس کا غصہ جاتا رہا۔ شرمندہ ہوا اور اپنے نفس کو ملامت کر کے بڈھے سے کہنے لگا:

"تو میرا بھائی ہے۔ اگر حق کے کہنے میں مجھ سے تجاوز ہوا تو مجھے معاف کر۔ خدا میرا شاہد ہے کہ مجھے تیری ذات سے کسی طرح کی پرخاش نہیں۔ صرف تیری خطا و غلطی سے نفرت ہے کیونکہ میں بواسطہ مسیح تجھ سے الفت رکھتا ہوں۔ اور تیری نجات میری دلی تمنا ہے۔ اب بتا کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر تو نے یہ حالت اختیار کی۔ مجھ کو ان کے سننے کی ضرورت ہے تاکہ میں تجھ پر ان کی غلطی ثابت کر سکوں۔"

بڈھے نے بہ نرمی سے جواب دیا:

"بولنے کو بھی ایسا ہی جی چاہتا ہے جیسا چپ رہنے کو۔ میں اپنے اسباب و دلائل تیرے سامنے بیان کر دوں گا۔ لیکن تیرے دلائل سننے کی مجھے خواہش نہیں کیونکہ مجھے کسی طرح کی دلچسپی تیرے ساتھ نہیں۔ نہ مجھے تیری خوشی کا خیال ہے نہ رنج کا۔ اور جو کچھ تیرے خیالات میری نسبت ہیں وہ میرے حق میں بالکل بے اثر ہیں۔ کیونکہ میں نہ کسی سے عداوت رکھ سکتا ہوں نہ دوستی۔ عداوت اور انسانی ہمدردی دونوں ایک عاقل کے لئے مضر ہیں۔ لیکن جب تو پوچھتا ہے تو سن۔ میرا نام تیوکلیس ہے۔ میں کوس کے شہر میں ایسے ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا تھا جنہوں نے تجارت سے بہت دولت پیدا کی تھی۔ میرا باپ جہازوں کے لئے لڑائی کا سامان مہیا کرتا تھا۔ ذہانت اور ہوشیاری میں وہ سکندر کی مثل تھا

لیکن ویسا عمق نہ رکھتا تھا۔ میرے دو بھائی تھے۔ انہوں نے بھی ہتھیار اور جنگی سامان بیچنے کا پیشہ اختیار کیا۔ لیکن میں تحصیل فنون کی طرف مائل ہوا۔ میرے باپ نے میرے ایک بھائی کی شادی کوریا کی ایک عورت سے جبراً کر دی اس عورت کا نام تیسا تھا۔ میرے بھائی کو وہ اس قدر ناپسند ہوئی کہ وہ اس کے ساتھ نہ رہ سکا اور اس کا اسے مطلق افسوس بھی نہ ہوا۔ اب میرے بھائی کو تیسا کے ساتھ ناپاک عشق پیدا ہوا۔ اور اس کی حالت دیوانگی تک پہنچ گئی۔ لیکن تیسا کو میرے دونوں بھائیوں سے نفرت تھی۔ اس کو دراصل ایک بانسری بجانے والے سے عشق تھا اور رات کو چھپ کر وہ اس کے پاس آیا بھی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح شب باش ہونے کے بعد جب صبح ہوتے اٹھ کر چلا تو اپنی تاج نما ٹوپی جو محفلوں میں پہنا کرتا تھا وہیں بھول گیا۔ جب میرے دونوں بھائیوں کو تیسا کے کمرے میں یہ ٹوپی ملی تو انہوں نے اس بانسری والے کو ہلاک کرنے کی قسم کھائی اور دوسرے دن اس کو پکڑ کر اتنے کوڑے مارے کہ وہ مر گیا۔ اس کی منت سماجت آہ و زاری کی مطلق پروا نہ کی۔ میری بھاوج کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ دیوانی ہو گئی اور اس کا اور میرے دونوں بھائیوں کا یہ حال ہوا کہ بالکل مجنوں ہو کر وحشی جانوروں کی طرح شہر کے گرد پھرنے لگے۔ بھیڑیوں کی طرح چیخا کرتے۔ منہ سے کف جاری رہتے۔ اور آنکھیں زمین پر گڑی رہتیں۔ شہر کے لڑکوں کی ایک بھیڑ پیچھے پیچھے ہوتی۔ اور یہ لڑکے ان دیوانوں کو پتھر مارا کرتے۔ غرض اسی حال میں کچھ دنوں بعد یہ تینوں مر گئے۔ میرے باپ نے ان کو دفن کیا۔ تھوڑے دن کے بعد میرا باپ بیمار پڑا۔ اس کا معدہ کسی طرح کی غذا قبول نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ محض فاقوں سے مر گیا۔ حالانکہ دولت اس کے پاس اتنی تھی کہ اگر چاہتا تو ایشیا کے تمام بازاروں میں جس قدر کھانے پینے کی چیزیں تھیں ان سب کو وہ خرید لیتا۔ مرتے وقت اس کو افسوس تھا کہ اپنی دولت وہ میرے لئے چھوڑ چلا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد اس کا روپیہ میں نے سیر و سفر میں صرف کرنا شروع کیا۔ اطالیہ' یونان' افریقہ میں پھرتا رہا۔ لیکن کہیں عقلمند اور خوش رہنے والا انسان نہیں ملا۔ ایتھنز اور اسکندریہ میں قیام کر کے حکمت و فلسفہ کی تحصیل کی اور ان علوم پر اتنی بحثیں سنیں کہ طبیعت بہ تنگ آ گئی آخر کار ہندوستان پہنچا۔ وہاں گنگا کے کنارے ایک برہنہ جوگی کو دیکھا کہ آسن مارے بالکل دم بخود بیٹھا ہے اور تیس برس اسی حال میں گزرے ہیں۔ درختوں کی بیلیں اس کے خشک و لاغر جسم پر چڑھ گئی ہیں اور سر کے بال بڑھ کر اتنے پھولے ہیں کہ پرندوں نے ان میں آشیانے بنائے ہیں۔ مگر باوجود اس کے یہ

آدمی زندہ ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مجھے تیسا اور اس کے آشنا اور اپنے دونوں بھائیوں اور باپ کا خیال آیا اور یہ سمجھ میں آیا کہ دنیا میں اگر صاحب عقل کسی کو کہہ سکتے ہیں تو وہ یہی جوگی ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ انسان کی تکلیف کا باعث یا تو یہ ہوا ہے کہ جس چیز میں اسے نفع کا یقین ہو اس چیز سے وہ محروم کر دیا جائے یا اگر کوئی نفع حاصل ہے تو اس کے ضائع ہو جانے کا خوف پیدا ہو یا اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کے ساتھ بلاوجہ بدسلوکی کی گئی ہے۔ غرض ان باتوں کا یقین فی الحقیقت انسان کی تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ پس اگر اس یقین ہی کو دل سے نکال دیا جاتا تو تکلیفیں ظاہر ہے کہ خود بخود مٹ جائیں گی اس خیال کے آتے ہی جوگی کی مثال کو پیش نظر رکھ کر میں نے فیصلہ کیا کہ اب کسی چیز کو سودمند نہ سمجھوں گا اور دنیا کے سازوسامان سے علیحدہ رہنے کو اپنا طریقہ قرار دے کر بالکل تنہائی اور بے حسی کی حالت میں زندگی بسر کروں گا۔"

پفنوتوس بڈھے کے قصے کو بغور سن کر کہنے لگا:

"تیموکلیس۔ اتنا میں ضرور تسلیم کروں گا کہ جس طریقہ سے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ تم نے کیا ہے۔ اس کی سب باتیں غلط نہیں ہیں۔ مثلاً یہ دانشمندی ہے کہ دنیا کی کراہات سے تم نے نفرت کی لیکن جو ذات ازلی و ابدی ہے اس کو کچھ نہ سمجھنا اور خدا کا غضب اپنے اوپر لینا سراسر جنون و دیوانگی ہے۔ مجھ کو تمہاری جہالت پر افسوس ہے اور میں چاہتا ہوں کہ حق بات تم کو سکھاؤں اور وہ یہ ہے کہ "خدا موجود ہے تین اقنوموں میں اور اس خدا کی اطاعت تم پر ایسی ہی فرض ہے جیسے بیٹے پر باپ کی فرمانبرداری۔"

اتنا سنتے ہی بڈھے نے پفنوتوس کی بات کاٹ کر کہا:

"اے اجنبی۔ اپنے مذہب کی باتیں بیان کرنے سے باز رہ۔ اور اپنے عقائد اختیار کرنے پر مجھے مجبور نہ کر۔ بحث مباحث سب بیکار ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ انسان کو کوئی رائے رکھنی ہی نہیں چاہئے۔ جب تک میں ایک چیز کو دوسری چیز پر مرجح نہیں سمجھتا تمام تکلیفوں سے بری ہوں۔ پس اے راہب اپنی راہ لے اور مجھے اس حالت بے حسی سے نکالنے کی کوشش نہ کر۔ مجھ کو اسی میں راحت ہے جیسے ایک تھکا آدمی گرم پانی میں غوطہ لگا کر آرام پاتا ہے وہی کیفیت اس حالت استغراق میں میری ہے۔"

پفنوتوس عیسوی مذہب کا بڑا عالم تھا۔ اور لوگوں کے دلوں کی کیفیت خوب پہچانتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس بڈھے کو خدا کی برکت نصیب نہیں ہوئی۔ اور اس کی روح کے لئے

جو عدم نجات کے خطرے سے ناآشنا ہے ابھی تک نجات کا دن نہیں آیا ہے۔ پس پفنونوس نے اس خیال سے جواب دینا مناسب نہ سمجھا کہ کہیں اچھی نصیحتوں کا اس شخص پر الٹا اثر نہ ہو۔ کیونکہ بعض وقت بے دینوں کو نصیحت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے سعادت حاصل کرنے وہ اور زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ حق سے آگاہ ہیں ان کو اس کی اشاعت میں بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔

پفنونوس نے کہا۔ "اچھا میں رخصت ہوا ہوں۔ مگر تیوکلیس تم بڑے بدنصیب ہو۔

اتنا کہہ کر پفنونوس نے ایک آہ سرد بھری اور تاریکی میں اپنا سفر جو خدا کی راہ میں اختیار کیا تھا پھر شروع کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ دریا کے کنارے سیاہ اور سفید پروں والے لق لق ایک ایک پاؤں پر چپ چاپ کھڑے ہیں۔ اور ان کی لمبی لمبی گلابی اور سفید گردنوں کا عکس پانی میں پڑتا ہے۔ بید مجنوں کے درخت دریا کی دونوں جانب دور تک سایہ کئے ہیں۔ صاف ستھرے آسمان پر بگلے تکونی قطاریں باندھے اڑ رہے ہیں۔ نرسلوں کے جھنڈ سے بطوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ گو نظر ایک بھی نہیں آتی۔

جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی دریا سبز رنگ موجوں میں بہتا دکھائی دیتا تھا۔ کہیں کہیں اس پر کشتیاں چل رہی تھیں' ان کے اجلے اجلے بادبان بگلوں کے پر معلوم ہوتے تھے۔ دریا میں جہاں کہیں ٹاپو تھے وہاں طرح طرح کے میووں اور پھلوں کے درخت اور کھجوروں کے جھنڈ کھڑے تھے۔ اور ان میں سے قاز اور مرغابیاں ایک کے پیچھے ایک غل مچاتی آسمان کی طرف قطاریں باندھ اونچی اڑتی نظر آتیں۔

دریا کے بائیں کنارے سرسبز گھاٹی دور تک پھیل کر صحرا سے جا ملی تھی۔ اس کے کھیتوں اور باغوں پر خوشی و خرمی کی ایک لہر آئی ہوئی تھی۔ دھوپ میں اناج کے خوشے سونے کے طرے معلوم ہوتے تھے۔ اور زمین کے جوش نمو نے اپنے پھلوں اور پھولوں سے گرد راہ کو بھی معطر کر رکھا تھا۔ اس کیفیت میں پفنونوس دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر اس طرح دعا مانگنے لگا:

"تعریف ہو اس خدا کی جس نے میرے اس سفر پر رحمت کی نظر رکھی۔ اے خدا۔ جو آرسینو کی زمین میں انجیر کے درختوں پر پھولوں کو تو نے اپنی محبت سے خلق کیا ہے۔

تائیس کو پیدا کرنے میں تیرا پیار کچھ کم نہ تھا۔ اے خدا۔ تو اس کی روح کو اس طرح شگفتہ کر دے جیسے تیرے آسمانی یروشلم میں گلاب کھلتا ہے۔"

جب کسی درخت میں پھول کھلے دیکھتا یا کوئی خوش رنگ پرندہ نظر آتا تو وہ تائیس کے خیال میں محو ہو جاتا۔ غرض اسی حال میں دریا کے بائیں کنارے کے زرخیز اور آباد علاقوں سے گزرتا ہوا چند روز میں اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا جسے یونانی حسین و زرین شہر کہا کرتے تھے۔ دن نکلنے پر دو گھڑیاں گئی ہوں گی کہ ایک پہاڑی پر سے یہ عظیم الشان شہر اس کو نظر آیا۔ شہر کی بلند عمارتیں صبح کی ہلکی ہلکی سرخ روشنی میں چمک رہی تھیں۔ چلتے چلتے ٹھہر گیا اور سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:

"یہی وہ خوشنما مقام ہے جہاں میں گناہوں میں پیدا ہوا تھا۔ یہی وہ ہوا ہے جس میں زہریلی خوشبوئیں سونگھا کرتا تھا۔ یہی وہ عیش کا سمندر ہے جس پر دلفریب موہنیوں کے راگ سنا کرتا تھا۔ جسم کے اعتبار سے یہی میرا گہوارہ اور دنیا کے اعتبار سے یہی میرا وطن تھا۔ اہل دنیا کے نزدیک یہی گہوارہ پھولوں کا پنگورہ اور یہی وطن شریفوں کا مسکن تھا۔ اے اسکندریہ بچوں کے لئے یہ ایک قدرتی امر ہے کہ تجھ کو ماں سمجھ کر تجھ سے الفت رکھیں میں نے بھی تیرے ہی سینے سے جس پر جاہ و حشم نثار تھا پرورش پائی تھی۔ لیکن متنسک کل فطرت سے بیزار ہے۔ اسرار پرست مظاہر قدرت کو حقیر جانتا ہے۔ عیسائی اس آدمی دیس کو پردیس سمجھتا ہے اور راہب دنیا ہی چھوڑ بیٹھا ہے۔ اے اسکندریہ میں نے تیری چاہت چھوڑ دی۔ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ تیری دولت سے' تیرے علم و فضل سے' تیرے اخلاق اور تیرے حسن سے مجھ کو قطعی نفرت ہے۔ اے معبد شیاطین میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں۔ اے بے شرمی کی گندی سیج اور اے اریوسی نصرانیت کے پلید کلیسا تجھ پر نفرین ہے۔ اے ابن اللہ جس کی رہنمائی سے ہمارا راہب مقدس انطونی صحرا سے نکل کر اس دارالاصنام میں آیا اور گنہگاروں کے اظہار سن کر ان کے دین کو مضبوط کیا اور شہید ہونے والوں کی ہمت بڑھائی۔ اے یسوع۔ اے حسن و جمال کے فرشتے۔ اے مولود غائب خدا کے کلام اول' میرے آگے آگے پرواز کرتا اور اپنے پروں کی حرکت سے اس متعفن ہوا کو مشکبار کر دے جس میں اب میں ایسے لوگوں کے ساتھ سانس لینے کو ہوں جو ظلمت کدہ دنیا کے بڑے بڑے ملعون و شیاطین ہیں۔"

یہ دعا مانگ کر پفنونوس آگے بڑھا۔ شہر میں شمسی دروازہ سے داخل ہوا۔ یہ دروازہ

عگین تھا۔ اور اس کی بلند و پر شکوہ عمارت پر ایک غرور برس رہا تھا' مگر اس کے سایہ میں نہایت غریب' اور اپاہج لوگ بیٹھے راہ چلنے والوں کے ہاتھ انجیر اور سیب بیچتے تھے۔ یا فقیر رو رو کر بھیک مانگتے تھے۔

ایک طرف کو ایک غریب بڑھیا بدن پر چیتھڑے لگائے پشت خم کئے کھڑی تھی۔ جب پفنوتوس اس کے پاس سے گزرا تو اس نے راہب کے دامن کو چوم کر کہا:

"اے اللہ والے۔ مجھ کو برکت دے تاکہ خدا بھی تجھ کو برکت دے میں نے اس دنیا میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ مرنے کے بعد آرام چاہتی ہوں۔ اے نیک مرد۔ تو خدا کے پاس سے آتا ہے۔ تیرے قدموں کی خاک سونے کے ذروں سے زیادہ قیمتی ہے۔"

پفنوتوس نے سنتے ہی کہا۔ "خدا کے نام کو بزرگی ہو۔" اور اتنا کہہ کر بڑھیا کے سر پر نجات کا نشان بنایا۔

اس کے بعد شاید بیس قدم آگے گیا ہو گا کہ بازار میں لڑکوں کا ایک غول ملا انہوں نے فوراً" پتھر برسائے اور پکار پکار کر کہنا شروع کیا۔

"ارے او شریر راہب۔ تیرا رنگ کوے سے زیادہ کالا ہے اور تیری ڈاڑھی بکرے کی ڈاڑھی سے بھی لمبی ہے اور بھائیو یہ جانور کٹ بھی کھاتا ہے۔ یارو چلو کسی کھیت میں چل کر اسے پھانسی دیں۔ پھر اس لٹکتے جانور کو دیکھ کر چڑیاں ڈر کے مارے ہمارے باغ نہ اجاڑیں گی۔ نہیں تو یہ بدبخت اولے برسائے گا اور سیب کے درختوں میں جتنے پھول آئے ہیں سب گر جائیں گے۔ یہ بڑا نحس قدم ہے۔ چلو اس کی بوٹیاں کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلائیں۔" ان فقروں کے ساتھ ساتھ پتھروں کی بوچھاڑ بھی جاری رہی۔

پفنوتوس نے دبی زبان سے کہا۔ "خدا رحم کرے ان ناتوانوں پر۔"

غرض اسی حال میں چلا جاتا تھا اور دل میں کہتا تھا:

"دیکھو۔ اس غریب بڑھیا نے میرا احترام کیا اور ان لڑکوں نے مجھے گالیاں دیں اور پتھر مارے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی چیز کو کیسے مختلف پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ انسان کو نہ اپنے کسی فیصلہ پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور غلطی کرنا تو اس کی فطرت میں ہے۔ یہاں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بے دینوں میں وہ بڈھا تیموکلیس بالکل ہی ناسمجھ نہیں ہے۔ یہ اس کی بصارت کا نقص ہے اور وہ بھی سمجھتا ہے کہ روشنی سے وہ محروم کر دیا گیا ہے سچ یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز مثل سراب ہے۔ ریگ رواں ہے۔ ثبات صرف خدا کی ذات کو

ہے۔"

شہر میں سے وہ کس قدر تیز چال سے گزرا۔ گو دس برس کے بعد یہاں آیا تھا مگر یہاں کی ایک ایک اینٹ اور پتھر کو وہ پہچانتا تھا۔ اور ہر پتھر اس کے لئے ایک داغ بدنامی تھا جو کسی نہ کسی گناہ کو یاد دلاتا تھا۔ اس لئے وہ گلی کوچوں کے سنگین فرش پر اور بھی زور زور سے اپنے ننگے پاؤں مارتا ہوا چلا۔ اور جب ایڑیاں زخمی ہو گئیں اور ان کا خون پتھروں پر دیکھا تو دل میں خوش ہوا۔ بت خانہ سراپس کے بلند پیش طاق کو بائیں طرف چھوڑ کر وہ ایک کوچے میں سے گزرا۔ جس کے دونوں طرف نہایت عالیشان مکان تھے۔ ان میں سے طرح طرح کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ صنوبر قرمش اور دیودار کے درختوں کی چوٹیاں مکانوں کے اونچے سرخ کنگروں اور سونے کے کلسوں سے بھی اوپر کو نکلی ہوئی تھیں۔ کسی کسی مکان کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اس میں سے نظر آتا تھا کہ اندر پیتل کے نہایت خوبصورت بت سنگ مرمر کے طاقوں میں رکھے ہیں۔ گھر کے باغوں میں پانی کی نہریں جاری ہیں۔ غل اور شور کسی قسم کا نہیں ہے۔ البتہ شہنائی کی اڑتی سی صدا کبھی کبھی سنائی دیتی ہے۔ پفنوتوس چلتے چلتے ایک مکان کے سامنے رکا۔ یہ ایک مختصری عمارت تھی' مگر اس کی ہر چیز میں تناسب اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور اس کے برآمدے سرو قد حسین عورتوں کی شکل کے ستونوں پر قائم تھے۔ مشہور مشہور حکمائے یونان کی برنجی مورتوں سے یہ مکان آراستہ تھا۔

ان میں افلاطون' سقراط' ارسطو' ابی قور' زینو کے مجسمے بھی تھے۔ دروازے پر دستک دی اور جب تک جواب ملے ان پتھر کی مورتوں کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ "ان عارفان باطل کے علم کو بزرگی دینا پیتل اور پتھر کے بے عبث تھا۔ ان کا کذب و دروغ ایک غلط مبحث ثابت ہو چکا ہے۔ اور ان کی روحیں قعر جہنم میں پڑی جل رہی ہیں۔ اور ان ہی میں کا وہ نامور افلاطون جس نے دنیا کو اپنی فصاحت سے مسخر کر رکھا تھا۔ اب شیاطین سے مجادلے و مناظرے میں مصروف ہے۔"

اتنے میں ایک غلام نے دروازہ کھولا۔ اور یہ دیکھ کر کہ ایک آدمی ننگے اور میلے پاؤں لئے سنگ مرمر کے پاکیزہ فرش پر کھڑا ہے بہت ہی بگڑ کر بولا:

"دور ہو۔ راہب تو بڑا ہی بدتمیز ہے۔ بھیک مانگنی ہے تو کہیں اور جا کر مانگ۔ اس کا انتظار نہ کر کہ میں لکڑی لے کر تجھے نکالنے آؤں۔"

انصینو کے پاک نہاد قسیس نے جواب دیا۔ "بابا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے

اپنے آقا نیکیاس تک پہنچا دو۔"

اس پر غلام نے بہت ہی ترش ہو کر جواب دیا۔ "میرا آقا تم جیسے پلید کتوں کو اپنے مکان میں نہیں آنے دیتا۔"

بفنونوس۔ "جاؤ میرا کہنا کرو۔ اور اپنے آقا سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

غلام کو اب اور بھی غصہ آیا اور یہ کہہ کر "جاتا بھی ہے نامعقول" اس مرد خدا پر اس نے اپنا عصاء چلایا۔ راہب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو صلیب کی شکل بنا کر سینے پر رکھ لیا۔ اور عصاء کی پوری ضرب اپنے چہرے پر لی۔ مگر زبان سے اسی نرم لہجے میں کہا:

"بابا۔ جا' میرا کہنا کر دے۔"

یہ دیکھ کر غلام سر سے پاؤں تک لرزنے لگا اور منہ ہی منہ میں بولا۔ "یہ بھوت کیسا ہے جو مارے سے بھی نہیں بھاگتا۔"

اتنا کہہ کر وہ دوڑا ہوا اپنے آقا کے پاس گیا۔

نیکیاس ابھی غسل کر کے باہر آیا تھا۔ یہ ایک بڑا دریا دل خندہ پیشانی رئیس تھا۔ مگر چہرے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت میں شوخی اور تقریر میں طنز بہت ہے۔ جونہی اس نے راہب کو دیکھا اٹھا اور ہاتھ پھیلائے آگے بڑھ کر کہنے لگا:

"ہائیں۔ بفنونوس۔ دوست۔ بھائی مکتب کے یار۔ تم کہاں' کیوں کیسا پہچانا ہے گو انسان سے بغضلہ جانور ہو گئے ہو۔ مگر تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں۔ آؤ گلے تو ملو۔ بھلا بتاؤ وہ طالب علمی کا زمانہ بھی یاد ہے۔ جب ہم تم صرف نحو۔ معانی و بیان' فلسفہ و حکمت کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے۔ یار عزیز تم اس وقت بھی بڑے ہی خشک اور وحشی مزاج تھے۔ لیکن دوستی کے لیے اچھے تھے کہ میں تو بالکل ہی تم پر فدا رہتا تھا۔ وہ فقرہ بھی یاد ہے جب ہم سب مل کر کہا کرتے تھے کہ بفنونوس دنیا کے اس کارخانے کو آدمی کی آنکھوں سے نہیں بلکہ گھوڑے کی وحشی نظروں سے دیکھتا ہے۔ جب ایسی باتیں سن کر تم ہم سے بدگمان ہوتے تو ہم کو مطلق تعجب نہ ہوتا۔ نرمی و شائستگی تمہاری طبیعت میں اس وقت بھی کم تھی۔ لیکن تمہاری سخاوت کی انتہا نہ تھی۔ نہ روپیہ کو روپیہ سمجھتے تھے نہ جان کو جان۔ پھر یہ کہ تمہاری طبیعت میں کچھ عجیب جوش و جذبہ تھا۔ اسی وجہ سے مجھے تمہارے ساتھ ایک خاص انس ہو گیا تھا۔ آج دس برس کے بعد تم سے مل کر بہت ہی دل خوش

ہوا۔ کہو صحرائی زندگی سے چھٹکارا ہوا۔ عیسائیوں اور عیسائی مذہب کے تعصبات سے نجات ملی۔ اور اب پھر پرانے طریقے پر زندگی بسر کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ واہ واہ آج کا دن تو قابل یادگار ہے۔" یہ کہہ کر نیکیاس نے اپنی دو کنیزوں کو آواز دی:

"کربلی' مرتالی۔ چلو۔ میرے اس عزیز مہمان کے ہاتھ پاؤں دھوؤ اور داڑھی پر عطر ملو۔"

دو کنیزیں حکم سنتے ہی سپلچی۔ آفتابہ۔ عطر کی شیشیاں اور ایک فولادی آئینہ لے کر آئیں۔ پفنونوس نے نہایت تنفر سے اشارہ کر کے انہیں منع کیا اور آنکھیں نیچی کر لیں کیونکہ یہ دونوں کنیزیں ننگی تھیں۔ بہرکیف نیکیاس نے مہمان کو آرام سے بیٹھنے کے لئے تکیئے پیش کئے طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے اور پینے کی چیزیں منگوائیں مگر پفنونوس نے بہت رعونت سے ان چیزوں سے انکار کر کے کہا:

"نیکیاس۔ جس مذہب کو تم نے غلطی سے عیسائیوں کا تعصب کہا ہے اس کو میں نے ترک نہیں کیا۔ مسیحی دین تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے۔ "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوئے اس میں سے کوئی چیز بھی بغیر اس کے پیدا نہیں ہوئی۔ اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کے لئے نور تھی۔"

نیکیاس اس وقت ایک پر تکلف لباس پہننے میں مصروف تھا۔ اور پفنونوس کی باتیں بھی سنتا جاتا تھا۔ جب یہ مذہبی گفتگو سنی تو کہنے لگا۔ "پفنونوس۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسے اہمل بے جوڑ جملے دوہرانے سے تم مجھ پر کوئی حیرت طاری کر دو گے' ایسی بے سری الاپوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیا تم بھول گئے کہ میں تھوڑا سا فلسفی بھی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ امیلیوس کی کتب میں سے ادھر ادھر کے چند جملے ایسے شخص کی تشفی کر سکتے ہیں۔ جس کو خود امیلیوس بلکہ ذار فروس اور افلاطون کی تصنیفات بھی جن کے اعلیٰ ہونے میں کلام نہیں اطمینان نہ دے سکیں۔ دنیا کے دانشوروں نے جو نظام ہائے کائنات بیان کئے ہیں وہ محض کہانیاں ہیں جو نسل آدم کے بچپن میں اس کے بہلانے کے لئے گھڑی گئی تھیں۔ جیسے ملاحوں کی کہانیوں پر ہنسی آتی ہے ایسے ہی ان دانشوروں کے قصوں پر بھی ہنسنا چاہئے۔"

اتنا کہہ کر مہمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے وہ ایک بڑے عالیشان کمرے میں آیا۔ یہاں ہزار ہا مٹے چھالوں کے کاغذ پر لکھے ہوئے ٹوکروں میں بھرے تھے۔ نیکیاس نے کہا۔ "

پفنوتوس۔ یہ میرا کتب خانہ ہے۔ اس میں حکمت کے صرف چند ہی نظام جو اس عالم کی توجہ میں فلاسفہ نے لکھے ہیں آپ کو ملیں گے لیکن کل مذاہب حکومت جو تحریر میں آچکے ہیں وہ اتنے ہیں کہ آپ کو سراپیوم کے کتب خانہ میں بھی دستیاب نہیں ہو سکتے گو علمی خزانوں سے وہ مالا مال ہے۔ افسوس ہے۔ ان فلسفیوں اور حکیموں کے کل افکار ایک بیمار کے خواب پریشاں سے زیادہ نہیں۔"

نیکیاس نے اپنے دوست کو بہ اصرار ایک ہاتھی دانت کی کرسی پر بٹھایا۔ پفنوتوس نے نفرت کی نگاہ سے اس کتب خانہ کی کتابوں کو دیکھ کر کہا:

"یہ سب پھونک دینے کے لائق ہیں۔"

نیکیاس نے جواب دیا۔ "مگر ان کا جلا ڈالنا تو ایک نقصان عظیم ہو گا۔ بیماروں کے خواب بعض اوقات دلچسپ بھی ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر حکما کے یہ افکار و خیالات تلف کر دیئے گئے تو پھر دنیا کی تمام صورتیں اور رنگ بھی فنا ہو جائیں گے۔ اور ہم سب ایک نہایت افسوسناک حماقت کی نیند سو جائیں گے۔"

پفنوتوس نے جو خیال ظاہر کیا تھا اسی کے سلسلے میں کہا:

"یہ سچ ہے کہ بت پرستوں کے خیالات ایک مہمل خواب ہیں۔ لیکن خدا نے جو برحق ہے اپنے تئیں معجزات کے ذریعے انسان پر ظاہر کیا۔ وہ مسیح میں مجسم کیا گیا اور ہم میں آکر آباد ہوا۔"

نیکیاس۔ "یار عزیز۔ یہ تم نے بالکل درست کہا کہ خدا کو جسم دیا گیا۔ ایسا خدا جو اس دنیا میں آکر سوچتا بھی ہو۔ کام کاج بھی کرتا ہو۔ بولتا اور چلتا پھرتا بھی ہو جیسے کہ قدیم یولیسز کا طور تھا تو پھر ایسا خدا تو قریب قریب انسان کے برابر ہوا۔ یونان کے پرانے دیوتا جوپیٹر میں یہی صفات تھیں۔ لیکن پر قلس کے دور حکومت میں ایتھنز کے احمقوں نے ان ہی انسانی صفات رکھنے کی بنا پر پرانے جوپیٹر کو خدا ماننا چھوڑ دیا۔ جب اس پرانے دیوتا کا یہ حال ہوا تو اب آپ کے اس نئے جوپیٹر کو کون مانے گا۔ لیکن اس بحث کو چھوڑو۔ خدا کے تین اقنوموں پر مباحثہ کے لئے تو آپ یہاں آئے نہیں۔ یہ فرمایئے کہ میرے لائق کیا خدمت ہے جسے بجا لاؤں۔"

پفنوتوس۔ "ایک بہت ہی نیک خدمت ہے۔ وہ یہ کہ جیسا معطر لباس آپ اس وقت پہنے ہیں۔ ویسا ہی ایک مجھے بھی دیجئے۔ اس کے ساتھ طلائی نعلین ہوں۔ اور ایک

شیشی میں خوشبودار روغن ہو جسے میں اپنے بالوں اور داڑھی میں مل سکوں۔ اگر ان سب کے ساتھ ایک ہزار درہم کی تھیلی بھی عنایت ہو تو بڑا احسان ہو۔ بس یہی وہ چیزیں ہیں جو عشق خدا میں ایک کار خیر کے لئے آپ سے مطلوب ہیں' ایک نیک کام اور پرانی دوستی کا خیال کر کے یہ چیزیں مجھے دیجئے۔"

نیکیاس نے فرمائش سنتے ہی فوراً حکم دیا اور اس کی دونوں کنیزیں کربیلی اور مرتالی دوڑ کر ایک بڑی پر تکلف عبا لائیں۔ اس پر ایشیائی طرز کے پھولوں اور جانوروں کی تصویریں زردوزی کے کام میں کڑھی تھیں۔ ان دونوں کنیزوں نے عبا کو پھیلا کر اس طرح اٹھایا کہ اس کے گل بوٹے خوب چمکتے ہوئے معلوم ہوں۔ وہ سمجھی تھیں کہ پفنونوس اپنی کمبل کی کفنی جو گلے سے لے کر پاؤں تک پہنچی ہوئی تھی اتار کر عبا پہننے کے لئے آگے بڑھے گا۔ لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا اور کہا کہ بدن کی کھال اتر جائے لیکن رہبانیت کا پیرہن گلے سے نہیں اتر سکتا۔ غرض دونوں باندیوں نے کسی نہ کسی طرح کفنی کے اوپر ہی عبا پہنا دی۔ یہ دونوں عورتیں چونکہ بہت حسین تھیں۔ اس لئے مردوں سے ڈرتی نہ تھیں گو کہنے کو زر خرید لونڈیاں تھیں۔ اب جو انہوں نے راہب کو ایک عجیب وضع میں دیکھا تو ہنسنا شروع کیا۔ ایک نے آئینہ دکھا کر کہا یہ تو کسی ایرانی علاقے کے مرزبان معلوم ہوتے ہیں۔ دوسری نے داڑھی پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ پفنونوس اس وقت آنکھیں بند کئے عبادت میں مصروف تھا۔ اس نے ان حرکتوں کو مطلق نہ دیکھا۔ غرض طلائی کفشیں پہن اور درہم کی تھیلی کمر میں باندھ چلنے کو ہوا۔ نیکیاس مسکراتے چہرے سے اپنے مہمان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پفنونوس اب اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

"نیکیاس۔ تم میری ان باتوں کو کسی برائی پر محمول نہ کرنا۔ میں اس لباس اور ان طلا کار نعلیں اور کیسہ زر سے ایک بڑا نیک کام لینے والا ہوں۔"

نیکیاس نے کہا۔ "میں ہرگز برا نہیں سمجھ سکتا اور نہ ان چیزوں سے میرے دل میں تمہاری طرف سے کسی برائی کا گمان پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ میرا یقین ہے کہ برائی کرنا یا بھلائی کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کسی چیز کو برائی یا بھلائی سمجھنا محض انسان کی رائے پر موقوف ہے۔ جو صاحب عقل ہیں وہ دنیا چلانے کے لئے رواج اور عادت کے پابند ہو جاتے ہیں۔ اسی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں خود بھی ان طریقوں کا پابند ہوں جو اسکندریہ میں رائج ہیں۔ اچھا اب آپ جاتے ہیں۔ جائیے اور خوش رہئے۔"

پفنونوس کو اس وقت خیال آیا کہ جس قصد سے یہاں تک آیا ہوں بہتر ہے کہ نیکیاس پر ظاہر کر دوں۔ چنانچہ وہ کہنے لگا:

"نیکیاس۔ تم تائیس کو تو جانتے ہو گے جو تماشا گاہ میں تماشے دکھایا کرتی ہے۔"

نیکیاس نے جواب دیا۔ "خوب جانتا ہوں بے حد حسین عورت ہے۔ ایک زمانے میں میں بھی اس کا عاشق رہ چکا ہوں۔ اور اسی تعلق کی بدولت ایک پن چکی اور دو کھیت اناج کے بیچنے پڑے اور تین دیوان اس کی تعریف میں نظم کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن و جمال کے برابر دنیا میں کسی چیز کو طاقت نہیں۔ اگر کہیں یہ ہمیشہ رہا کرتا تو پھر آپ کے ان ربانی کلمات اور تجلیات اور فلاسفہ کی ہذیاں سرائیوں پر انسان کی توجہ بہت ہی کم رہ جاتی۔ لیکن مشفق۔ مجھ کو حیرت ہے کہ اس وقت طیبی کے صحرائے دور و دراز سے آپ یہاں آ رہے ہیں اور تائیس کا ذکر آپ کی زبان پر ہے۔ حیرت! حیرت!" اتنا کہہ کر نیکیاس نے ایک آہ سرد بھری۔ پفنونوس نے یہ واقعہ سن کر کہ نیکیاس کی آشنائی تائیس سے رہ چکی ہے نہایت ہی نفرت اور غصے کی نظر سے اس پرانے دوست کو دیکھا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اتنے بڑے گناہ کا اقرار کوئی شخص کیونکر ایسی بے تکلفی سے دوسرے کے سامنے کر سکتا ہے۔ اس گناہ کے خیال نے پفنونوس سمجھا کہ زمین اب شق ہوا چاہتی ہے اور اس سے شعلے نکل کر نیکیاس کو جلا کر خاک کر دیں گے۔ لیکن باوجود انتظار کے زمین شق نہ ہوئی اور اسکندریہ کا یہ رئیس ہتھیلی پر ماتھا رکھے مرمٹی جوانی کی دلربا صورتیں یاد کر کے افسردگی کے ساتھ مسکراتا رہا۔

پفنونوس نے اٹھ کر بڑے متین لہجہ میں کہا:

"نیکیاس۔ میرا قصد ہے کہ خدا کی مدد سے اس تائیس کو حب دنیا کی نجاست سے نکال کر مسیح کی دلہن بنا دوں۔ روح القدس نے اگر میرا ساتھ نہ چھوڑا تو آج ہی اسکندریہ سے نکال کر اس عورت کو راہبات کی کسی خانقاہ میں پہنچا دوں گا۔"

نیکیاس نے کہا۔ "ایسا ہرگز نہ کرنا۔ وینس کو ناراض کرنے سے ڈرو۔ وینس حسن و عشق کی دیوی ہے اور وہ بڑی ہی زبردست ہے۔ اگر اس کے دربار کی اس حسین خادمہ کو تم نے یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کی تو وہ تم سے خفا ہو جائے گی اور اس کی خفگی کا نتیجہ تمہارے حق میں برا ہو گا۔"

پفنونوس۔ "خدا مجھے محفوظ رکھے گا۔ نیکیاس خدا ایسا کرے کہ تمہارے دل میں

بھی خدا کا نور چمکے۔ اور تم اس ورطہ ظلمت سے نکلو جس میں غوطے کھا رہے ہو۔"

اتنا کہہ کر پفنوتوس مکان سے باہر نکلنے کو ہوا۔ نیکیاس پیچھے پیچھے آیا اور دروازہ کے قریب پہنچ کر راہب کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کے کان میں کہا:

"دیکھو حسن و عشق کی دیوی کو ناراض نہ کرنا۔ اس بات سے ہمیشہ پرہیز کرنا' اس دیوی کا انتقام بلائے بے درماں ہوتا ہے۔"

پفنوتوس نے اس نصیحت کی کچھ پروا نہیں کی۔ دروازے سے باہر آیا اور پھر اس گھر کو مڑ کر بھی نہ دیکھا جہاں سے نکلا تھا۔ نیکیاس کی باتوں نے اس کے دل میں سخت نفرت وہ کراہت پیدا کر دی تھی۔ جس وقت خیال آتا تھا کہ تائیس نیکیاس سے ہمکنار ہوئی ہوگی تو اس کا غصہ ناقابل برداشت ہو جاتا۔ اس عورت کے ساتھ بالخصوص کسی کے ملوث ہونے کو وہ ایسا گناہ سمجھتا تھا جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا گناہ نہ تھا۔ ناپاک تعلقات سے اس کو ہمیشہ سے نفرت تھی۔ لیکن جیسی نفرت اس تعلق کا حال سن کر ہوئی ایسی کبھی پہلے نہیں ہوئی تھی۔ گنہگار بندوں پر مسیح کے عتاب اور فرشتوں کے ملال کا اندازہ جس شدت سے آج اس کو ہوا کبھی پہلے نہ ہوا تھا۔

اب اس قصد میں کہ بت پرستوں کی صحبت سے تائیس کو کس طرح نکالنا چاہئے اور بھی جوش و خروش پیدا ہوا۔ اور اس حسین عورت کو دیکھنے اور اس کو گناہوں سے بچانے کے لئے دل کی بے قراری انتہا کو پہنچ گئی۔ تائیس سے اس کے گھر پر ملاقات کرنے کے لئے ضروری تھا کہ دن ڈھلنے کا انتظار کرے۔ اور ابھی دوپہر بھی نہیں ہوئی تھی۔ وقت گزارنے کے لئے شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں پھرتا رہا۔ ارادہ کر لیا تھا کہ جب تک مراد حاصل نہ ہوگی نہ کچھ کھائے گا نہ پئے گا تاکہ جو چیز خدا سے مانگی ہے اس کے ملنے کی زیادہ توقع ہو جائے۔ شہر کے کسی گرجا میں بھی جا کر دم نہ لیا کیونکہ اکثر گرجاؤں میں اریوسی عقائد کے عیسائیوں نے اپنا عمل دخل کر رکھا تھا صحیح الاعتقاد عیسائیوں کے نزدیک اریوسی عیسائی وہ بدعقیدہ لوگ تھے جنہوں نے خداوند کی میز کو توڑ ڈالا تھا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے ان اریوسی عیسائیوں کو گرجاؤں میں بڑے بڑے مناصب دے رکھے تھے۔ اور بطریق اسکندریہ اثنا ناشوس کو اس کے عہدے سے معزول کر کے شہر کے عیسائیوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا تھا۔

پفنوتوس کو کسی خطرے کا ڈر نہ رہا تھا۔ دیر تک سڑکوں پر پریشان پھرتا رہا۔ کبھی کسر نفسی سے آنکھیں زمین کی طرف ہوتی تھیں۔ اور کبھی حالت جذب میں آسمان کی طرف۔

اسی حال میں پھرتا پھراتا سمندر کے کنارے بندرگاہ میں پہنچا۔ یہاں بے شمار کشتیاں اور جہاز لنگر ڈالے تھے۔ اور ان سے کچھ دور سمندر کی سطح روپہلی اور فیروزی موجوں میں اپنی تڑپ دکھلا رہی تھی' اتنے میں ایک کشتی نظر آئی جس کے سکان والے سرے پر سمندر کی ایک پری کا چہرہ بنا ہوا تھا۔ اس کشتی نے ابھی ابھی لنگر اٹھایا تھا اور ملاحوں نے چپوار چلانے کے ساتھ گانا بھی شروع کر دیا تھا۔ راہب کی نظروں میں یہ سمندر کی پری تھی جس پر پانی کے قطرے موتی نثار کر رہے تھے۔ بہت جلد کسی عورت کا سامنے سے گزرتا ہوا حسین چہرہ نظر آئی' کشتی رہنما کی مدد سے تنگ پانی میں سے نکل کر خلیج میں داخل ہوئی۔ اور پھر وہاں سے بڑے سمندر میں چلنے لگی اور پیچھے پیچھے سفید جھاگوں کی ایک لکیر سی بناتی گئی۔

پفنوتوس دل میں کہنے لگا۔ ایک زمانہ تھا کہ میں بھی دنیا کے سمندر پر گاتا بجاتا کشتی پر سوار ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میں اپنی غلطی سے جلد آگاہ ہو گیا اور سمندر کی پریاں مجھے نہ لبھا سکیں۔

اسی طرح کی باتیں سوچتا ہوا چلتے چلتے رسوں کے ایک ڈھیر پر بیٹھ گیا اور پھر لیٹ کر غافل سو گیا۔ خواب میں دیکھا ایک فرشتہ صور پھونک رہا ہے اور اس کی تیز آواز کانوں کے پار ہوئی جاتی ہے۔ آسمان خونیں رنگ ہے۔ سمجھا کہ قیامت آن پہنچی۔ بہت ہی گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگنے لگا۔ دعا میں مصروف تھا کہ دیکھا ایک نہایت مہیب جانور اس کے قریب آ رہا ہے۔ اس جانور کی پیشانی پر روشنی کی ایک صلیب چمک رہی ہے۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سسلی کا ابوالہول ہے۔ اس جانور نے قریب آتے ہی اس کو اپنے دانتوں سے پکڑ لیا۔ مگر کوئی دانت اس کے چبھا نہیں۔ اور اس طرح اٹھا کر لے چلا جیسے بلی اپنے بچے کو منہ میں لٹکائے ہوئے لے جاتی ہے۔ اسی حالت میں پفنوتوس نے بہت سی اقلیمیں اور سلطنتیں پے سپر کیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اور دریا عبور کئے۔ یہاں تک کہ ایک نہایت ہی برباد و خوفناک مقام نظر آیا جہاں ہر طرف کالے کالے پہاڑ کھڑے تھے۔ اور ہر جگہ جلتی ہوئی راکھ بچھی تھی۔ زمین میں جابجا سوراخ تھے اور ان میں سے شعلے نکلتے تھے۔ ابوالہول نے پفنوتوس کو آہستہ سے زمین پر ٹکا کر کہا:

"دیکھو۔"

پفنوتوس جھک کر دیکھنے لگا تو ایک تاریک گھاٹی نظر آئی' جو نیچے دور تک پھیلی چلی گئی تھی۔ اس کے بیچوں بیچ آگ کا ایک دریا کالے کالے چٹانوں میں سے پیچ و خم کھاتا شعلے

الغا) بہہ رہا تھا۔ اودھر اودھر جلتی زمین پر دوزخ کے عفریت مردوں کی روحوں کو عذاب دے رہے تھے۔ ان روحوں کے جسم وہی تھے جن میں پہلے رہ چکی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض کے جسم پر کہیں کہیں کپڑوں کے پھٹے ٹکڑے بھی لپٹے نظر آتے تھے۔ مگر باوجود سخت لذتوں اور عذابوں کے ان کے چہروں سے اطمینان ظاہر ہوتا تھا۔ ایک بڑے قد آور مرد ضعیف کی روح نے جس کے سر پر تاج اور ہاتھ میں عصاء تھا اپنی خوشنوائی سے اس ویرانے کو نغمہ زار بنا رکھا تھا۔ دیوتاؤں اور سورماؤں کی تعریفیں الاپ رہا تھا۔ شیاطین گرم سلاخوں کی نوک سے کبھی اس کے لبوں کو چھیدتے اور کبھی گرم سلاخیں اس کے حلق میں ڈالتے۔ مگر ہومر کی روح ہی نغمہ سرائی میں مصروف رہی۔ قریب ہی یونان کا بڈھا حکیم اناغورس جس کے سر پر ایک بال نہ تھا اور بڑھاپے سے بدن کی نسیں ابھر آئی تھیں ہاتھ میں پرکار لئے زمین پر ریاضی کی شکلیں بنا رہا تھا۔ دوزخ کا ایک کارندہ کھولتا ہوا تیل اس کے کانوں میں ڈالتا لیکن حکیم کے علمی افکار میں کسی طرح کا خلل نہ پیدا کر سکتا۔ اس کے بعد پفنوتوس نے دیکھا کہ دریائے آتش کے ہولناک کنارے بہت سے لوگ چہل قدمی کر رہے ہیں اور اس طرح بحث کرتے اور تقریریں کرتے جاتے ہیں جس طرح ایتھنز کی اکاڈمی میں استاد و شاگرد درس و تدریس میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ایک طرف تیموکلیس بھی نظر آیا کہ ہر چیز کے انکار میں گردن ہلا رہا ہے اور تاریکی کا ایک فرشتہ ایک تیز مشعل اس کی آنکھوں کے سامنے لاتا ہے اور جدھر گردن پھرتی ہے اودھر ہی یہ مشعل آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ لیکن تیموکلیس نہ مشعل کو دیکھتا ہے اور نہ فرشتے کو۔

پفنوتوس اس منظر کو دیکھ کر حیرت سے گنگ ہو گیا اور منہ پھیر کر اس جانور کو دیکھنا چاہا جو اس کو یہاں تک لایا تھا۔ لیکن ابوالہول غائب ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ ایک عورت سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی تھی اور پفنوتوس سے کہتی تھی:

"غور سے دیکھو اور سمجھو۔ ان کافروں کی ہٹ ایسی سخت ہے کہ جہنم میں بھی یہ انہی دھوکوں کا شکار ہیں جو دنیا میں ان کی گمراہی کا باعث ہوئے تھے۔ موت بھی ان کی غلط بینی کا علاج نہ کر سکی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے دیدار کے لئے صرف مر جانا ہی کافی نہیں ہوتا۔ جن لوگوں کو تم دیکھ رہے ہو چونکہ یہ انسانی پیکر میں حق سے غافل رہے تھے اس لئے ابد تک حق سے غافل رہیں گے۔ یہ بھوت کون ہیں جو ان روحوں کو عذاب دے رہے ہیں؟ یہ عدل الہی کے کارکن ہیں۔ چونکہ خدا کے عدل سے یہ روحیں ناواقف تھیں اس لئے اب

وہ ان عذابوں کو بھی نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ سمجھ سکتی ہیں۔ ہر قسم کے حقائق سے بیگانہ رہ کر ان کو اپنے معتوب و مغضوب ہونے کا علم تک نہیں ہے اور خدا بھی ان کو مجبور نہیں کر سکتا کہ اس عذاب کا انہیں احساس ہو۔"

پفنونوس نے یہ کلمہ کفر سن کر کہا۔ "نہیں خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔"

چادر والی عورت نے کہا۔ "لیکن کوئی فعل عبث خدا سے تصور میں نہیں آ سکتا۔ ان کو سزا دینے کے لئے لازمی تھا کہ پہلے حق بات ان کے دل میں بٹھا دی جاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ خدا کے مردود نہیں بلکہ محبوب بندوں میں گنے جاتے۔"

پفنونوس کی حالت خوف و اضطراب کی تھی۔ ایک مرتبہ پھر جھک کر کھائی کی طرف دیکھا اور نظر آیا کہ آگ سے جھلسے ہوئے درختوں کے نیچے نیکیاس کی روح کھڑی مسکرا رہی ہے۔ پیشانی پر پھولوں کا ہار لپٹا ہے۔ اور قریب ہی ملیطس کی مشہور حسینہ اسپاسیا نازک لباس پہنے عشق و حکمت کی باتیں شریفانہ ادا سے بڑے شیریں لہجہ میں بیان کر رہی ہے۔ آگ کی ہلکی ہلکی بوندیاں برس رہی ہیں مگر ان میں فرحت و تازگی ایسی ہے جیسے صبح کو شبنم کے قطروں میں ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں جلتی زمین پر اس طرح ٹہل رہے ہیں جیسے کسی سبزہ زار میں ہوا کھاتے ہوں۔ نیکیاس کی روح کو دیکھتے ہی پفنونوس کو ایسا طیش آیا کہ چیخ چیخ کر کہنے لگا:

"اے خدا۔ اس کو مار۔ ایسا مار کہ وہ روئے اور آہیں بھرے اور دانت پیسے یہ وہ ہے جس نے تائیس کے ساتھ گناہ کیا ہے۔"

اتنے میں پفنونوس کی آنکھ کھل گئی۔ اور دیکھا کہ ایک بڑا طاقتور ملاح اس کو سمندر کے کنارے سے گھسیٹ کر ریت کی طرف لا رہا ہے اور زور زور سے کہتا ہے:

"کیا ہے۔ کیا ہے۔ ہوشیار ہو۔ کیوں نیند میں اتنا بکتے ہو۔ خیر ہوئی کہ میں پہنچ گیا ورنہ تم اس وقت سمندر کی تہ میں ہوتے۔ اس وقت میں نے تمہاری جان بچائی۔ اور اس میں ذرا جھوٹ نہیں یہ ایسی ہی سچی بات ہے جیسے میری ماں جب جیتی تھی تو تون کی مچھلیاں بیچا کرتی تھی۔"

پفنونوس جاگا اور صرف اتنا کہا۔ "خدایا۔ تیرا شکر ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کھڑا ہوا اور جدھر منہ اٹھا ادھر ہی چلنے لگا۔ اور جو خواب اس وقت دیکھا تھا

اس پر غور کر کے دل میں کہا کہ "یہ خواب سچا نہیں ہو سکتا۔ یہ رویائے کاذبہ ہے۔ اس میں خدائے مہربان کو نامہربان کرنے کے لئے دوزخ اس طرح دکھائی گئی تھی کہ گویا اس کی کچھ اصلیت ہی نہیں ہے۔ یقینی یہ سب شیطان کی حرکت تھی۔"

بفنونوس نے شیطان کی طرف سے اس خواب کا ہونا اس لئے سمجھا کہ اس کو اچھے اور برے خوابوں میں تمیز کرنی آتی تھی۔ اور بہت جلد سمجھ جاتا تھا کہ کونسا خواب خدا کی طرف سے ہے اور کونسا شیطان یا خبیث روحوں کی طرف سے۔ اس قسم کی پہچان کا ہونا راہبوں کے لئے ضروری تھا۔ کیونکہ روحوں سے رات دن ان کو واسطہ رہتا تھا اور ظاہر ہے کہ جو آدمیوں سے بھاگ گیا اس کو روحوں ہی سے سابقہ رہے گا۔ تمام صحرا ان سے بھرا ہوا تھا۔ مشہور تھا کہ جس وقت مسیحی زائرین اس برباد قلعے کے قریب پہنچے جہاں انطونی گوشہ نشین ہوا تھا تو ان کو ایسی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ جیسے کہیں دور کوئی شہر چراغاں کیا گیا ہو۔ اور خلقت کا دھیما دھیما شور کانوں میں آئے۔ مگر یہ سب آوازیں راہب انطونی کی گمراہی کے لئے شیاطین بنایا کرتے تھے۔

بفنونوس نے زائرین کے اس واقعہ کو یاد کر کے مصر کے یوحنا شہید کے قصہ کو بھی یاد کیا۔ اس مسیحی عابد کو بدراہ کرنے کے لئے شیطان نے پورے ساٹھ برس کوشش کی تھی۔ لیکن یوحنا اس کے دھوکے میں نہ آیا۔ اتنا البتہ ہوا کہ ایک دن جب شیطان آدمی کا بھیس بدل کر اس عابد کے حجرے میں آیا اور کہا کہ "اے یوحنا تم اپنا روزہ کل شام تک افطار نہ کرنا۔" یوحنا نے یہ سمجھ کر کہ یہ کسی فرشتے کی آواز ہے دوسرے دن شام تک روزہ نہ کھولا۔ صرف اتنا ہی دھوکا تھا جو شیطان اس بزرگ کو دے سکا۔ مگر وہ بہت ہی خفیف دھوکا تھا۔ بہرحال بفنونوس کو یقین ہو گیا کہ جو خواب اس نے ابھی دیکھا ہے وہ شیطان کا دکھایا ہوا تھا۔

بفنونوس یہی سوچتا اور شکوہ کرتا ہوا کہ آج خدا نے اپنی نگاہ کرم پھیر کر اس کو شیطان کے قابو میں آنے دیا چلا جاتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ملی۔ جدھر یہ راہب جا رہا تھا ادھر ہی یہ آدمی بھی جاتے تھے۔ شہروں میں چلنے کی اب عادت نہ رہی تھی۔ لوگوں کی دھکا پیل میں کبھی ادھر آ رہتا کبھی ادھر جا پہنچتا۔ لباس بھی اتنا نیچا پہنے تھا کہ اس میں الجھ کر گر گر پڑتا تھا۔ مگر اسی حال میں معلوم کرنا چاہا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک آدمی سے پوچھا۔ "یہ بھاگڑ کیسی ہے۔"

اس آدمی نے جس کا نام دوریان تھا جواب دیا۔ "اے اجنبی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت کمیل تماشے شروع ہونے والے ہیں اور آج تائیس تماشا کرے گی۔ یہ سب لوگ تماشا گاہ کو جا رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ کیا آپ بھی وہیں کا قصد رکھتے ہیں۔"

فوراً" خیال آیا کہ تائیس کو اس موقعہ پر دیکھنا اس کے مقصد کے لئے مفید ہو گا پفنوتوس اس نئے ملاقاتی کے ساتھ ہولیا۔ تماشے کی عالیشان عمارت دس پانچ قدم پر سامنے ہی تھی۔ اس کے برآمدے طرح طرح کے مصنوعی چہروں سے آراستہ تھے اور اس کے احاطہ کی مدور دیوار پر پتھر کے بت جابجا نصب تھے۔ اب پفنوتوس اور دوریان دونوں ساتھ ساتھ ایک تنگ چھتے میں سے گزرے جس سے نکلتے ہی تماشا خانے کے اندر پہنچ گئے جو روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ تماشائیوں کی صفیں نصف دائرہ کی صورت میں واقع ہوئی تھیں۔ ایک صف میں یہ دونوں بھی جا کر بیٹھ گئے۔ سامنے ایک وسیع گول صحن تماشا کرنے کے لئے تھا۔ یہ بہت آراستہ تھا اگر ابھی اس میں کوئی کرنے والا نہ تھا۔ صحن کے بیچ میں ایک چبوترہ سا تھا۔ اور اس کی شکل ایسی تھی جیسے پرانے سورماؤں کے مرنے پر ان کی یادگاریں یا قبریں قدیم زمانہ کی قومیں بنایا کرتی تھیں۔ اس چبوترے کے گرد ایک لشکر گاہ بنائی تھی۔ خیموں کے سامنے نیزے قطاروں میں نصب تھے اور سایبانوں کے ستونوں میں جن پر بلوط کے پتوں اور پھولوں کے ہار لپٹے ہوئے تھے بہت سی سونے کی چمکتی ہوئی ڈھالیں لٹک رہی تھیں۔ ابھی تک سب طرف نیند کی سی خاموشی چھائی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر میں تماشائیوں کی صفوں سے ایسی آواز آنی شروع ہوئی جیسے چھتے کے پاس مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہو۔ ارغوانی لباسوں کے عکس سے سب کے چہرے سرخ معلوم ہوتے تھے اور اب تماشائیوں کی نگاہیں صحن کی طرف اٹھیں جس کے بیچ میں چبوترہ اور چبوترے کے گرد لشکر گاہ تھی۔

پفنوتوس چپکے چپکے کوئی دعا پڑھ رہا تھا اور کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ مگر دوریان جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا برابر باتیں کرتا رہا اور کہنے لگا:

"ایک زمانہ تھا کہ بڑے بڑے استاد تماشاگر مصنوعی چہرے منہ پر لگا کر تاکہ کوئی صورت نہ پہچانے یونان کے شعراء ایسکلس یوریپیڈیس اور میناندر کے اشعار بڑی آب و تاب سے پڑھا کرتے تھے۔ اب جتنے ناٹک کئے جاتے ہیں ان میں شاعر کے کلام کو دخل نہیں۔ کل مضمون صرف اشاروں اور حرکتوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ زبان سے کام نہیں لیتے۔ پہلے ایکٹوں کے

دیونا یکس کے تہوار میں جو عجیب عجیب چیزیں تماشوں میں دیکھی اور سنی جاتی تھیں۔ ان کی جگہ اب یہی گونگوں کی حرکتیں اور اشارے رہ گئے ہیں جو ایک گنوار کی سمجھ میں بھی آسکتے ہیں۔ اب وہ تماشے کہاں جن میں انسان کی فطرت کے شدید جذبات کا نقشہ کھینچا جاتا تھا اور جن میں تماشاگر جس وقت شعرائے سلف کا کلام سناتے تھے تو تکواروں کی جھنکار میں تماشاگروں کی آواز اور بھی گونجنے اور گرجنے لگتی تھی۔ اور تماشا کرنے میں وہ ایسی شانیں دکھاتے تھے کہ خود دیوتا معلوم ہونے لگتے تھے۔ افسوس ناٹک میں اب وہ پہلا سا سوز و گداز اور شاعروں کی سحربیانیاں نام کو نہیں رہیں۔ سوائے نقالوں اور ناچنے والیوں کے اب کچھ باقی نہیں رہا۔ اگر آج ایتھنز کے لوگ پر قلس کے زمانہ کے زندہ ہوتے اور ناٹک میں کوئی عورت کرنے کو آتی تو معلوم نہیں وہ کیا کہتے۔ سب کے سامنے عورت کو بے پردہ ہو کر آنے کی اجازت دینی سخت معیوب حرکت ہے۔ اسی سے ہمارا تنزل ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت مرد کی دشمن ہی نہیں بلکہ وہ اس دنیا کی مجسم بے غیرتی ہے۔"

یفنونوس نے کہا۔ "یہ بات تم نے عقل کی کی۔ عورت کے برابر ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ وہ لذت و سرور کا ذریعہ ہے اس لئے اس سے ڈرنا چاہئے۔"

دوریان بولا۔ "میرا قول تو یہ ہے کہ وہ لذت و سرور کا ذریعہ نہیں بلکہ رنج و تشویش کا ذریعہ ہے۔ مرد کے لئے عورت کے عشق کے برابر کوئی آزار نہیں۔ آپ کو میں ایک قصہ سناؤں۔ ارگولس کے علاقے میں ایک شہر ترزینا ہے۔ جوانی میں مجھے ایک مرتبہ وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں مرتل کا ایک بڑا درخت دیکھنے میں آیا۔ جس کے ہر پتے میں بے شمار چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو یہ قصہ سنا کہ جب ملکہ فیدرا کو اپنے سوتیلے بیٹے ہیپولیٹس سے عشق ناجائز پیدا ہوا تو وہ اسی درخت کے نیچے اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اس بیکاری و تکلیف کی حالت میں اس نے ایک دن اپنے بالوں کے جوڑے میں سے ایک سونے کی سلائی نکالی اور اس درخت کے پتوں کو اس سے چھیدنا شروع کیا۔ انتظار کی مدت اتنی بڑھی کہ درخت کے تمام پتے چھید ڈالے۔ جب یہ ملکہ اپنی مراد کو نہ پہنچی تو ہیپولیٹس کو اس نے مار ڈالا اور خود بھی بہت لذت سے مری۔ یعنی اپنے عروسی کمرے میں جاکر کمر سے زری کا پٹکا کھول اس سے اپنے تئیں پھانسی دے لی۔ یہ واقعہ سن کر دیوتاؤں نے فیصلہ کیا کہ اس مرتل کے درخت میں چونکہ وہ ملکہ فیدرا کے عشق حرام کا شاہد رہ چکا ہے آئندہ جس قدر پتے نکلیں وہ سب سوراخ دار ہوں۔ یہ قصہ سن کر میں نے

اس درخت کا ایک پتا توڑ لیا۔ اور گھر آکر اس کو اپنے پلنگ کے سرہانے لٹکا دیا تاکہ یہ واقعہ ہمیشہ یاد رہے اور عشق کا آزار اپنے پیچھے کبھی نہ لگاؤں۔ اور حکیم لبی قور کے اس قول کو کہ نفس کی خواہشوں نے ہمیشہ خوف کرنا چاہئے اور بھی دل سے یقین کرتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت سے عشق کرنا اپنے دین و ایمان کو ایک روگ لگاتا ہے۔ اور پھر یہ روگ کمبخت ایسا ہے کہ اس سے ہمیشہ بیمار رہنا بھی تو یقینی نہیں۔"

پفنونوس نے پوچھا۔ "دوریان تم کو کن چیزوں سے مسرت حاصل ہوتی ہے۔"

دوریان نے بہت ہی کچھ غمگین بن کر کہا۔ "مسائل حکمت پر غور کرنے سے البتہ دل خوش ہوتا ہے۔ مگر اس کو بھی ایک مجبوری سمجھئے۔ کیونکہ جب انسان کا معدہ ضعیف ہو گیا ہو تو پھر یہ خیال کرنا کہ غور و فکر کے سوا بھی کسی چیز میں حظ مل سکتا ہے ایک فضول بات ہے۔"

اتنا سن کر پفنونوس نے اس تمکنلائی قور کو ایسی روحانی مسرتیں جتانی چاہیں جو خدا کی ذات پر غور کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس نے کہنا شروع کیا:

"حق بات سنو۔ اور اس سے اپنے قلب کو روشن کرو۔"

یہ جملہ پفنونوس نے ایسا کڑک کر کہا کہ بہت سے لوگ اس کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہنے لگے۔ "خبردار۔ خاموش رہو۔" اس وقت ہر طرف ایک سناٹا سا تھا۔ مگر پھر یک لخت بہت سے ساز اور باجے بجنے لگے۔

تماشا شروع ہو گیا۔ سپاہی اپنے اپنے ڈیروں میں سے نکلے اور ایسی حرکتیں کرنے لگے کہ گویا کل فوج کوچ کرنے کو ہے۔ اتنے میں بیچ کے چبوترے پر دھوئیں کا ایک بادل سا چھا گیا۔ پھر یہ بادل ہٹ گیا اور چبوترے پر اکیلیز کی روح طلائی زرہ بکتر لگائے نمودار ہوئی۔ اور اس نے ہاتھ اٹھا کر لشکر کے سرداروں سے اشاروں میں کہنا شروع کیا۔ "اے یونان والوں۔ کیا تم وطن کو واپس جا رہے ہو جہاں مجھ کو اب جانا نصیب نہ ہو گا۔ کیا میری قبر پر کوئی چڑھاوا بھی نہ چڑھاؤ گے۔ یوں ہی چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" اتنا سنتے ہی یونان کے جس قدر نامور سردار تھے سب اکیلیز کی قبر کے قریب آ گئے۔

اکاسس، نستور، اگاممنن تاج اور عصاء شاہی لئے اکیلیز کی طرف دیکھنے لگے۔ اکیلیز کا جوان بیٹا پرہوس باپ کی روح کے سامنے خاک پر پڑا تھا۔ یونان کا سب سے بڑا عاقل دیوتا یولی سیز بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے بشرے سے ظاہر کیا کہ اکیلیز کی قبر پر ضرور کوئی نذر

چڑھائی جائے۔ اور اس بات پر اگاممنن سے اشاروں میں بحث کرنے لگا۔ یہ اشارے اس قدر صاف تھے کہ بحث کا کل مضمون تماشائیوں کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

یولی سیز گویا کہتا تھا کہ "یونانیوں میں اکیلیز سب سے زیادہ عزت کا مستحق ہے۔ یہ وہ جواں مرد ہے جس نے بڑی شان سے اپنے ملک و وطن پر جان قربان کی تھی۔ اب وہ چاہتا ہے کہ مغلوب بادشاہ تروجہ یعنی پریام کی دوشیزہ لڑکی پولی زینہ اس کی قبر پر قربان کی جائے۔ یونانیو۔ تمہارا فرض ہے کہ اکیلیز جس چیز کو تم سے طلب کرے اسے پیش کرو تاکہ تحت الثریٰ میں اس کی روح آرام سے رہے۔"

اگاممنن نے اس تقریر سے اختلاف کیا اور اشاروں میں کہا:

"یونانیو۔ تروجہ کی کنواری لڑکیوں کو جان سے نہ مارو۔ یہ وہ ہیں جنہیں ہم بت خانوں کے حرم سے پکڑ لائے ہیں۔ وہاں بھی ان کو پناہ نہ دی۔ آخر پریام کے خاندان اور قوم پر کہاں تک ظلم توڑو گے۔"

اگاممنن نے یہ سفارش اس بنا پر کی تھی کہ اس کو پولی زینہ کی بہن کسندرہ سے عشق تھا۔ اس پر یولیسیز نے اگاممنن کو جھڑکا اور کہا۔ "حیف ہے کہ کسندرہ کی سیج کو اکیلیز کی تلوار پر ترجیح دی جاتی ہے۔"

یونان کے لوگوں نے تلواریں جھنکا کر یولی سیز کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ فیصلہ کر دیا کہ اکیلیز کی روح کو تسکین دینے کے لئے بادشاہ پریام کی دوشیزہ لڑکی ذبح کر دی جائے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی اکیلیز کی روح غائب ہو گئی۔ باجے اور ساز تماشا کرنے والوں کی حرکات و سکنات کے مطابق کبھی تیز اور کبھی آہستہ بجتے تھے تماشائیوں کی صفوں سے بھی اس فیصلے کی تائید میں آوازیں بلند ہوئیں۔

یفنوتوس جو میزان حق میں ہر چیز کو تول کر بات کرتا تھا پکار اٹھا:

"اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جھوٹے مذہبوں کے ماننے والے کیسے ظالم و جفاکار ہوتے تھے۔"

یہ فقرہ سن کر ددریان بولا۔ "ابتدا میں سب ہی مذہبوں کی بنیاد ظلم و جفاکاری پر رکھی گئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ حکیم اپی قورس علم و دانش کا استاد دنیا میں پیدا ہو گیا اور عالم غیب کے متعلق جس قدر خوف انسان کے دل میں چلے آتے تھے۔ ان کو اس نے دور کر دیا۔"

اتنے میں ملکہ کھوبہ بال کھولے گریبان چاک جس خیمہ میں قید تھی اس سے باہر نکلی۔ جس وقت مظلومی و بدقسمتی کی یہ زندہ تصویر سامنے آئی تو سب کے دل ہل گئے یہ پولی زینہ کی ماں تھی۔ اسے خواب میں معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی بیٹی قربانی کی جائے گی اس لئے وہ پہلے ہی سے اپنی اور اپنی بیٹی کی بدقسمتی پر آہ و زاری کرتی ہوئی آئی یولی سیز اس کے قریب آیا اور پولی زینہ کو قربانی کے لئے اس سے مانگا۔ بڑھیا ماں نے چھاتی پیٹ کر سر کے بال نوچے۔ ناخنوں سے چہرے کو زخمی کیا۔ یولیسیز کی بہت منت و سماجت کی۔ اس کے ہاتھ چومے۔ مگر یولی سیز کو رحم نہ آیا اور اشاروں میں کہنے لگا:

"اے ملکہ۔ ذرا عقل کو کام میں لایئے۔ ضرورت کے سامنے سر جھکا دیجئے۔ بہت سی بڑھیا مائیں ہمارے گھروں میں بھی ایسی موجود ہیں جن کی اولاد اس میدان میں خاک کا پیوند ہو چکی ہے۔ اور جس کو وہ آج تک رو رہی ہیں۔"

کسندرہ جو تھوڑا زمانہ ہوا ایشیا کی ملکہ تھی اور آج دشمن کے ہاتھ میں ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی ہے سر پر خاک ڈالتی ہوئی سامنے آئی۔

یہ موقع تھا کہ ایک خیمہ کے سامنے سے پردہ ہٹا اور دوشیزہ پولی زینہ ظاہر ہوئی۔ تعریف کی ایک آواز ہر طرف گونج اٹھی۔ اور تماشائیوں نے فوراً پہچان لیا کہ تائیس پولی زینہ بنی ہے۔ اور بفنوتوس کو بھی آج پھر وہ صورت نظر آئی جس کی تلاش تھی۔ تائیس ایک ہاتھ سے بھاری پردے کو سر سے اوپر تھامے ایک حسین بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی رہی لیکن نرگسی آنکھیں ہر طرف میٹھی اور مخمور نگاہیں ڈال رہی تھیں۔ اور ہر تماشائی کے دل میں اس کے حسن کا جادو اپنا کام کر رہا تھا۔

یک لخت تماشائیوں کی زبان سے تعریف کے نعرے بلند ہوئے۔ بفنوتوس نے بیتاب ہو کر دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیا اور ایک آہ سرد کھینچ کر کہنے لگا:

"خدایا۔ تو نے اپنی کل مخلوق میں سے صرف اس ایک نازک جان کو اتنی قوت کیوں کر بخش دی۔"

دوریان جس پر کچھ زیادہ اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کہنے لگا:

"حقیقت تو یہ ہے کہ جن ذروں سے یہ عورت بنی ہے ان کا حسن ترکیب غضب کا ہے۔ اس کو بھی قدرت کا ایک کھیل کہئے۔ خود ان ذروں کو علم نہیں کہ مل کر کیا چیز بنائی ہے اور جس بے پروائی سے یہ ذرے کبھی ملے تھے اسی بے پروائی سے ایک دن جدا ہو

جائیں گے۔ آپ ہی فرمایئے کہ جن ذرات نے لائیس اور قلوپطرہ جیسی حسین عورتوں کو بنایا تھا وہ کدھر غائب ہو گئے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ بعض وقت عورتیں حسین ہوتی ہیں مگر بہرحال ان کو ذلیل کیا جاتا ہے اور قاتل نظریں مصیبتیں ان پر ڈالی جاتی ہیں۔ اور اتنا خیال بھی صرف ان لوگوں کو ہوتا ہے جن میں غور و فکر کی عادت ہے۔ ورنہ عام لوگوں کو اس بات سے کچھ بحث ہی نہیں ہوتی۔ عورت مرد کے دل میں جذبہ عشق پیدا کرتی ہے گو عورت سے عشق کرنا عقل و دانش کے بالکل خلاف ہے۔"

غرض یہ شان تھی جس میں یونان کے ایک حکیم اور صحرا کے ایک راہب نے تائیس کا جلوہ دیکھا اور دونوں اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کیفیت کو سوچتے رہے۔ اور اس حالت میں ایسے محو ہوئے کہ ملکہ ہکوبکو اپنی بیٹی پولی زینہ کے قریب آتے بھی نہ دیکھا اور نہ ملکہ کو بیٹی سے یہ کہتے سنا:

"بیٹی۔ کوئی جتن لیا کر کہ یولی سیز کو تجھ پر ترس آ جائے۔ اپنے آنسوؤں سے اپنی جوانی اور حسن سے کہہ کر تیری جان بخشی کے لئے فریاد کریں۔"

تائیس یا یہ کہیئے کہ پولی زینہ خیمہ کا پردہ اپنے گورے گورے ہاتھ سے چھوڑ کر ایک قدم باہر آئی اور سب کے دل اس کی نذر ہو گئے۔ شاہانہ تمکنت سے وہ یولیسیز کی طرف بڑھی۔ رفتار کے انداز اور بانسریوں کی آواز میں کچھ ایسا تال میل تھا کہ آج تائیس دنیا کے تمام نغموں کا سرچشمہ معلوم ہوتی تھی۔ تماشائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو سوائے تائیس کے کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ اس کے حسن نے اور سب چیزوں کو گہنا دیا تھا۔ تماشا جاری رہا۔

مغرور یولی سیز نے پولی زینہ کو آتے دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیا۔ اور اپنے ہاتھ بھی چادر میں چھپا لئے کہ پولی زینہ کے لب اس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنی انصاف طلب نگاہوں سے کہیں اس کے دل میں رحم نہ پیدا کر دیں۔ پولی زینہ اشاروں میں یولی سیز سے کہتی معلوم ہوئی:

"یولیسیز مجھ سے ڈریئے نہیں۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ میری موت ضروری ہے۔ تو میں حاضر ہوں۔ کیونکہ میں تو خود ہی مرنے کی آرزو کرتی رہتی ہوں۔ پریام کی بیٹی ہوں اور ہکٹر کی بہن۔ جس کی سیج کی تمنا بادشاہوں کو ہوتی وہ ایک ظالم قوم کی لونڈی بن کر نہیں رہ سکتی۔ میں خوشی سے اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔"

ہکوبہ خاک پر بے ہوش پڑی تھی۔ دفعتاً سنبھل کر اٹھی اور گلے میں بانہیں ڈال کر

بیٹی کو لپٹ گئی۔ پولی زینہ نے آہستہ سے ماں کی بانہیں اپنے گلے سے نکالیں اور اشاروں میں کہا:

"اے مادر مہربان۔ دشمن کا جور و ستم اپنے اوپر کیوں اور بڑھاتی ہو۔ کیا سمجھتی ہو کہ وہ مجھ کو تم سے زبردستی نہ چھڑالیں گے۔ پیاری اماں۔ اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ اور میرے لبوں تک اپنے لب لاؤ۔"

غم کا حسن اس وقت نائیس کے چہرے پر تھا اور تماشائی محو حیرت تھے کہ زندگی کے واقعات کو یہ عورت کیسی اصلیت و خوبصورت سے ادا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ پفنونوس نے نائیس کے غرور حسن کو اس خیال سے معاف کر دیا کہ عاجزی و انکساری کا وقت قریب آ رہا ہے۔ دل میں خوش تھا کہ وہ عنقریب ایک گنہگار عورت کو راہبہ بنا کر خداوند کی حضور میں پیش کرنے والا ہے۔

تماشا اس وقت خوب زور پر تھا۔ ملکہ ہکوبہ بیٹی سے جدا ہوتے ہی زمین پر اس طرح گری گویا دم نکل گیا۔ پولی زینہ یولیسز کے پیچھے پیچھے چلی اور مقام اکیلیز کی قبر تصور کیا گیا تھا وہاں آئی۔ یونان کے بڑے بڑے اہل سیف جنہوں نے جنگ ترویہ میں نام پیدا کیا تھا۔ اس مصنوعی قبر کے گرد کھڑے تھے۔ ترانہ موت کی صداؤں میں پولی زینہ قبر کے چبوترے پر چڑھی۔ اکیلیز کا لڑکا سونے کا پیالہ ہاتھ میں لئے باپ کی تربت پر پانی اور پھول چڑھا رہا تھا۔ جس وقت قربانی کرنے والوں نے پولی زینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اس کو قتل کریں تو پولی زینہ نے فوراً اشاروں میں اجازت چاہی کہ موت کا طریقہ اس کی مرضی پر چھوڑا جائے۔ کیونکہ یہی دستور بادشاہوں کی اولاد کے قتل میں بھی برتنا سزاوار ہے۔ اتنا کہہ کر پولی زینہ نے گریبان چاک کر کے اپنا سینا کھول دیا۔ اکیلیز کا لڑکا پرہوس قریب آیا اور منہ موڑ کر اپنی تلوار پولی زینہ کے سینہ میں اتار دی۔ خون کا ایک فوارہ اس دوشیزہ کے گورے گورے سینے سے فوراً نکلتا ہوا معلوم ہوا۔ چکرا کر زمین پر گری۔ موت کی زردی چہرے پر گھنڈی اور پولی زینہ اکیلیز کی تسکین روح کے لئے قربان کر دی گئی۔

یونان کے سرداروں نے لاش کو بے عزت کیا۔ پھر سرخ و سپید پھولوں سے اسے ڈھک دیا۔ خوف اور نالہ و زاری کی صدائیں ہر طرف بلند تھیں۔ اسی حالت میں پفنونوس اٹھا اور بڑی گرجتی ہوئی آواز میں اس نے یہ پیشن گوئی کی:

"بت پرستو۔ بھوتوں کے پوجنے والو اور اے اریوسی عیسائیوں جو بت پرستوں سے بھی

بدتر ہو سنو میں کیا کہتا ہوں۔ یہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے ایک رمز خداوندی ہے۔ اس واردات میں کچھ اور ہی معنی مخفی ہیں۔ وہ عورت جس نے پولی زینہ کا روپ بھرا تھا۔ حقیقت میں قربانی ہونے والی ہے۔ اور یہ قربانی اس کی خوشی اور مرضی سے خداوند یسوع مسیح کے لئے ہو گی۔ جو قبر سے زندہ ہو کر اٹھا تھا۔"

تماشے کی عمارت سے اب سب لوگ اٹھ کر باہر نکل رہے تھے۔ بفنوتوس کسی طرح دوریان سے علیحدہ ہو کر باہر آیا۔ دوریان بفنوتوس کی پیشن گوئی پر اب تک حیرت میں تھا۔

اس تمام واقعے کے ایک گھنٹے کے بعد بفنوتوس تائیس کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ سکندر کے مقبرے کے قریب رقوطس کے محلہ میں جہاں صرف دولتمندوں کے مکان تھے تائیس کی عالیشان حویلی تھی۔ اس حویلی کے اندر ایک بڑا خوبصورت باغ تھا۔ جس میں جابجا مصنوعی پہاڑ بنے تھے۔ اور ایک نہر جاری تھی جس کے دونوں طرف سایہ دار درخت تھے۔ ایک بڈھے حبشی نے جو کانوں میں سونے کے بالے پہنے تھا دروازہ کھولا اور پوچھا کہ کیا چاہئے۔

بفنوتوس نے جواب دیا کہ "میں تائیس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اور میرا خدا شاہد ہے کہ صرف اسی سے ملنے یہاں تک آیا ہوں۔"

بفنوتوس اس وقت نیکیاس کی دی ہوئی زرق برق عبا پہنے تھا۔ اور اس کی آواز پر بھی امارت برستی تھی۔ اس لئے غلام نے اس کو مکان کے اندر آنے دیا اور کہا:

"تائیس اس وقت جل پریوں والے گوشے میں تشریف رکھتی ہیں۔ آپ وہیں ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔"

O

تصب البردی

تائیس مفلس ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئی جو آزاد تھے۔ کسی کے غلام نہ تھے۔ بت پرستی ان کا مذہب تھا۔ تائیس کے بچپن ہی سے اس کا باپ ایک سرائے کا مالک تھا جو شہر کے قمری دروازے کے قریب واقع تھی۔ اس میں اسکندریہ کے ملاح اکثر آمدورفت رکھتے تھے۔ بچپن کی بعض باتیں تائیس کے دل پر ایسی نقش تھیں۔ جن کو وہ کبھی نہ بھول سکتی تھی۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس کا باپ سرائے کے ایک گوشے میں آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ بھاری بھر کم چپ چاپ سا آدمی تھا اور صورت ایسی تھی کہ دیکھ کر دوسروں کے دل میں خوف پیدا ہو۔ اس کا یہ انداز فراعنہ قدیم میں سے ایک فرعون کا سا تھا جس کو شہر کے چوراہوں پر اندھے فقیروں کی شکوہ آمیز صدائیں اب تک یاد دلایا کرتی تھیں۔ تائیس کو یہ بھی یاد تھا کہ اس کی دبلی سوکھی غمزدہ ماں ایک بھوکی بلی کی طرح چیختی چلاتی آنکھیں چمکاتی سارے گھر میں لوھر کی لوھر ماری ماری پھرا کرتی تھی۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ جادوگرنی ہے لور رات کو لپنے یاروں سے ملنے کے لئے الو بن جاتی ہے۔ مگر یہ جھوٹ بات تھی۔ تائیس خوب جانتی تھی کہ اس کی ماں کو جادو سے کچھ سروکار نہ تھا۔ لالچ اس کے مزاج میں البتہ اس قدر تھا کہ دن میں جو کچھ آمدنی ہوتی رات بھر بیٹھی اس کا حساب کیا کرتی۔ غرض ایک بے پروا باپ لور لالچی ماں نے بیٹی کی کچھ خبر نہ رکھی لور آزاد کر دیا کہ جانوروں کی طرح یہ بھی اپنا کوئی طرز زندگی پیدا کر لے۔ ابھی بچی ہی تھی کہ شرابی ملاحوں کی جیبوں سے پیسے نکال لینے میں خوب مشاق ہو گئی۔ گندے گندے گیت گا کر ان کو خوش کرتی حالانکہ ایک لفظ بھی ان کا وہ نہ سمجھتی تھی۔ کبھی ایک ملاح کی گود میں جا بیٹھتی کبھی دوسرے ملاح کے گھٹنے پر چڑھ بیٹھتی۔ شرابی نشے میں اسے پیار کرتے اور ان کے مے آلودہ لبوں سے اس کے گال چپ چپا جاتے۔ کبھی ان کی داڑھیوں کے سخت بالوں سے اس کے گالوں پر کھرنچیں لگ جاتیں۔ مگر اسی حالت میں ان کی کمر سے پیسے نکال بھاگ جاتی لور گھر سے نکل کر شہر کے دروازے میں جو پوپلی بڑھیا شہد بیچا کرتی تھی اس سے شہد لے کر چاٹا کرتی۔ سرائے میں روز

یکی کیفیت رہا کرتی۔ ملاح نشے کی ترنگ میں بڑے جوش و خروش سے سمندر کے خطروں اور طوفانوں کا حال بیان کرتے کبھی جوا کھیلتے کبھی گالیاں دے دے کر شراب مانگتے۔

شرابیوں میں رات کو ایسی لڑائیاں ہوتیں کہ تائیس سوتے سوتے چونک پڑتی۔ کھانے کی میز پر کیکڑوں کی ہڈیاں جو پڑی رہ جاتیں ان کو اٹھا کر ایک شرابی دوسرے شرابی کی طرف زور سے پھینکتا۔ اور اس نشانے بازی میں ان کے چہرے زخمی ہو جاتے۔ بعض وقت آپس میں چھری چل جاتی۔ اور یہ لڑکی چراغوں کے پاس چھریوں کی چمک دیکھ کر ڈر جاتی۔ اور شرابی زخموں سے لہولہان ہو جاتے۔

بچپن میں اگر حقیقت میں کوئی اچھا اور نیک بخت آدمی تائیس کو ملا تو وہ احمس تھا۔ اس کے سامنے یہ لڑکی سب شوخیاں بھول کر بڑی عاجز و مسکین بن جاتی۔ احمس اس گھر کا غلام نوبیہ کا رہنے والا تھا اور اس کا رنگ ان چیلوں کے پیندوں سے بھی زیادہ سیاہ تھا۔ جن کے مانجھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ تائیس کے لئے وہ ایسی ہی آرام کی چیز تھا جیسے اندھیری رات ہو جس میں خوب لطف کی نیند آئے۔ وہ اکثر اس بچی کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا کر کہانیاں سنایا کرتا۔ ان میں ایسے زر پرست بادشاہوں کا حال ہوتا جنہوں نے اپنے خزانے رکھنے کے لئے بڑے بڑے سنگین تہ خانے بنوائے تھے اور جب وہ بن چکے تو بنانے والوں کو قتل کر دیا۔ بعض کہانیوں میں چوروں کا حال ہوتا جنہوں نے بادشاہوں کی بیٹیوں سے بیاہ کیا۔ اور ان پرانی کسبیوں اور بیسواؤں کا ذکر بھی ہوتا جنہوں نے مصر کے اہرام تعمیر کرائے تھے۔ تائیس کو بچپن میں احمس سے ایسی محبت تھی جیسے کوئی لڑکی اپنے ماں باپ یا بھائی سے محبت کرے۔ ہر وقت اس کو چمٹی رہتی تھی۔ اگر احمس شراب کے مٹکوں والی اندھیری کوٹھری میں جاتا تو اس کے ساتھ ہوتی۔ اگر صحن میں چھری چکاتا کسی مرغی کو پکڑنے دوڑتا اور مرغیاں ادھر ادھر پھڑپھڑاتی پھرتیں تو اس تماشے میں بھی تائیس اس کے پیچھے پیچھے لگی رہتی۔ رات کو سب کاموں سے فارغ ہو کر جو وقت سونے کے لئے ملتا اس میں بھی احمس آرام نہ کرتا۔ بلکہ پھونس کے بچھونے پر بیٹھا تنکوں کی چھوٹی چھوٹی پن چکیاں اور جہاز مع ساز و سامان کے تائیس کے کھیلنے کے لئے بنایا کرتا۔

تائیس کے باپ نے اس غلام پر بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ ایک کان تو پہلے ہی اڑا دیا تھا اور اب بدن پر مار کے بیسیوں نشان رہا کرتے تھے۔ باوجود اس کے احمس کے چہرے پر ایک اطمینان اور بشاشت برستی تھی۔ کوئی شخص اس سے یہ نہ پوچھتا تھا کہ یہ اطمینان اور

خوشی اسے کیونکر میسر رہتی ہے۔ طبیعت اس کی بالکل معصوم بچوں کی سی تھی۔ جب گھر کا کام کاج کرتا ہوتا تو گرجاؤں میں جو گیت خدا کی تعریف میں گائے جاتے تھے ان کو کرخت آواز سے گاتا رہتا۔ اٹمس حقیقت میں عیسائی تھا۔ اسے اصطباغ مل چکا تھا۔ عیسائیوں کے مذہبی جلسوں میں اس کا نام عیسودر لیا جاتا تھا۔ رات کو چھٹی کا وقت ان ہی جلسوں میں صرف کیا کرتا۔

یہ زمانہ مصر میں عیسائیوں کے لئے بڑی گردش اور آزمائشوں کا تھا۔ بت پرست شہنشاہ وقت کے حکم سے ان کے اکثر گرجا ڈھا دیئے گئے۔ انجیلیں جلا کر اور کلیسا کے شمع دان اور قیمتی ظروف سب آگ میں ڈال کر گلا دیئے گئے تھے۔ جب عیسائیوں کی ایسی چیزیں جنہیں وہ اپنی عزت و وقار کا باعث سمجھتے تھے غارت کر دی گئیں تو پھر ان کو سوائے موت کے اور کسی بات کا انتظار نہ رہا۔ اسکندریہ کے عیسائیوں کی حالت بھی سخت خوف و خطرے کی تھی۔ یہ لوگ ڈر سے سہمے ہوئے آپس میں چپکے چپکے کہا کرتے کہ ایذا رسانی کے ہولناک آلے' تازیانے' شکنجے' وحشی درندے جمع کئے جا رہے ہیں کہ پادریوں اور عیسائیوں کی کنواری لڑکیوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کیا جائے یا انہیں درندوں سے پھڑوا ڈالا جائے۔ یہی حالت خوف و ہراس ہر طرف سب پر طاری تھی کہ مقدس انطونی جس کی عبادت و ریاضت کا شہرہ عام تھا کوہ کلزین سے اترا اور اسکندریہ میں اس تیزی سے پہنچا جیسے پہاڑ کی چوٹی سے عقاب جھپٹ کر نیچے آئے۔ اور مصری عیسائیوں کے گرجاؤں میں جا کر لوگوں میں دین کی حمایت کا وہی جوش پیدا کر دیا جو خود اس کے دل میں تھا۔ بت پرستوں کو وہ نظر نہ آسکا مگر عیسائیوں میں اس نے وہ قوت اور احتیاط پیدا کر دی جو خود اس میں موجود تھی۔ عیسائی غلاموں پر سخت ظلم ہو رہے تھے۔ بہت لوگ ایسے تھے جنہوں نے جان و مال کے خوف سے عیسائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ ہزار ہا لوگ وہ تھے جو شہر چھوڑ کر صحرا میں اس لئے چلے گئے کہ یا تو خدا کی یاد میں زندگی کے دن کاٹیں یا قزاقی کا پیشہ اختیار کریں۔ اٹمس اس زمانہ میں بھی حسب معمول عیسائیوں کے مذہبی جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ عیسائی قیدیوں سے قید خانے میں جا کر ملتا۔ اور جو مسیحی قتل کر دیئے جاتے ان کو دفن کرتا۔ اور خوش ہو کر اپنے مسیحی دین کا سب کے سامنے اظہار کرتا۔ انطونی نے اٹمس کی دینی خدمتوں پر نظر کی اور صحرا کو واپس جانے سے پہلے وہ اس حبشی غلام سے بغل گیر ہوا اور سلامتی دینے کے لئے اس کا بوسہ لیا۔

تائیس کی عمر جب سات برس کی ہوئی تو ایک دن احمس اس سے خدا کی باتیں اس طرح کہنے لگا:

"خداوند خدا۔ آسمان پر اس طرح رہتا تھا جیسے حرم کے خیموں میں اور باغوں کے درختوں کے نیچے مصر کے پرانے بادشاہ رہا کرتے تھے۔ وہ قدیموں میں سب سے قدیم اور زمین و آسمان سے بھی زیادہ پرانا تھا۔ اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا جس کا نام شہزادہ یسوع تھا۔ خدا کو وہ دل سے عزیز تھا۔ اور اس کا حسن و جمال فرشتوں اور دوشیزہ لڑکیوں سے بھی بڑھ کر تھا۔ اور خدا نے شہزادہ یسوع سے کہا:

"میرے حرم اور میرے محلوں سے۔ میرے خرمے کے درختوں اور میرے باغ کے چشموں سے رخصت ہو۔ اور آدمیوں کی بھلائی کے لئے نیچے دنیا میں جا۔ وہاں پہلے تو ایک بچے کی مثال ہو گا اور مسکینوں میں ایک مسکین کی طرح رہے گا۔ مصیبت تیری روز کی روٹی ہو گی اور تیرے آنسو اتنے ہوں گے کہ ان سے دریا بہ نکلیں گے جن میں تھکے ہارے غلام نہا دھو کر خوش ہوں گے۔ اے میرے فرزند جا۔"

"شہزادہ یسوع نے خدا کے اس حکم کو مانا۔ اور وہ اس دنیا میں آیا اور یہودیہ کے مقام بیت اللحم میں آسمان سے اترا اور میدانوں میں چلا جن پر پھولوں کا فرش تھا۔ اور اپنے ساتھ والوں سے اس نے کہا:

"مبارک ہیں وہ جو بھوکے ہیں کیونکہ وہ میرے باپ کے ساتھ کھانے بیٹھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو پیاسے ہیں کیونکہ آسمان کے چشموں سے وہ پانی پئیں گے۔ مبار ہیں وہ جو روتے ہیں کیونکہ ان کے آنسوؤں کو میں خشک کروں گا حریر کے پارچوں سے جو مصر کی ناچنے والیوں کی نقاب سے بھی زیادہ نازک و نرم ہوں گے۔"

"یہ باتیں سن کر مفلسوں کو یسوع سے بہت محبت ہو گئی اور اس پر وہ ایمان لے آئے۔ لیکن مالداروں نے اس سے نفرت کی اور ڈرے کہ کہیں یسوع مفلسوں کو ان پر غالب نہ کر دے۔ اس زمانہ میں مصر کی ملکہ کلابطرہ اور روما کے قیصر کو زمین پر ہر طرح کی قدرت حاصل تھی۔ مصر کی ملکہ کے حکم سے شام کے حاکموں نے ایک اونچے پہاڑ پر صلیب کھڑی کی اور اس پر یسوع کو ہلاک کیا۔ پھر عورتوں نے اس کی لاش کو غسل دیا اور اس کو دفن کیا۔ پھر شہزادہ یسوع اپنی قبر کا پتھر ہٹا کر اپنے باپ خدا کے پاس آسمان پر چلا گیا۔"

"اس وقت سے جتنے آدمی یسوع پر ایمان رکھتے ہوئے مرتے ہیں وہ آسمان پر چلے جاتے

ہیں۔ اور خداوند خدا ہاتھ بڑھا کر ان سے کہتا ہے۔ "مبارک ہے تمہارا آنا۔ کیونکہ تم میرے فرزند سے محبت رکھتے ہو۔ آؤ' نہاؤ اور کھاؤ۔"

"اور جب عرش کے چشموں پر وہ نہائیں گے تو گانے کی آوازیں وہ سنتے رہیں گے اور جب وہ کھانے بیٹھیں گے تو حوریں ان کے سامنے رقص کرتی قصے اور داستانیں سناتی ہوں گی۔ خداوند خدا ان کو اپنی آنکھوں کے نور سے زیادہ عزیز رکھے گا۔ اور چونکہ وہ اس کے مہمان ہوں گے اس لئے خدا کے باغ سے ان کو انگور اور انار دیئے جائیں گے۔"

احمس اکثر ایسی باتیں سنا کر تائیس کو حق سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ تائیس ان باتوں کو سن کر خوش ہوتی اور کہتی کہ

"انار تو میں ضرور کھاؤں گی۔"

احمس جواب دیتا کہ۔

"آسمان کے میوے صرف انہی کو چکھنے کو ملتے ہیں جنہیں مسیح کے نام سے اصطباغ دیا گیا ہو۔" یہ دیکھ کر کہ تائیس کو مسیح کی برکت اور وسیلہ سے نجات کی امید ہے احمس اور بھی شوق و توجہ سے اس لڑکی کو عیسائی مذہب کی باتیں سکھاتا تاکہ اصطباغ پاتے ہی وہ گرجا میں داخلہ کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح تائیس اپنے غلام احمس کی روحانی بیٹی بن کر اور بھی اس سے محبت کرنے لگی۔

تائیس کو ماں باپ کی بے انصافیوں سے ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ جہاں وہ سوتے تھے وہاں یہ سوتی بھی نہ تھی بلکہ گھر کے اصطبل میں ایک کونے میں پھوس بچھا کر رات کو پڑ رہتی۔ اور احمس گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر اس کے پاس چلا آتا۔

تائیس کے بچھونے کے پاس چپکے چپکے آکر زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا۔ اس کے بدن اور چہرے کی سیاہی اس بلا کی تھی کہ اندھیرے میں پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ کدھر بیٹھا ہے۔ البتہ آنکھوں کی سفیدی تاریکی میں ایسی نظر آتی جیسے کسی دروازے کی جھری سے صبح کی روشنی چھنتی ہو۔ بات چیت میں اس کے لہجے میں ان پرورد اور شیریں نغموں کا سا سوز وگداز ہوتا تھا جو شام کے وقت اکثر گلی کوچوں میں سنائی دیا کرتے تھے۔ اور جب رات کے وقت تائیس کے بستر کے قریب وہ انجیل گا کر پڑھتا تو کبھی کبھی کسی بیل یا گدھے کی آواز بھی تاریک روحوں کے طائفہ کی شکل اس غریب غلام کی لے میں لے ملانے لگتی۔ مگر احمس کی آواز جوش عقیدت اور امید رحمت سے لبریز تاریکی سے نکل کر ہر طرف پھیلتی۔

اور اس عالم عبرت میں کہ گھپ اندھیری رات اور مسیحی اولیا کے اسرار ہر طرف چھائے ہوتے تائیس نصرانیت کی نوآموز لڑکی احمس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اور اس کے منہ سے پاک لوریاں سن کر اپنے تخیل کی دھندلی دھندلی صورتیں دیکھتی ہوئی مسکراتی صورت سے میٹھی نیند سو جایا کرتی اور آسمان کا ایک چمکتا تارا چھت کی ایک جھری سے اس معصومہ کے چہرے پر اپنی روشنی ڈالتا۔

احمس اسی طرح اس لڑکی کو ایک سال تک عیسائی مذہب کی تلقین کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عید فسح کا زمانہ آیا۔ اس عید میں عیسائی سات دن تک بڑی خوشیاں منایا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں میں ایک رات سوتے سوتے تائیس کی آنکھ کھلی' دیکھا کہ احمس اسے اپنی گود میں اٹھا رہا ہے۔ آج اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب چمک ہے اور معمول کی طرح پھٹے پرانے کپڑے بھی اس کے بدن پر نہیں ہیں بلکہ ایک بہت سفید لمبا جبہ پہنے ہے اور کہتا ہے:

"آ میری پیاری۔ آ میری آنکھوں کی روشنی۔ آ میری ننھی سی جان تجھے اصطباغ کا پیرہن پہناؤں۔"

اتنا کہہ تائیس کو گود میں اٹھا اور اپنے جبہ کے دامن سے اسے اچھی طرح ڈھک گلے سے لگا کہیں جانے لگا۔ تائیس بچی تھی۔ ڈرتی بھی تھی اور ہر چیز کے دیکھنے کا شوق بھی تھا۔ کپڑے سے منہ تو باہر نکال لیا تھا لیکن احمس کے گلے میں بانہیں ڈال کر خوب زور سے اسے چمٹ گئی تھی۔ اسی حالت میں احمس اندھیری گلیوں میں چلتا رہا۔ یہودیوں کے محلے سے گزر ہوا۔ پھر ایک قبرستان کے پاس سے نکلا۔ اور یہاں ایک مردہ خور جانور کی منحوس آواز سنی۔ چوراہوں پر دیکھا کہ صلیبیں گڑی ہیں اور مجرم ان پر میخوں میں ٹھکے ہوئے لٹک رہے ہیں۔ اور ان کے بازوؤں پر کوے بیٹھے بسیرا لے رہے ہیں۔ یہ چیزیں دیکھ کر تائیس نے احمس کے کپڑوں میں منہ چھپا لیا۔ اور پھر منہ باہر نہ نکالا۔ دفعتاً" اسے معلوم ہوا کہ احمس کہیں نیچے زمین کے اندر اتر رہا ہے۔ تائیس نے اپنا منہ کھولا۔ اور دیکھا کہ وہ ایک تنگ اور لمبے سے کمرے میں ہے۔ اور اس میں بہت سی مشعلیں روشن ہیں۔ دیواروں پر قد آدم تصویریں مردوں کی ہیں مگر وہ بڑی نیچی نیچی عبائیں پہنے ہیں۔ ہاتھوں میں کھجور کے پتے ہیں اور ادھر ادھر بھیڑوں کے بچے۔ قمریاں اور انگور کی بیلیں بنی ہیں۔

ان تصویروں میں تائیس نے ناصرۃ کے یسوع کو پہچان لیا کیونکہ اس کے قدموں کے پاس پھول کھلے تھے۔ کمرے کے بیچ میں ایک سنگین حوض تھا جو اوپر تک پانی سے بھرا تھا۔

اور اس کے پاس ایک بڈھا پادری سر پر پادریوں کی ٹوپی رکھے اور ایک سرخ رنگ کا کرتا پہنے جس پر زری کا کام تھا کھڑا تھا۔ اس کی داڑھی بہت گھنی تھی۔ گو لباس بہت بارعب تھا مگر پادری کی صورت پر نرمی اور شرافت برستی تھی۔ اس بڈھے پادری کا نام دیوانتوس تھا۔ یہ افریقہ کے شہر کارینی کا کسی زمانہ میں اسقف اکبر تھا۔ مگر جب وہاں سے جلاوطن کیا گیا تو اسکندریہ میں چلا آیا اور یہاں جلاہے کا پیشہ اختیار کیا۔ بھیڑ بکریوں کے بالوں کا موٹا جھوٹا کپڑا بنا کرتا تھا۔ دو بہت مفلس بچے اس کے پاس کھڑے تھے۔ اور قریب ہی ایک حبشن ہاتھ میں ایک سفید کرتا لئے موجود تھی۔ تائیس کو گود سے اتار کر احمس نے اسقف کو تعظیم دی اور کہا۔ "یا ابی یہی وہ چھوٹی سی جان میری روحانی بیٹی ہے۔ اسے آپ کے پاس لایا ہوں کہ اگر مناسب ہو تو اس وقت حسب وعدہ اس کو اصطباغ دیں۔"

اتنا سن کر اسقف نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ معلوم ہوا کہ اس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ جس زمانہ میں عیسائیوں پر ظلم ہو رہے تھے تو بت پرستوں نے اقرار نصرانیت کے جرم میں اس پادری کی انگلیں کاٹ ڈالی تھیں۔ تائیس کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ کر ڈری اور دوڑ کر احمس کو چمٹ گئی۔ لیکن پادری نے اس سے ایسی پیار کی باتیں کیں کہ تائیس کا ڈر نکل گیا۔ اب پادری اس لڑکی سے کہنے لگا:

"پیاری بیٹی۔ ڈر نہیں۔ اس دنیا میں احمس تیرا روحانی باپ ہے جسے ہم مسیح پر ایمان رکھنے والے تھیدور کہتے ہیں اور اس روحانی باپ کے علاوہ تیری ایک روحانی ماں بھی ہے جس نے تیرے لئے ایک سفید پیرہن اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے۔" پادری نے اب حبشن بڑھیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کا نام نی تیدا ہے۔ اس دنیا میں وہ ایک لونڈی ہے لیکن آسمان پر یسوع اس کو اپنی دلہن بنائے گا۔" پھر پادری نے تائیس سے سوال کیا۔ "تائیس بتاؤ۔ تم خدا پر جو قادر مطلق ہے اور اس کے اکلوتے بیٹے پر جس نے ہماری نجات کے لئے اپنی جان دی اور ان سب باتوں پر جو "رسولوں" نے سکھائیں ایمان رکھتی ہو۔"

احمس اور حبشن نے جو تائیس کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جواب دیا۔ "ہاں"۔

اب پادری کے کہنے پر حبشن نے جھک کر تائیس کے سب کپڑے اتار ڈالے۔ سوائے گلے کے تعویذ کے بدن پر کچھ نہ رہا۔ پھر پادری نے اس لڑکی کو تین مرتبہ اصطباغ والے حوض میں غوطہ دیا۔ ملازموں نے تیل اور نمک پیش کیا۔ پادری نے تائیس کے بدن پر تیل ملا۔ اور نمک کی ایک کنکری اس کے منہ میں دی۔ پھر اس کے جسم کو خشک کرکے جس کے

مقدر میں بڑی بڑی آزمائشوں کے بعد ازلی زندگی لکھی تھی بڑھیا جسٹن نے اس کو سفید پیراہن جس کا کپڑا اس نے خود بنا تھا پہنایا۔

پادری نے پھر سب کو دعا دے کر ایک ایک کا بوسہ لیا اور جب رسم ختم ہوئی تو اس نے وہ ٹوپی اور چغہ جو اصطباغ کے وقت پہنا تھا اتار دیا۔ اور جب سب لوگ کمرے سے باہر نکلے تو امس نے کہا:

"آج ہم سب کو خوش ہونا چاہئے کیونکہ آج ہم نے ایک روح خداوند کو نذر دی ہے۔ پادری دیوانتوس اگر اجازت ہو تو ہم سب آپ کے گھر چلیں اور جتنی رات رہ گئی ہے اس میں خوشیاں منائیں۔"

پادری نے کہا۔ "بہت مناسب ہے۔"

اب دیوانتوس ان سب کو ساتھ لئے اپنے گھر آیا جو بہت ہی پاس تھا۔ اس پورے گھر سے مراد صرف ایک کمرہ تھا جس کے سامان میں ایک پرانے قالین کا ٹکڑا' ایک بڑی میز اور دو کرسیاں تھے۔ اندر پہنچ کر امس نے کہا:

"نئی تبدیلہ۔ ذرا تیل کی ہنڈیا اور کڑاہی تو اٹھا لاؤ کہ کچھ پکائیں اور مزے لے کر کھائیں۔"

یہ کہہ کر امس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند چھوٹی چھوٹی مچھلیاں جن کو معلوم نہیں کب سے چھپا رکھا تھا نکالیں۔ آگ جلائی اور کڑاہی میں مچھلیاں تلنی شروع کیں۔ جب مچھلیاں تیار ہو گئیں تو پادری اور دونوں لڑکے تائیس امس اور جسٹن حلقہ باندھ کر زمین پر بیٹھے مچھلیاں کھاتے اور خدا کا شکر کرتے جاتے تھے۔

دیوانتوس نے پھر وہ شدید ایذائیں اور عقوبتیں بیان کیں جو دین کے لئے اس نے اپنے اوپر برداشت کی تھیں اور یہ خوشخبری دی کہ کلیسا عنقریب اپنے دشمنوں پر فتح پانے والا ہے۔ پادری کی زبان گو کرخت تھی لیکن اس کی تقریر میں دلچسپ تمثیلیں موجود تھیں۔ نیک بندوں کی زندگی کو اس نے ارغوانی کپڑے سے تشبیہ دی۔ اور اصطباغ کی اصلیت اس طرح بیان کی:

"روح القدس پانی کے اوپر چلا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے عیسائیوں کو پانی سے اصطباغ دیا جاتا ہے۔ لیکن ندیوں میں شیاطین بھی رہتے ہیں اور بعض چشمے پریوں کی وجہ سے متبرک خیال کئے جاتے ہیں مگر ان سب سے ڈرنا چاہئے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ خاص خاص پانی

مختلف امراض جسمانی اور روحانی پیدا کرتے ہیں۔"

کبھی کبھی یہ پادری مضمون میں گفتگو کرتا اور اس کی باتیں پہیلیاں معلوم ہوتیں۔ ایسی باتیں سن کر تائیس دل ہی دل میں پادری کی تعریف کرتی۔ کھانا ختم ہونے کے بعد پادری نے تھوڑی سی شراب اپنے مہمانوں کو دی۔ شراب پیتے ہی سب کی زبانیں کھل گئیں اور سب مل کر خدا کی تعریف کے گیت گانے لگے۔ احمس اور نی تیدا نے کھڑے ہو کر حبشیوں کا ایک ناچ جو انہوں نے بچپن میں سیکھا تھا ناچنا شروع کیا۔ یہ ناچ وہ تھا جو ان کی قوم میں جب سے دنیا پیدا ہوئی تھی ایک ہی طریقہ سے ناچا جاتا تھا۔ یہ پیار اور محبت کا رقص تھا۔ جس میں ہاتھوں اور باقی جسم کو اس طرح حرکت دی جاتی تھی کہ دونوں ناچنے والے کبھی ایک دوسرے کا تعاقب اور کبھی ایک دوسرے سے گریز کرتے معلوم ہوتے تھے کبھی کبھی وہ دیدے مٹکاتے تھے اور جب ہنستے تھے تو دانت خوب ہی چمکتے تھے۔

اس طرح تائیس کی رسم اصطباغ ختم ہوئی۔

تائیس کھیل تماشے بہت پسند کرتی تھی۔ جوں جوں بڑی ہوتی گئی دل میں طرح طرح کے بڑے شوق پیدا ہوتے گئے۔ گلیوں میں جو لڑکے آوارہ پھرتے تھے ان کے ساتھ دن دن بھر ناچا گایا کرتی اور اسی طرح ناچتی ہوئی گھر واپس ہوتی۔

اب اس کو احمس کی جگہ لڑکوں اور لڑکیوں کی صحبت زیادہ پسند تھی۔ اور یہ خیال تک اسے نہ آتا کہ احمس اب اس کے پاس بہت کم آتا ہے۔ عیسائیوں پر ظلموں کا سلسلہ کچھ عرصے سے بند ہو گیا تھا۔ اور ان کی مذہبی مجلسیں باقاعدہ ہونے لگی تھیں۔ ان سب میں یہ حبشی غلام ضرور شریک ہوتا تھا۔ اس کا مذہبی جوش بہت بڑھتا گیا۔ کبھی کبھی ایسے کلمے منہ سے نکالنے لگا کہ دولتمند ان کو ایک قسم کی دھمکیاں سمجھے۔ ایک موقعہ پر کہہ اٹھا کہ اب مالدار اپنے مال پر قبضہ نہ رکھ سکیں گے جہاں جہاں مفلس عیسائی جمع ہوا کرتے وہاں پہنچتا اور وہیں ایسے تنگ دست عیسائیوں کو بھی بلا لاتا جو سڑک کے کنارے دیواروں کے سایہ میں خستہ حال پڑے سوتے ہوتے اور پھر سب سے کہتا۔ "گھبراؤ نہیں جتنے غلام ہیں سب آزاد ہونے والے ہیں انصاف کا دن قریب آگیا ہے۔" ایک دن کہنے لگا:

"خدا کی بادشاہت میں جس وقت غلام اچھی اچھی شرابیں اور شریں میوے کھاتے ہوں گے اس وقت مالدار ان کے قدموں کے نیچے پڑے کتوں کی طرح ان غلاموں کا منہ تکیں گے کہ کوئی ٹکڑا ان کے ہاتھ سے گرے اور وہ اسے نگل جائیں۔"

ایسی باتیں بھلا کب چھپی رہتیں۔ سارے شہر میں ان کی شہرت ہو گئی اور آقاؤں کو ڈر ہوا کہ کہیں ان کے غلام ایسی باتیں سن کر ان سے باغی نہ ہو جائیں۔ احمس کا آقا بھی دل میں اس کا دشمن تھا۔ مگر کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتا تھا۔

ایک دن ایک چاندی کا تمغ دان جو دیوتاؤں کی پوجا کے وقت کام میں آتا تھا سرائے سے چوری کیا اس بنا پر کہ احمس اپنے آقا کا بدخواہ ہے اور سلطنت کے دیوتاؤں سے بھی نفرت رکھتا ہے اس پر چوری کا الزام لگایا گیا۔ اس الزام کا مطلق کوئی ثبوت نہ تھا۔ احمس نے بھی اس حرکت سے قطعی انکار کیا مگر کسی نے نہ سنا اور اسے پکڑ کر عدالت میں لے گئے۔ چونکہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ وہ ایک ذلیل غلام ہے حاکم نے بھی ایسا ہی سمجھ کر اس کو سزائے موت کا حکم سنا دیا اور کہا:

"تمہارے ہاتھ جن سے تم نے اچھے کام نہیں کئے صلیب پر رکھ کر ان میں لوہے کی میخیں ٹھونکی جائیں گی۔"

احمس نے اس حکم کو بالکل اطمینان سے سنا۔ اور سن کر نہایت ادب سے حاکم کو سلام کیا۔ اس کے بعد سپاہی اس کو قید خانے لے گئے۔ تین دن وہ وہاں رہا۔ اور اس زمانے میں قیدیوں کو انجیل سناتا رہا۔ چنانچہ بعد کو مشہور ہوا کہ احمس کے کلام میں ایسا اثر تھا کہ نہ صرف قیدی بلکہ قید خانے کا داروغہ بھی مسیح مصلوب پر ایمان لے آیا۔

چوتھے دن اس حبشی غلام کو اس چوراہے پر لے گئے جہاں سے وہ دو برس پہلے اپنی پیاری تائیس کو گود میں لئے گزرا تھا۔ جس وقت اس کے ہاتھوں میں لوہے کی میخیں ٹھونکی گئیں تو اس کے منہ سے اف تک نہ نکلی۔ البتہ بعد کو کئی مرتبہ اتنا ضرور کہا "میں پیاسا ہوں۔"

یہ سزا تین دن اور تین رات تک جاری رہی۔ یہ باور کرنا کہ اتنی مدت تک ایسی سخت اذیت کو انسان کیونکر برداشت کر سکتا ہے ناممکن ہے۔ کئی مرتبہ لوگ سمجھے کہ وہ ختم ہو گیا۔ مکھیوں نے آنکھوں کو خون کی بوٹیاں بنا دیا تھا۔ مگر پھر بھی بعض وقت یہ خون آلودہ آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ چوتھے دن صبح کے وقت وہ مسکرایا اور کہنے لگا:

"دیکھو یہ آئے خدا کے فرشتے۔ یہ میرے لئے شراب اور میوے لائے ہیں۔ ان کے پروں کی ہوا کیسی روح پرور ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ جان بحق ہوا۔

امس کے مردہ چہرے پر ایک روحانی مسرت پائی جاتی تھی۔ سپاہی جو صلیب کے گرد پہرہ دے رہے تھے اس کی تعریفیں کرتے تھے پادری دیوانتوس چند عیسائیوں کو ساتھ لئے لاش مانگنے آیا۔ اور لاش لے کر یوحنا شہید کی قبر کے پاس اس کو دفن کر دیا۔ اور اس نیک غلام کو امس کے نام سے نہیں بلکہ یسدور نوبی شہید کے لقب سے کلیسا نے نہایت احترام کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھا۔

اس واقعہ کے تین برس بعد جب شہنشاہ قسطنطین نے اپنے حریف مقابل مازن تیوس کو شکست دی۔ تو تمام عیسائیوں سے کہا گیا کہ سلطنت قیصری میں ان کی جان و مال کو بالکل حفاظت و سلامتی میسر رہے گی۔ اس وقت سے عیسائیوں پر بت پرستوں کے ظلم بند ہوئے۔ اس کے بعد ان پر اگر کوئی سختی ہوئی بھی تو وہ اپنے ہی مذہب کے اہل بدعت کی طرف سے ہوئی۔

جس وقت امس لذت کے ساتھ صلیب پر ہلاک ہوا تھا اس وقت تائیس کا سن گیارہ برس کا تھا۔ اس کی روحانی تعلیم ابھی تک اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی نہ تھی کہ امس نے جس طرح اپنی زندگی بسر کی یا جس طریقے سے اس کی موت کا واقعہ پیش آیا ان دونوں باتوں نے اب امس کو ایک مبارک ہستی بنا دیا۔ بلکہ تائیس کی چھوٹی سی سمجھ میں یہ بات آئی کہ دنیا میں نیک رہنے کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ چونکہ اس کا نازک جسم تکلیف نہ اٹھا سکتا تھا اس لئے وہ نیکی سے ڈرنے لگی۔

تائیس ابھی پوری جوانی کو بھی نہ پہنچی تھی کہ بندرگاہ کے بہت سے جوان لڑکے اس کے عاشق بن بیٹھے۔ اچھی عمر والے جو شام کے وقت شہر کے باہر چکر لگایا کرتے تھے۔ تائیس ان کے پیچھے پیچھے جانے لگی۔ جتنا روپیہ ان سے ملتا اس سے کپڑے اور زیور خریدا کرتی۔

تائیس اپنی کمائی گھر لے جا کر ماں کو نہ دیتی تھی۔ اس لئے ماں اس کو خوب مارتی پیٹتی تھی۔ اس مار پیٹ سے بچنے کے لئے وہ ننگے پاؤں بھاگ کر شہر کی فصیل پر پہنچتی اور وہاں کسی ٹوٹی دیوار کی آڑ میں چپکی ہو بیٹھتی۔ یہاں پتھروں کی جھریوں میں چھپکلیوں کو دیکھ کر ڈرا بھی کرتی۔ اس حال میں بیٹھے بیٹھے وہ ان امیر زادیوں کو رشک کی نظر سے دیکھتی جو اچھے اچھے کپڑے پہنے ڈولوں پر سوار ادھر سے گزرا کرتیں۔ اور ایک غول نوکروں اور غلاموں کا ان کے ساتھ ہوتا۔

ایک دن جب ماں نے بہت ہی مارا تو وہ گھر سے نکل کر شہر کے دروازے پر ایک پتھر

جا بیٹھی، اتنے میں ایک بڑھیا چلتے چلتے اس کے سامنے آ کر رکی اور کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی:

"واہ کیا پھول سی صورت ہے۔ کس غضب کا روپ ہے۔ بڑے نصیبے والا ہو گا وہ باپ جس کی تو بیٹی ہے اور بڑی بھاگوان ہو گی وہ ماں جو تجھے اس دنیا میں لائی۔"

نائیس نیچی نظریں کئے چپ بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی تھیں۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ "پیاری لڑکی جس ماں نے ایسی دیوی کو گودوں پالا ہو گا کیا وہ خوش نصیب نہ ہو گی۔ کیا تیرے باپ کا دل تجھے دیکھ کر باغ باغ نہ ہوا ہو گا۔"

نائیس نے نظر تک اونچی نہ کی اور جس طرح کوئی خود باتیں کرتا ہو کہا۔ "باپ شرابی ہے اور ماں بخیل۔"

بڑھیا نے اس خیال سے کہ کوئی دیکھتا نہ ہو پہلے دائیں بائیں نظر ڈالی۔ پھر بہت ہی اخلاص سے کہنے لگی۔

"پیاری نرگس! میرے ساتھ چل۔ پھر ناچنے اور خوش رہنے کے سوا دوسرا کام نہ ہو گا۔ میں تجھے شہد کھلایا کروں گی۔ اور میرا بیٹا تو تجھے اپنی آنکھوں پر بٹھائے گا۔ وہ بڑا ہی خوبصورت اور نازک اندام ہے۔ جوانی ابھی شروع ہی ہوئی ہے۔"

نائیس نے جواب دیا۔ "اچھا چلو"۔ یہ کہہ کر اٹھی اور بڑھیا کے ساتھ شہر سے باہر نکل گئی۔

یہ بڑھیا جس کا نام میرو تھا ایک قحبہ تھی۔ غریب آدمیوں کے لڑکے یا لڑکیاں کہیں مل جاتے تو انہیں بہلا پھسلا کر اپنے گھر لے جاتی۔ اور ناچنا گانا سکھا کر انہیں امیروں کے جلسوں میں کرایہ پر چلاتی۔

یہ سمجھ کر کہ یہ لڑکی تھوڑے ہی دنوں میں بلا کا روپ نکالے گی۔ اس پر بڑی محنت کی اور سخت ظلم نے کوڑے مار مار کر اس کو گانا بجانا سکھایا اور ناچنے میں اگر کہیں تل سر سے پاؤں باہر پڑتا تو چمڑے کے تسموں سے خبر لیتی۔ میرو کا لڑکا ایک بڑا ہی کریہہ صورت ملوہ رو جوان تھا۔ اس کا برتاؤ نائیس کے ساتھ بہت برا تھا۔ عورتوں سے اسے نفرت تھی اور اس نفرت کے ظاہر کرنے کے لئے نائیس کو تختہ مشق بنا رکھا تھا۔ ناچنے والیوں کو اپنا ہم پیشہ سمجھ کر ان ہی کے ناز و انداز خود بھی اختیار کر لئے تھے۔ گو کہ تماشوں میں جن میں کل

مضمون اشاروں سے لوا کیا جاتا ہے وہ بڑا ہی مشتاق تھا۔ یہ فن بالخصوص عشق و محبت کی باتیں اشاروں میں کرنی اس نے تائیس کو خوب سکھا دیں۔ اور اسے نوآموز سمجھ کر ایسی ایسی باتیں بگھارتا کہ معلوم ہو اس فن میں اس کے برابر کوئی استاد نہیں۔ تائیس کی خوبصورتی سے وہ بہت جلتا تھا۔ اور یہ سوچ کر کہ اس آفت روزگار نے مردوں ہی میں اپنا جوبن لٹوانے کو دنیا میں قدم رکھا ہے کبھی اس کے گال نوچ لیتا' کبھی چٹکیاں لیتا' اور کبھی شریر لڑکیوں کی طرح پیچھے سے آکر سوئی چبھو دیتا۔ بہرکیف ناچنے گانے اور نقالی میں جس قدر سبق ملے انہوں نے کچھ دنوں میں تائیس کو ایک بے مثل رقاصہ و نقالہ بنا دیا۔ تائیس کو استاد کی سختیوں پر کچھ تعجب نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ تکلیف کو اس نے اپنی قسمت کا لکھا پہلے ہی سے سمجھ رکھا تھا۔ بڑھیا نائیکہ کی وہ کسی قدر عزت بھی کرتی تھی۔ کیونکہ وہ گانے بجانے میں فی الواقع سب کی استاد تھی اور یونان کی بنی ہوئی شراب بھی خوب پیا کرتی تھی۔ اب زمانہ وہ آیا کہ یہ بڑھیا اپنی لونڈیوں کو لے کر انطاکیہ کے شہر میں پہنچی۔ یہاں امیروں رئیسوں میں دن رات جلسے رہتے تھے۔ بڑھیا خوب روپیہ وصول کرکے اپنی ناچنے اور بانسریاں بجانے والیوں کو ان جلسوں میں بھیجتی۔ تائیس یہاں خوب ناچتی اور ہر وقت خوش رہتی۔ بڑے بڑے بدتمیز صاحبزادے دعوتیں کھا کر اس کو اپنے ساتھ دریا کے کنارے باغوں میں لے جاتے۔ تائیس سچی محبت کی قیمت نہ جانتی تھی۔ اس لئے سب کے لئے ہر وقت حاضر تھی۔ ایک رات کسی محفل میں بڑے بڑے رنگیلے جوانوں کے سامنے ناچ کر بیٹھی ہی تھی کہ حاکم شہر کا لڑکا جوانی و عیش پرستی میں مست اس کے قریب آیا اور ایسے لہجے میں جو ہر ادا میں بوسوں کا طلبگار معلوم ہو کہنے لگا:

"تائیس۔ پیاری تائیس۔ کیا میں تیرے سر کا تاج نہیں ہوں جو اس وقت تیری پیشانی کی زینت ہے' کیا میں وہ لباس نہیں ہوں جو تیرے تن نازنین پر چست ہے' کیا میں تیرے پائے نازک کی جوتی نہیں ہوں' پیاری تو مجھے اس طرح پہن ڈال جیسے تیرے پاؤں پاپوش کو پہنتے ہیں۔ جی یہ چاہتا ہے کہ میرا بوس و کنار تیرے جسم کا لباس اور سر کا تاج ہو۔"

جس وقت یہ نوجوان جس کا نام لالوس تھا یہ باتیں کہہ رہا تھا تائیس اس کا منہ تک رہی تھی۔ اور دل میں کہتی تھی کہ وہ کیسا خوبصورت چھیلا جوان ہے۔ دفعتہً اس کو اپنی پیشانی پر پسینہ آتا معلوم ہوا۔ چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ ابھی تو لڑکھڑاتی ہوئی۔ آنکھوں کے سامنے ایک غبار سا آگیا۔ لیکن لالوس کے ساتھ اس کے گھر جانے سے انکار کرتی رہی۔

یہاں تک کہ جب اس نے تائیس کا بازو پکڑ کر زبردستی اٹھانا چاہا تو اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس پر لالوس منت و سماجت کرتے کرتے رونے لگا۔ لیکن معلوم نہیں کہ اس وقت تائیس پر کون سی نئی اور انجانی قوت اپنا عمل کر رہی تھی کہ اس نے لالوس کی ایک کوشش کو بھی نہ چلنے دیا۔

یہ حالت دیکھ کر جلسے کے یار بول اٹھے۔ "واہ ذرا اس حماقت کو تو ملاحظہ کیجئے۔ لالوس خاندان کا شریف' صورت کا اچھا' گھر کا امیر۔ پھر بھی ایک بانسری بجانے والی ناک بھوں چڑھا رہی ہے اور اس کے ساتھ نہیں جاتی۔"

لالوس اکیلا ہی اپنے گھر آیا۔ ساری رات تائیس کے عشق میں تڑپ تڑپ کر کاٹی۔ صبح اٹھا تو چہرہ زرد تھا' آنکھیں سرخ تھیں۔ اسی حال سے تائیس کے دروازے پر پھولوں کے کنٹھے لٹکانے گیا۔ لیکن تائیس پر کچھ ایسا خوف طاری تھا اور وہ کچھ ایسی بے چین تھی کہ اس نے لالوس سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ تائیس کی حالت تکلیف کی تھی مگر ابھی تک یہ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ شکایت کیا ہے جس کی یہ تکلیف ہے۔ اپنے دل سے پوچھتی تھی کہ "آخر مجھے ہوا کیا ہے کہ میں اس قدر بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہوں۔ یوں اس قدر افسردگی مجھ پر چھائی جاتی ہے۔" گھر میں حسب معمول عاشقوں کی بھیڑ تھی۔ مگر یہ کسی سے بھی نہ ملی۔ اور ان سب لوگوں سے اس کو ایک قسم کی کراہت اور ایک طرح کا خوف معلوم ہونے لگا۔ تاریک خواب گاہ سے نکل کر روشنی میں آنے کو بھی جی نہ چاہا۔ دن بھر بچھونے پر پڑی تکیوں میں منہ چھپائے ہچکیاں لے لے کر روتی رہی۔ لالوس نے کسی ترکیب سے اس کے خواب گاہ کا دروازہ کھول لیا تھا۔ بار بار اس کے پاس آتا' منتیں کرتا' کبھی اس کی ہٹ پر برا بھلا کہتا۔ مگر تائیس اس سے ایسی جھجکتی جیسے کوئی کنواری لڑکی غیر مرد سے جھجکے اور بار بار یہی کہتی۔ نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

جب دو ہفتے اس طرح گزرے تو تائیس کو معلوم ہوا کہ وہ تو لالوس کو اپنا دل کبھی کا دے چکی ہے۔ اب وہ بے تکلف اس کے گھر چلی گئی۔ اور پھر اس سے جدا نہ ہوئی۔ زندگی کے دن لطف سے کٹنے لگے۔ سارا سارا دن ایک دوسرے کا منہ تکنے اور بچوں کی طرح باتیں کرنے میں گزر جاتا۔ شام کو دریا کے کنارے جہاں کوئی نہ ہوتا ٹہلنے نکل جاتے۔ یا کسی پھولوں پٹے جنگل میں رستہ بھول جایا کرتے۔ کبھی صبح بہت سویرے اٹھ کر پہاڑ کے دامن پر نرگس کے پھول چنا کرتے۔ ایک ہی پیالے سے دونوں شراب پیتے اور کبھی تائیس انگور کا

ایک دانہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھتی تو لالوس جھٹ لب سے لب ملا کر انگور اس کے منہ سے چھین لیتا۔

اس عیش و آرام میں ایک دن بڑھیا نائکہ بڑی آگ بگولا بنی لالوس کے گھر آئی اور کہا۔ "بس اب تائیس کو میرے حوالے کیجئے جس لڑکی کو آپ نے چھین رکھا ہے وہ تو میری جائی ہے' میرا گوشت پوست ہے' میرے باغ کا پھول ہے۔"

لالوس نے بہت سی اشرفیاں دے کر بڑھیا کو رخصت کیا۔ لیکن تھوڑے دن بعد پھر آن موجود ہوئی کہ کچھ اور وصول کرے۔ لالوس کو بہت غصہ آیا اور اس نے فوراً اسے گرفتار کروا دیا۔ عامل شہر کو جس کے سامنے اس کا مقدمہ گیا معلوم ہوا کہ ایک ہی جرم میں نہیں بلکہ بہت سے جرموں میں وہ ماخوذ ہو سکتی ہے' غرض اس نے اس میوہ کے لئے سزائے موت تجویز کی۔ اور وہ درندوں کے سامنے ڈال دی گئی جنہوں نے اس کو فوراً پھاڑ کھایا۔

آج کل تائیس جوش تخیل عشق اور احساس معصومیت کے ساتھ جس پر خود حیرت کرتی تھی لالوس پر دل و جان سے فدا ہو رہی تھی۔ ایک دن بہت ہی پیار سے کہنے لگی:

"لالوس میں تو تمہاری ہمیشہ ہی سے تھی۔"

لالوس نے جواب دیا۔ "عورتوں میں تم جیسا دنیا میں دوسرا نہیں۔"

عشق کا یہ جادو چھ مہینے تک چلتا رہا۔ پھر یک لخت وہ کافور ہو گیا۔ تائیس کو دفعتاً محسوس ہوا کہ دنیا میں کوئی بھی اس کا ساتھی نہیں۔ دل پر نظر کی تو عشق و محبت سے اسے بالکل خالی پایا۔ اب وہ لالوس کو پہچانتی بھی نہ تھی کہ یہ کون ہے۔ مگر یہ بھی سوچتی تھی کہ:

"میرے دل میں اس کی صورت اتنی جلد کیوں بدل گئی۔ اب مجھ کو اس میں اور' اور لوگوں میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔ کیا بات ہوئی ہے جو مجھے وہ اپنی پہلی صورت شکل میں نظر نہیں آتا۔"

تائیس لالوس کے گھر سے چلی گئی۔ مگر اتنا ارمان ضرور دل میں لئے گئی کہ جب اس عاشق کے ساتھ مجھے وہ پہلا سا عشق نہیں رہا تو ممکن ہے کہ آئندہ کسی شخص کے ساتھ مجھے ویسا ہی عشق پھر ہو جائے۔ ممکن ہے جس سے پہلے کبھی عشق نہ ہوا ہو اس کے ساتھ زندگی اتنی بے لطف نہ کٹے جتنی ایسے شخص کے ساتھ جس کے عشق سے دل خالی ہو چکا ہے۔

اب تائیس بڑے بڑے مالدار عیاشوں کے ساتھ بت پرستوں کے مذہبی جلسوں میں جانے لگی۔ یہاں بت خانوں میں عورتیں ننگی ناچا کرتی تھیں۔ اور رنڈیوں کے غول دریا

تیر کر پار جایا کرتے تھے۔ انطاکیہ کے تئیس گمر بدکار شہر میں جس قدر کھیل تماشے ہوا کرتے تائیس ان میں شریک ہوتی۔ خاص کر ایسے تماشا گھروں میں ضرور جایا کرتی جہاں بہت دور دور کے نقل اشاروں میں نقل اتارنے والے حسن پرست تماشائیوں کو اپنے جوہر دکھا کر تعریفیں سنا کرتے تھے۔

بڑی بڑی مشہور ناچنے گانے والیاں یا ایسی عورتیں جو گونگے تماشوں میں اپنا کمال دکھانے شہر میں آتیں ان کو بہت غور سے دیکھتی۔ بالخصوص اسی تماشے والیوں کی حرکات و سکنات پر بہت ہی توجہ کرتی جو آدم زاد نوجوانوں پر عاشق ہونے والی دیویوں کا سوانگ بھرتی تھیں یا ان حسین عورتوں کی نقل اتارتی تھیں جن پر آسمان کے دیوتا بھی عاشق ہوئے تھے۔
جب ان کے سب گر معلوم ہو گئے کہ کیونکر وہ اپنی اداؤں سے تماشائیوں کو محو حیرت کرتی ہیں۔ تو تائیس دل میں کہنے لگی کہ جب میرا حسن ان سے بڑھ کر ہے تو پھر کیا وجہ کہ ان کے فن میں ان سے بہتر کمال نہ دکھا سکوں۔ صرف مشق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ گونگے تماشے والوں کے افسر کے پاس گئی اور کہا کہ میں آپ کے طائفہ میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔ تائیس کا حسن اور بڑھیا میروتے جو جو فن سکھائے تھے وہ سب اس موقعہ پر سفارشی ہوئے اور افسر طائفہ نے اس کو اپنے طائفہ میں شامل کر لیا۔ اب تائیس نے ان کے فن میں مہارت شروع کی اور ایک رات تھیبس کی ملکہ درکی کی نقل اتاری کہ سوتیلے بیٹوں نے کس طرح ایک جنگلی بیل سے اس خوبصورت ملکہ کو باندھ کر اس بیل کو اتنا دوڑایا کہ وہ گھسٹتے گھسٹتے مر گئی۔

چونکہ ابھی پوری مشق نہ تھی تماشائیوں میں ایسا جوش پیدا نہ ہوا کہ بات بات پر واہ واہ ہوتی۔ اس لئے کامیابی اوسط درجے کی رہی۔ کچھ دنوں تک غیر معروف دیویوں اور عورتوں کے سانگ بھرتی رہی۔ لیکن پھر تو یک لخت اس کا حسن اسٹیج پر ایسا پھٹ پڑا کہ تمام شہر میں ایک غل مچ گیا۔ شہر کی تمام خلقت دیکھنے کو امنڈ آئی۔ عمال شاہی اور بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں نے اس قدر عمدہ رائے قائم کی کہ مجبور ہو کر روز تماشے میں حاضر ہونے لگے۔ گھروں کے مفلس نوکروں چاکروں غریب پیشہ ور مزدوروں بلکہ خاکروبوں تک کا یہ حال ہوا کہ پیٹ کے لئے روٹی اور پیاز کی گٹھی تک مول لینی چھوڑ دی کہ کہیں تماشے کے لئے دام نہ تھڑ جائیں۔ شاعروں نے قصیدے لکھنے شروع کر دیئے اور ہر شخص کے غور کرنے کے لئے تائیس ایک مضمون بن گئی۔ مدرسوں کے پاس سے جب اس کی سواری نکلتی تو

بڑے بڑے دراز ریش فلسفی اس پر معترضانہ بحث شروع کر دیتے۔ پادری اور قسیس منہ پھیر لیتے۔ مگر اس کے دروازے کو دیکھئے تو اس پر منوں پھولوں کے ہار اور کنٹھے لٹکے ہوتے۔ اور دہلیز پر خون کی بوندوں کی الشاں ہوتی۔ عشاق سے دولت سمیٹنے کی اب کوئی انتہا نہ تھی۔ بزرگوں کی کمائی عمر بھر کی محنت اور جز رسی کے اندوختے پانی کی طرح تائیس کے قدموں میں بہنے لگے۔ اس وقت تائیس کا رواں رواں خوش تھا۔ لوگوں کی تعریفوں اور دیوتاؤں کے لطف و کرم سے سیر ہو کر کبر و پندار کے مزے لوٹنے لگی۔ اور یہ دیکھتے دیکھتے کہ اغیار اس کے عشق میں جان دے ڈالتے ہیں خود بھی اپنے اوپر جان دینے لگی۔

کچھ عرصے انطاکیہ کے شہوالوں کی قدر شناسی اور عشق و محبت کے لطف اٹھا کر اب جی میں آیا۔ کہ اسکندریہ چل کر اپنے جلوے دکھایئے۔ یہ شہر وہ تھا جس کی خاک اڑتی سڑکوں پر بچپن میں بھوکی پیاسی لاغر و ناتواں پھرا کرتی تھی۔ نہ شرم رہی تھی نہ حیا۔ بہرکیف اسکندریہ پہنچی۔ اس مشہور اور مالدار شہر نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا اور اپنی دولت اس پر برسانی شروع کی۔ ہر تماشے میں اس کا جلوہ حسن و عشق کا ایک کرشمہ ہوتا تھا۔ گھر کے دروازے پر عاشقوں اور تعریف کرنے والوں کی گنتی نہ تھی۔ سب سے بے رخی سے ملتی اور اب یہ ارمان بھی دل سے نکل چکا تھا کہ کسی عاشق میں لالوس پھر مل جائے گا۔

عاشقوں کا تانتا بندھا رہتا تھا کہ ایک دن نیکیاس فلسفی بھی عشق کا دم بھرتا ہوا اس کے دربار میں حاضر ہوا۔ ظاہر یہی کرتا تھا کہ کسی اور بات کی ہوس نہیں ہے۔ یہ شخص بڑا دولتمند تھا اور باوجود صاحب علم و فضل با حسین خیالات کا جادو تائیس پر ایک نہ چلا۔ تائیس کو اس سے عشق نہ ہوا۔ بلکہ بعض وقت اس کی طنز آمیز گفتگو سے گھبرانے لگی۔ اس کے فلسفیانہ شکوک سنتے سنتے دل مجروح ہوا۔ نیکیاس کو کسی بات کا اعتقاد نہ تھا۔ تائیس کو ہر بات کا اعتقاد تھا۔ اس کو خدا کی کارسازی شیاطین کی قوت قسمت و تقدیر، جادو و سحر، خدا کے عدل و انصاف، ان سب چیزوں کا یقین تھا۔ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وینس دیوی کی بھی معتقد تھی جو دنیا میں عورتوں کو حسن بخشتی ہے۔ اس کو یقین تھا کہ سحر اور آسیب کی دیوی رات کے وقت مردوں کی روحوں کو ساتھ لئے جب چوراہوں سے گزرتی ہے تو کتے اس پر بھونکتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی مانتی تھی کہ اگر ایک پیالے میں بھیڑ کی خون آلودہ اون ڈال کر اس میں شراب انڈیلی جائے تو عشق کا آزار پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کسی بن دیکھی اور انجانی قوت کو دیکھنے کی پیاسی رہتی۔ اس کا دل ایسی قوتوں

سے فریاد کرتا رہتا جن کا علم تک وہ نہ جانتی تھی۔ امید و انتظار کی ایک حالت اس پر ہمیشہ طاری رہتی۔ مستقبل میں جو کچھ پنہاں تھا اس سے ڈرتی تھی اور اس کو معلوم بھی کرنا چاہتی تھی۔ اس کے گردو پیش لی سیس دیوی کے مجاور کلڈلیا کے ساحر ملکوں ملکوں کے سیانے اور نجومی رہا کرتے تھے یہ سب اس کو ہمیشہ دھوکا دیتے۔ مگر کسی طرح اس کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے۔ موت سے ڈرتی تھی اور ہر جگہ موت اس کو نظر آتی تھی۔ جب عیش و عشرت کے نشے میں چور ہوتی تو دفعتاً معلوم ہوتا کہ کسی نے اس کے برہنہ شانے پر برف سے زیادہ ٹھنڈی انگلی رکھ دی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ چونک پڑتی۔ رنگ زرد پڑ جاتا۔ اور خوف سے چیخنے لگتی۔

نیکیاس ایک دن کہنے لگا۔ "تائیس اگر ہمارا مقدر یہی ہے کہ سفید بال اور پژمردہ چہرے لئے شب ازل کی ظلمت میں غائب ہو جائیں۔ یا اگر آج اک دن جو دھوپ میں چمک رہا ہے ہماری زندگی کا دن ہو تو ہم کو ان باتوں کی پروا کیوں ہو' ہمارا کام تو یہ ہے کہ آؤ زندگی کا حظ اٹھائیں۔ لذت و نشاط کی چند ساعتیں جمود و بے حسی کی ایک عمر دراز کے برابر ہیں۔ جو اس خمسہ کے سوا کوئی قوت ادراک نہیں اور عشق محض ایک ادراک ہے جس چیز کا علم ہم کو نہیں وہ ہیچ ہے اور وہ ہیچ کے لئے کاوشوں میں پڑنا فضول ہے۔"

تائیس نے بہت ہی برہم ہو کر جواب دیا:

"میں ایسے لوگوں سے بیزار ہوں جن کے دل میں نہ خوف ہے نہ امید۔ میں جس چیز کو ڈھونڈھتی ہوں وہ یہ ہے کہ کسی طرح اس زندگی کا بھید مجھ پر کھل جائے۔ اور میں اس پہیلی کو کسی طرح بوجھ لوں۔"

غرض اس ہستی ناپائیدار کی چیستان کو حل کرنے کے شوق میں تائیس نے فلسفے کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ مگر خاک سمجھ میں نہ آئیں اور اب یہ حال رہنے لگا کہ بچپن کا زمانہ جس قدر دور ہوتا جاتا تھا اتنا ہی قریب معلوم ہو کر یاد آنے لگا۔ بھیس بدل کر گلی کوچوں میں پھرنے اور ایسے موقعوں پر جانے کا جہاں مجمع رہتے تھے ہمیشہ سے شوق تھا کیونکہ اس کی پرورش بھی ایک سرائے میں ہوئی تھی جہاں ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ماں باپ کے مرنے کا اسے افسوس تھا لیکن زیادہ قلق اس بات کا تھا کہ کبھی اس کو ان سے محبت نہ ہوئی۔ اگر رستے میں کہیں پادریوں کو دیکھ لیتی تو اپنا اصطباغ پانا یاد آ جاتا۔ اور دل بے چین سا ہو جاتا۔ ایک رات سر کے بالوں کو ایک سیاہ رومال میں چھپا کر اور

ایک بہت بیچی قبا پہن کر حسب معمول شہر کے باہر سیر کو نکلی کہ اتفاق سے ایک گرجا کے سامنے سے گزر ہوا۔ وہیں کھڑی ہو گئی۔ گرجا بہت کم حیثیت کا تھا اور یوحنا معمد کے نام سے مشہور تھا۔ اندر سے گانے کی آواز آئی اور دروازے کی جھریوں سے معلوم ہوا کہ اندر تیز روشنی ہو رہی ہے یہ اب کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ بیس برس سے یعنی جب سے شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیوں کو اپنی پناہ میں لیا تھا وہ اپنی تمام مذہبی رسوم بے روک ٹوک کیا کرتے تھے۔

گانے کی آواز کچھ ایسی تھی کہ دل میں اتری جاتی تھی۔ بند دروازے کا ایک کواڑ آہستہ سے کھول اندر گئی اور اسرار مسیحی کی رسم جو اس وقت ادا کی جاتی تھی اس میں بطور ایک مہمان کے شریک ہو گئی۔ دیکھا تو بہت سی عورتیں' بچے' بڈھے قبر کے سامنے زمین پر گھٹنے ٹیکے دعا میں مصروف ہیں۔ قبر کا تعویذ ایک سنگین حوض ہے جس سے اصطباغ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس کے پتھروں پر کہیں کہیں انگور کی بیلیں اور خوشے بھدے طور پر کندہ ہیں۔ لیکن آج کھجور کے ہرے ہرے پتوں اور سرخ گلاب کے پھولوں سے قبر خوب آراستہ ہے۔ جابجا کثرت سے موم بتیاں روشن ہیں۔ لوبان جلایا جاتا ہے جس سے سفید دھوئیں کے مرغولے اس طرح اٹھ رہے ہیں جیسے فرشتوں کا لباس ہوا میں اڑتا ہو۔ دیواروں پر عرش کی وہ صورتیں نقش ہیں جو دین مسیحی کے بزرگوں کو عالم رویا میں کبھی نظر آئیں تھیں۔ پادری سفید لباس پہنے قبر کے سامنے منہ کے بل پڑے ہیں اور جس حقانی گیت کو مل کر گا رہے ہیں ان میں وہ راحتیں بیان ہوئی ہیں جو نیک بندے خدا کی راہ میں ایذائیں اٹھانے سے محسوس کرتے ہیں۔ اس نغمے میں شادی و غم فتح و ہزیمت کو ایسا شیروشکر کر دیا تھا کہ تائیس سنتی تھی اور اسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے حواس سوتے سوتے چونک پڑے ہیں اور ان میں زندگی کی لذتیں اور موت کی تکلیفیں دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے دوڑ رہی ہیں۔

گانا بند کرتے ہی سب لوگ اٹھے تاکہ ایک ایک آگے بڑھ کر قبر کو بوسہ دے۔ یہ سب لوگ سیدھے سادے غریب پیشہ ور تھے۔ صورتیں دل کی صفائی پر گواہ تھیں۔ نیچی نظریں کئے' چہرے غمگین' لب سے لب جڑے۔ بھاری چال سے ایک ایک آگے بڑھا اور قبر کے پاس گھٹنے زمین پر ٹیک کر قبر کو بوسہ دیا۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو گود میں اٹھا لیا اور ان کو جھکا کر قبر کے پتھر سے ان کے رخساروں کو مس کیا۔ تائیس یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ حیرت میں تھی اور دل بے چین تھا۔ آخر نہ رہا گیا ایک پادری سے پوچھنے لگی کہ یہ کیا

تقریب ہے؟

پادری بولا۔ "عورت کیا تو نہیں جانتی کہ آج ہم شہید لیسدور لوبی کی مبارک یاد میں عید منا رہے ہیں۔ یہ خدا کا بڑا نیک بندہ تھا جس نے شہنشاہ دیوک لیشن کے دور حکومت میں عیسائی مذہب کے لئے اپنی جان قربان کی تھی۔ اس کی زندگی بے داغ تھی اور دین کی شہادت دیتا ہوا مصلوب ہوا تھا۔ یہ وجہ ہے کہ آج ہم سفید لباس پہن کر سرخ رنگ کے گلاب اس کے مزار پر چڑھاتے ہیں۔"

اتنا سنتے ہی تائیس نے زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور سر پکڑ کر زاروقطار رونے لگی۔ امس کی بھولی بسری صورت کچھ کچھ یاد آنے لگی۔ اور اس دھندلے سے نقش کو جو دل گداز اور پردرد تھا چراغوں کی روشنی' لوبان کے دھوئیں' پھولوں کی مہک' زائرین کی سادگی اور عقیدت نے اور بھی جبرک کر دیا۔ تائیس دل میں کہنے لگی:

"امس اس وقت خوش اعمال اور پاک نفس تھا اور اس وقت برگزیدہ و حسین ہے۔ اس کا مرتبہ اب انسان سے بالاتر ہے۔ آخر کوئی بتائے کہ وہ بن بوجھی اور انجانی چیز کیا ہے جو دولت اور لذت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔"

تائیس آہستہ سے کھڑی ہوئی اور اس شہید کے مزار کی طرف جو کبھی زندگی میں اس کی نرگسی آنکھوں کا شیدا تھا اور جن میں اس وقت آنسوؤں کے قطرے شمع کی روشنی میں جھلک رہے تھے رخ کر کے سر نیچا کئے عاجزی و انکسار کے ساتھ چپکے چپکے آگے بڑھی اور آخری کام جو کیا وہ یہ تھا کہ ان لبوں سے جن پر نفس کی خواہشیں مچلی رہتی تھیں امس غلام کی قبر کو بوسہ دیا۔

گھر واپس آئی تو دیکھا نیکیاس اس کے انتظار میں ہے۔ سر کے بال معطر ہیں' گریبان کھلا ہے اور علم اخلاق پر ایک کتاب مطالعہ میں ہے۔ تائیس کو دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر اٹھا اور ہنس کر کہنے لگا:

"تم بھی آفت ہی نکلیں۔ کیا گھر آنے کی قسم کھائی تھی میں خالی بیٹھا کیا کرتا۔ سب سے بڑے رواقی حکیم کا ایک قلمی نسخہ پڑھنے میں مصروف ہوا۔ جانتی ہو اس میں کیا پڑھا' نیکیوں کا بیان اور غرور حسن کے مسائل۔ بلکہ یوں سمجھو کہ کتاب کے ہر صفحے پر تم جیسی ہزار صورتیں نظر آنے لگیں۔ ایک انگشت سے زیادہ ان کا قدوقامت نہ تھا۔ لیکن ہر ایک کا حسن بلا کا تھا اور سب کا حسن مل کر تمہارا حسن واحد بن جاتا تھا۔ ان میں کوئی صورت

ارغوانی لباس پہنے تھی- بہت سی بادلوں کے سفید گالوں کی طرح باریک ہوا سے کپڑے پہنے فضا میں اڑ رہی تھیں- بہت سی بے حس و حرکت بربنگی میں خدا کی قدرت کا نمونہ بنی کھڑی تھیں- ان کو دیکھ کر بجز ہوا و ہوس کے اور کوئی بہتر خیال دل میں نہ آتا تھا- سب سے آخر میں دو صورتیں ایسی نظر آئیں جو ہاتھ میں ہاتھ دیئے کھڑی تھیں اور اس قدر ہم شکل تھیں کہ ان میں تمیز کرنی مشکل تھی- یہ دونوں مسکرا رہی تھیں- ایک کہتی تھی کہ میں عشق ہوں' دوسری کہتی تھی کہ میں موت ہوں-"

اتنا کہہ کر نیکیاس نے تائیس کو گلے لگا لیا- یہ نہ دیکھا کہ جو آنکھیں اس وقت زمین کی طرف گڑی ہیں ان میں کیا غضب بھرا ہے- مسائل حکمت تو زبان سے ایک پر ایک نکلے چلے آتے تھے مگر اتنا خیال نہ آتا تھا کہ کوئی ان کو سنتا بھی ہے یا نہیں- اسی سلسلہ تقریر میں کہنے لگا:

"جس وقت میں اس عبارت پر پہنچا کہ روح کی تربیت جاری رکھنے میں کسی چیز کو مخل نہ ہونے دو- تو میں نے اس کی جگہ یہ پڑھا کہ تائیس کے بوسے شہد سے زیادہ شیریں اور شعلوں سے زیادہ سوزاں ہیں' تائیس یہ ہماری گرمی محبت کا نتیجہ ہے کہ ایک فلسفی بھی اپنے فن کی کتابوں کو ایسے عجیب معنوں میں پڑھنے لگا- یہ سچ ہے کہ جو کچھ بھی ہم ہوں اپنے ہی خیالات دوسروں کے خیالات میں مطالعہ کرتے ہیں اور کتابوں کو بھی اسی رنگ......"

تائیس اس گفتگو کا ایک حرف بھی نہ سنتی تھی- اس کا دل حبشی غلام کی قبر میں پڑا تھا- جب اس کے منہ سے ایک آہ نکلی تو نیکیاس نے اس کا منہ چوم لیا اور کہا:

"پیاری- کیوں اس قدر افسردہ ہو' دنیا میں سب سے بڑی مسرت یہ ہے کہ انسان دنیا کی تکلیفوں کو بھول جائے- یہی بڑا راز ہستی ہے- آؤ زندگی کو دھوکا دیں- یہ اسی لائق ہے لو- بس عشق و محبت کے نشہ میں چور ہو جائیں-"

تائیس نے نیکیاس کو جھٹک دیا اور رو کر کہنے لگی:

"عشق- نہ تمہیں آج تک کسی سے عشق ہوا اور نہ مجھے تم سے عشق ہے- بلکہ بجائے عشق کے نفرت پیدا ہو چلی ہے- جاؤ میں تم سے بیزار ہوں لعنت ہے اور نفرین ہے ان پر جو خوش رہتے ہیں اور دولت رکھتے ہیں- جاؤ بس جاؤ...... بھلائی نیکی اگر ہے تو مفلسوں اور کم نصیبوں میں ہے- تمہیں کیا معلوم جب میں بچی تھی تو ہمارے گھر میں ایک حبشی غلام تھا- جسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھا دیا- وہ نیک تھا- محبت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری

تھی اس زندگی کا بھید اس کو معلوم تھا۔ تم تو اس قابل بھی نہ تھے کہ اس کے پاؤں دھو کر پیتے۔ جاؤ بس۔ اب میں تم سے کبھی نہ ملوں گی۔"

یہ کہہ کر اپنے خواب گاہ میں آئی۔ اور بچھونے پر منہ کے بل پڑی رات بھر روتی رہی۔ ارادہ کر لیا کہ آئندہ سے ڈیمیٹریس شہید کی طرح سادگی اور افلاس میں زندگی بسر کرے گی۔

دوسرے دن تائیس ان تمثیل تماشوں میں شریک ہو گئی جن کی تاریخیں پہلے سے مقرر ہو چکی تھیں۔ دل میں سوچا کہ یہ خوبصورتی کوئی دن کی مہمان ہے۔ بہتر ہے کہ جس قدر مسرت اور شہرت اس سے حاصل ہو سکے وہ حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ تماشوں میں اب وہ اور بھی تن دہی کے ساتھ اپنا فن دکھانے لگی۔ بڑے بڑے باکمال شاعروں مصوروں اور بت تراشوں کے خیالات کو اپنے حسن سے زندہ کر دکھایا۔ کیا فلسفی اور کیا عالم اس کے طرز ادا اور حرکت میں موزونیت کو دیکھ کر اس خیال میں محو ہو جاتے کہ یہ بھی ایک ملا ہوا سر اسی ساز حقیقی کا ہے جس کی دھن پر یہ کائنات چل رہی ہے۔ اور بے اختیار اس نازنین کو حسنات حکمیہ میں شمار کرنے لگتے۔ اور کہتے کہ علوم ریاضیہ کی بھی وہ استاد معلوم ہوتی ہے۔ جاہل ان پڑھ مفلسوں اور محتاجوں کو بھی کبھی کبھی مفت تماشا دکھاتی اور یہ سب اس کے کمال کو دیکھ کر تعریفیں کرتے اور دعائیں دیتے رخصت ہوتے۔ گو تعریفیں چاروں طرف سے برستی تھیں مگر دل کی افسردگی کم نہ ہوتی تھی' موت کا خیال ہر وقت غالب رہتا۔ کسی چیز سے تسکین نہ ہوتی نہ گھر میں چین تھا نہ گھر کے باغ میں۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسکندریہ کے شہر میں اپنی خوبی و خوشنمائی میں مثال کے طور پر بیان ہوا کرتی تھیں۔

اس خانہ باغ میں ایران اور ہند کے درخت منگوا کر لگائے گئے تھے۔ ایک صاف ستھری نہر ان میں پانی پہنچاتی تھی۔ جگہ جگہ خوبصورت ستونوں کے سلسلے اور مصنوعی پہاڑ بڑے بڑے کاریگروں کے بنائے ہوئے ایک جھیل پر اپنا سایہ ڈالتے جہاں خوشنما سنگین بت پانی میں کھڑے اپنے ہی عکس کو دیکھا کرتے۔ باغ کے بیچوں بیچ مصنوعی چٹانوں میں ایک کھو بنائی تھی اور اس کا نام "جل پریوں والی کھو۔" یا "پری گوشہ" رکھا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ اس کھو کی دہلیز پر موم کی تین جل دیویاں اس انداز سے بنائی تھیں کہ نہانے کے لئے کپڑے اتارتے اتارتے یکایک ڈر گئی ہیں اور گردن پھیر کر پیچھے دیکھتی ہیں۔ موم کی یہ مورتیں بالکل زندہ معلوم ہوتی تھیں' سبزے میں پانی کے چھوٹے چھوٹے تلطون سے روشنی دھیمی

اور رنگین ہو کر اس کھو میں آتی تھی۔ دیواروں پر ہر طرف ملمع اور کتھئے اور تختوں میں دبی ہوئی تصویریں جن میں تائیس کا حسن طرح طرح سے دکھایا گیا تھا لگی تھیں اور سانگ بھرنے کے لئے خوش رنگ چہرے جابجا دیواروں پر نصب تھے۔ مشہور تماشا کرنے والیوں کے مرقعے یا پرانے قصوں میں جو عجیب و غریب جانور بیان ہوئے تھے ان کی تصویریں بھی یہاں موجود تھیں۔ ہاتھی دانت کی ایک خوبصورت نشست پر ایروس کا بت رکھا تھا۔ یہ ایک پرانے وقتوں کی نادر صنعت تھی اور نیکیاس نے بطور تحفے کے دی تھی۔ ایک جگہ مصنوعی پہاڑ کے ایک جوڑے سے موکھے میں سیاہ پتھر کی ایک بکری کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ یشب کی تھیں۔ اور خوب چمکا کرتی تھیں۔ چار چھوٹے چھوٹے سنگ مرمر کے براق سے بچے ماں کے تھنوں کو لپٹے جاتے تھے اور ماں گھبرائی ہوئی کسی طرح پیچھا چھڑا کر چاہتی تھی کہ پہاڑوں میں چوکڑیاں بھرتی پھرے۔ کھو کے اندر رنگین فرش پر رومی قالین اور غالیچے اور حبش کے شیروں کی کھالیں بچھی تھیں۔ کارچوبی کام کے تکیے جابجا کوچوں پر رکھے تھے۔ اگر دان نظر نہ آتے تھے مگر ان کے بخور سے تمام پری گوشہ مہکا رہتا تھا۔ اس کھو کے سب سے اخیر حصہ میں جہاں ہلکی ہلکی سرخ روشنی رہتی تھی ہندوستان کے ایک بہت بڑے کچھوے کی ڈھال رکھی تھی۔ ڈھال کے اوپر کے رخ بہت سی سونے کی موٹی موٹی کیلیں جڑی تھیں۔ جن میں بلا کی چمک تھی۔ یہ ڈھال جب الٹ کر رکھدی جاتی تھی تو وہ سونے کی کیلیں پایوں کا کام دیتیں اور پوری ڈھال نہایت خوبصورت نرم گدوں کی ایک کوچ بن جاتی جس پر تکیے لگائے تائیس آرام کیا کرتی۔ یہاں شام تک یا تو ملنے والوں سے گفتگو رہتی یا اپنے فن کے متعلق کچھ سوچا کرتی۔ یا محض عمر کے گزرنے پر فکر و افسوس میں چپ بیٹھی رہتی۔

آج تماشے سے فارغ ہو کر پری گوشہ میں آرام کرتی تھی۔ آئینہ سامنے تھا۔ صورت دیکھ رہی تھی کہ زوال حسن کی سب سے پہلی علامت نظر آئی۔ ڈر گئی اور اس وقت کا نقشہ ذہن میں جما جبکہ بال سفید ہو جائیں گے اور چہرے پر جھریاں پڑنے لگیں گی۔ گو یہ معلوم تھا کہ ایک منتر پڑھ کر خاص خاص بوٹیوں کی اگر دھونی لی جائے تو حسن پھر تازہ ہو جائے۔ مگر کچھ دل کو یقین نہ آتا تھا۔ اسی حالت میں ایک بے رحم آواز غیب سے یہ کہتی سنائی دی:

"تائیس تو بڑھیا ہو جائے گی۔ بڑھیا ہو جائے گی۔"

خوف سے پیشانی کا پسینہ برف کی طرح سرد ہو گیا۔ پھر آئینہ اٹھا کر صورت دیکھی تو

معلوم ہوا کہ نہیں اس کا حسن تو وہی ہے جو پہلے تھا اور اب تک۔ اس قابل ہے کہ عاشق اس پر جان دیا کریں۔ ہنس کر کہنے لگی کہ اس شہر میں ایک عورت بھی ایسی نہیں جو میرا سا تناسب اعضاء رکھتی ہو۔ میری رفتار میرے ناز و ادا کا مقابلہ کر سکے یا اس کے بازو میرے بازوؤں کی طرح خوبصورت ہوں۔ اے پیارے آئینے یہی گورے گورے بازو عشق کی زنجیریں اور طوق ہیں۔

ایسے ہی خیال دل میں آ رہے تھے کہ دفعتاً ایک عجیب بھیانک صورت کا آدمی سامنے کھڑا نظر آیا۔ جس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ داڑھی پر گرد پڑی تھی۔ ایک زرق برق عبا گلے میں تھی۔ آئینہ پھینک تائیس نے ایک چیخ ماری۔

پفنو نوس بالکل بے حس و حرکت کھڑا رہا اور تائیس کی خوبصورتی دیکھ کر بے اختیار خدا سے التجا کی۔

"خدایا۔ اس عاجز بندے کی دعا قبول فرما۔ اس عورت کا حسن و جمال میری فضیحت کا موجب نہ ہو بلکہ میری فضیلت کا باعث ہو۔"

پھر کسی قدر کوشش کے ساتھ اس نے یہ گفتگو کی:

"تائیس۔ میں ایک بڑے دور و دراز مقام کا رہنے والا ہوں۔ تیرے حسن کی شہرت مجھ کو یہاں تک لائی ہے۔ مشہور ہے کہ تو تماشاگری میں یکتائے روزگار ہے۔ اور ایسی عورت ہے جس کے ہاتھوں سے دل بچنا ممکن نہیں۔ تیری دولت مندی کے حالات اور تیری عشق بازیوں کے چرچے حیرت انگیز افسانے بن گئے ہیں۔ اور مصر قدیم کی اس حسین گمرا‌ہ اعمال نازنین کی یاد دلاتے ہیں جس کی سخاوت اور محبت کی داستانیں دریائے نیل کے ملاحوں کو اب تک ازبر ہیں۔ اس لئے تجھ سے ملاقات کا شوق جنون بن کر میرے سر پر سوار ہوا۔ اور اب معلوم ہوا کہ جو کچھ سنا وہ کم تھا اور جو دیکھا وہ زیادہ ہے۔ تو اپنی شہرت سے ہزار چند زیادہ ہوشمند و حسین ہے۔ تجھے دیکھنے کے بعد دل کہتا ہے کہ ممکن نہیں کہ تیرے قریب آنے میں انسان کے پاؤں ایک رند خراباتی کی طرح نہ لڑکھڑانے لگیں۔"

یہ تعریف ایک طور پر تشنیع سے کم نہ تھی۔ لیکن راہب نے جوش پارسائی میں واقعی خلوص کے ساتھ اسے ادا کیا تھا۔

تائیس ناخوش نہیں ہوئی اور اس عجیب شکل کو دیکھتی رہی جس نے پہلے تو اسے ڈرایا اور پھر اپنی صحرائی صورت اور وحشت زدہ آنکھوں سے جن سے آگ نکلتی معلوم ہوتی تھی

اسے محو حیرت کر دیا۔ چونکہ ایسا عجیب آدمی پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس لئے شوق ہوا کہ اس کے حالات دریافت کرے چنانچہ اسے بہلانے کے لئے نرمی سے کہنے لگی:

"اے اجنبی حضرت۔ میری تعریف میں اتنی عجلت نہ فرمایئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری برق افگن نگاہیں آپ کے خرمن ہستی کو جلا کر خاک کر دیں۔ ذرا ہوش درست کر کے میرے عشق کا دم بھریئے گا۔"

یفنوتوس نے کہا۔ "تائیس مجھ کو تجھ سے الفت ہے۔ اور ایسی الفت ہے جس سے زیادہ مجھے اپنی جان اپنی ذات سے بھی نہیں۔ تیری خاطر میں نے اپنے پیارے صحرا کو چھوڑا۔ تیرے لئے اس زبان پر جس نے چپ رہنے کی قسم کھائی تھی ناپاک الفاظ آنے لگے۔ تیرے لئے وہ چیزیں دیکھیں جن کو نہ دیکھنا چاہئے تھا۔ اور وہ باتیں سنیں جن کا سننا مجھ پر حرام کیا گیا تھا۔ میری روح تیرے لئے بیقرار ہے۔ دل کے بند ٹوٹ کر خیالات ان سے پھوٹ نکلے ہیں اور بہتے چشمے بن گئے ہیں جن سے قمریاں پانی پیتی ہیں۔ تیرے لئے رات اور دن ایسے بیابانوں اور ریگ زاروں میں چلا ہوں جہاں زہریلے حشرات الارض اور درندے رہتے ہیں۔ تیرے لئے یہ برہنہ پاؤں زندہ سانپوں اور بچھوؤں پر پڑ پڑ گئے ہیں۔ بے شک مجھے تجھ سے عشق ہے اور میرا عشق ان لوگوں کا سا نہیں ہے جو نفس کی خواہشوں سے بیتاب ہو کر مست سانڈوں یا درندے بھیڑیوں کی طرح تیرے پاس آتے ہیں۔ ان کا عشق تیرے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا شیر کا آہو کے ساتھ۔ اے عورت سن لے۔ ان کی شہوانی خواہشیں تیری روح کو غارت کئے دیتی ہیں۔ میری الفت تیرے لئے حقیقت ازلی اور روح سرمدی کی بنا پر ہے۔ میرا عشق تیرے ساتھ خدائے ذوالجلال کے واسطہ اور تعلق سے ہے جو ہمیشہ رہے گا اور ہمیشہ میرے دل میں تیرا عشق ایک خیر محض اور جذبہ حقیقی ہے۔ میں جس چیز کا تجھ سے وعدہ کرتا ہوں وہ پھولوں کی مہک میں شراب کی مستی نہیں ہے اور نہ وہ ایک چھوٹی سی رات کا خواب گریز پا ہے۔ میرا وعدہ تجھ سے عقد روحانی اور ضیافت عشق حقیقی کا ہے۔ جو عیش میں تیرے لئے لایا ہوں وہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ اس کا اندازہ کرنا محال اور اس کو بیان کرنا غیر ممکن ہے۔ وہ عشق ایسا ہے کہ اس دنیا کے لذت پرست اگر اس کی پرچھائیں بھی دیکھ لیں تو حیرت سے مر جائیں۔"

تائیس بد عقیدہ بن کر ان باتوں پر ہنس پڑی اور کہنے لگی:

"کرم فرما۔ یہ تو بتایئے کہ جس عشق کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کا اتا پتا کیا ہے۔"

جنس کہاں ملتی ہے ذرا جلد فرمایئے۔ تقریر کو طول دینے سے میرا حسن میلا ہوتا ہے۔ وقت ضائع نہ کیجئے جس عیش و نشاط کی خبر آپ لے کر آئے ہیں میں اس کے معلوم کرنے کی بے حد مشتاق ہوں۔ لیکن اگر آپ صاف صاف کہلواتے ہیں تو سن لیجئے۔ جس عیش و نشاط کا آپ ذکر کرتے ہیں اس سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ آپ کے یہ سب دعوے آپ کے فقروں ہی تک ہیں۔ ایسے عشق کا وعدہ کرنا جو ہمیشہ رہے آسان ہے مگر اس کا ایفا مشکل ہے۔ دنیا میں ہر شخص کوئی نہ کوئی وصف رکھتا ہے۔ آپ کا جو ہر کشف ہے۔ آپ ایسے عشق کی خبر دینے آئے ہیں جس کا آج تک کسی کو پتہ ہی نہ چلا۔ سنئے یہاں تو بازار حسن میں بوسوں کا لین دین اتنی مدت سے جاری ہے کہ کسی قسم کا عشق بھی ایسا نہیں جس کا راز ہم پر نہ کھل چکا ہو۔ یہ باتیں عاشقوں سے پوچھئے۔ آپ جادو ٹونکے کے آدمی ان باتوں کو کیا جانیں۔"

پفنونوس نے جواب دیا:

"تائیس فنی نہ اڑا۔ میں تیرے سامنے وہ عشق پیش کرتا ہوں جس کے بھید سے تو قطعی ناواقف ہے۔"

تائیس۔ مہمان آپ یہاں بہت دیر میں پہنچے۔ وہ کون سا عشق ہے جس سے میں واقف نہ ہو چکی ہوں۔"

پفنونوس۔ "جو عشق میں تجھ تک لایا ہوں۔ اس میں جمال خداوندی شامل ہے اور جن عشقوں سے تو واقف ہے ان کی بنیاد بے شرمی پر رکھی گئی ہے۔"

یہ فقرہ سن کر تائیس نے راہب کو غصہ کی نظر سے دیکھا اور اس کی خوبصورت جبیں پر بل پڑ گیا۔ کہنے لگی:

"واہ جناب۔ آپ کا یہ انداز گفتگو اور وہ بھی ایک میزبان کے ساتھ حقیقت میں عجیب ہے۔ ذرا میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھئے۔ کیا میں آپ کو بے شرم معلوم ہوتی ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اپنی کسی بات پر بھی شرمندہ نہیں ہوں اور نہ وہ عورتیں جو میری طرح رہتی ہیں اپنی کسی بات سے خجل ہیں گو دولت اور حسن میں وہ مجھ سے کم ہیں۔ میں اس زندگی میں قدم قدم پر عیش و نشاط کے بیج بوتی گئی ہوں۔ اس لئے ایک عالم مجھ کو جانتا ہے۔ دنیا میں جو بڑے صاحب قوت مانے جاتے ہیں ان سے میری قوت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو میں نے اپنے قدموں میں پڑا دیکھا ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر میرے پائے نازک کو

دیکھئے۔ ان کی پابوسی کی تمنا میں ہزاروں اپنا خون ہدر کر چکے ہیں۔ میں کوئی بڑی آدمی نہیں ہوں اور نہ دنیا میں کوئی بڑا رتبہ رکھتی ہوں۔ جو لوگ اسراہیم کی سربفلک عمارت سے میری سواری نیچے سڑک پر سے گزرتی دیکھتے ہیں تو میں ان کو ایک رائی کے دانے کے برابر معلوم ہوتی ہوں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے یہی رائی کا دانہ مخلوق خدا میں ایسی ایسی ناامیدیوں' عدلوتوں' جرائم اور آلام کا باعث ہوا ہے کہ ان سے ایک پوری دوزخ بھری جا سکتی ہے۔ بے شرمی! خوب فرمایا۔ میرے جلوس کی شان میں چاروں طرف تو تعریفوں کا مینہ برس رہا ہے اور میں ان حضرت کے سامنے "بے شرمی" پر گفتگو کر رہی ہوں۔ میں بھی نری دیوانی ہوں۔"

پفنوتوس۔ "انسان کی نظر میں جو چیز شاندار ہے وہ خدا کی نظر میں ذلیل ہے۔ اے عورت ہم دونوں کی پرورش ایسے مختلف حالات میں ہوئی ہے کہ ہماری زبان اور ہمارے خیالات ایک سے نہیں ہو سکتے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن خدا شاہد ہے تیرے خیال سے متفق ہو جانا میری دلی تمنا ہے۔ اور جب تک میرا اور تیرا خیال ایک نہ ہو جائے گا۔ میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا۔ کدھر ہے وہ ہاتف غیب جو میرے نطق کو ایسا شرر بار کر دے کہ اس کی تاثیر سے تو موم کی طرح نرم ہو جائے۔ کہاں ہے وہ چارہ ساز جو میری انگلیوں کو ایسی قدرت بخشے کہ وہ اپنی آرزو کے مطابق تیرا ایک نیا پتلا تیار کر دیں۔ کدھر ہے وہ دست خیر جو تجھے۔ اے میری جان' میرے حوالے کر دے اکہ میں اپنے شوق اور آرزو کے مطابق تجھے حیات ثانی بخشوں اور ایک نیا حسن تجھ میں ایسا پیدا کر دوں کہ تو خوشی کے آنسو رو کر کہہ اٹھے کہ "ہاں آج میں نے زندگی پائی ہے" کون ہے جو میرے دل سے سلوم کا پاک چشمہ جاری کرے جس میں تو نہا کر اپنی ابدی پاکیزگی حاصل کرے۔ کہاں ہے وہ جو مجھے اردن کے دریا میں تبدیل کر دے اور اس کا پانی تیرے سر سے گزر کر ہمیشہ کی زندگی تجھے بخشے۔"

تائیس کا غصہ جاتا رہا اور وہ سوچنے لگی۔

یہ آدمی ہمیشہ کی زندگی کا ذکر کرتا ہے اور بات بھی اس طرح کرتا ہے جیسے کوئی طلسم و سحر کی کتاب پڑھتا ہو مجھے تو اب ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ کوئی جادوگر ہے اور اس کے پاس ضرور بڑھاپے اور موت سے بچنے کا کوئی علاج ہو گا۔

تائیس نے ارادہ کر لیا کہ اس جادوگر سے ملوث ہو جانا چاہئے۔ کچھ ڈر کر شرما کر تین

چار قدم پیچھے ہٹی اور پھر جلدی سے اپنی زرنگار مسری کی پٹی پاؤں لٹکا کر ہو بیٹھی۔ سینے کا لباس بڑے انداز سے درست کیا اور بالکل خاموش آنکھیں نیچی کئے انتظار کرنے لگی۔ خوبصورت آنکھوں کی بڑی بڑی پلکوں کا سایہ رخساروں پر پڑتا تھا۔ گورے گورے برہنہ پاؤں زمین سے اونچے تھے۔ چہرے پر شرم تھی اور صورت سے معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھولا بچہ دریا کے کنارے بیٹھا ہو۔

بفنوتوس یہ سب کچھ دیکھا کیا مگر آگے نہ بڑھا۔ گھٹنے تھرتھر کانپنے لگے۔ دماغ میں ایک عجیب کشمکش اور تذبذب پیدا ہوا۔ آنکھوں کے سامنے بادل کی طرح ایک غبار چھا گیا۔ سمجھا کہ مسیح نے اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھ دیا ہے کہ یہ عورت نہ دکھائی دے۔ اس امداد غیبی نے گناہ سے بچنے کے لئے اس کا دل مضبوط کر دیا۔ اور بڑی متانت سے جو صحرا کے ایک راہب کو زیب دے سکتی ہے کہنے لگا:

"کیا تمہارا ایسی بات کے لئے آمادہ ہو جانا خدا کی نظروں سے چھپا رہے گا۔"

تائیس نے سرہلا کر کہا:

"کیا خوب۔ خدا کو کس نے مجبور کیا ہے کہ میرے ہی خلوت کدہ کو ہمیشہ گھورتا رہے؟ اگر کوئی بات اسے ناراض کرتی ہے تو اسے نہ دیکھے۔ ہٹ جائے لیکن ناراض ہی کیوں ہو۔ اگر اس نے ہمیں پیدا کیا ہے تو پھر جیسا بنا دیا اور جس طرح اس کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ہمارے اعمال ہیں ان پر بگڑنے یا حیرت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہت سی باتیں اس کی طرف سے بنا کر کہہ دی جاتی ہیں اور بہت سے خیالات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں گویا خدا سے قرض مانگ لائے ہیں حالانکہ وہ اس کے پاس کبھی تھے ہی نہیں۔ پہلے اس کی حقیقت تو پہچان لو۔ تم کون ہو جو اس کے وکیل بن کر میرے پاس آئے ہو۔"

اس سوال پر بفنوتوس نے جو عبا اوپر پہنے تھا اس کا ایک حصہ ہٹا کر نیچے کا سیاہ کمبل کا کرتا یعنی رہبانیت کا پیرہن اسے دکھایا۔ اور کہا۔ "میں انصینو کا قسیس۔ صحرائے تھیبی کا راہب بفنوتوس ہوں اور بیابان مقدس سے یہاں آیا ہوں۔ جس ہاتھ نے ابراہیم سے کلدیہ اور لوط سے صدوم چھڑوایا تھا اسی نے یہ دنیا مجھ سے چھڑوائی ہے۔ میرا وجود اب انسان کے لئے کالعدم ہے۔ لیکن تیری صورت مجھ کو اپنے ریگستان کے یروشلم میں نظر آئی۔ میں جانتا تھا کہ تو گناہوں میں مبتلا ہے۔ بس اے عورت سمجھ لے کہ میں اس وقت تیری قبر کے کنارے کھڑا ہوں اور کہہ رہا ہوں" تائیس اٹھ۔"

اول تو پفنوتیوس کا نام پھر اس کے ساتھ تیس اور راہب کے الفاظ سنتے ہی تائیس خوف سے زرد پڑ گئی- یوں ہی شانوں پر بالوں بکھرے ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھی اور راہب کے قدموں میں گر کر بڑی عاجزی سے رو رو کر کہنے لگی:

"خدا کے لئے مجھ پر کوئی آفت نہ توڑیئے گا- آپ کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں- میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کیجئے- میں جانتی ہوں کہ صحرا کے خدا پرست لوگ مجھ جیسی عورتوں سے جو مردوں کو خوش کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں سخت نفرت رکھتے ہیں' مجھے ڈر ہے کہ آپ بھی مجھ سے نفرت کر کے مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں- خدا کے لئے آپ یہاں سے جائیں- مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اختیار میں سب کچھ ہے- لیکن آپ نہ تو میرے دشمن بنیں اور نہ مجھے ذلیل و حقیر سمجھیں- میں ان لوگوں سے واقف ہوں جو آپ کی خود اختیار کی ہوئی مفلسی پر ہنستے ہیں لیکن میں آپ کے افلاس پر کبھی نہیں ہنسی- اس لئے آپ بھی میرے متمول ہونے کو کسی طرح کا جرم نہ سمجھیں- میں حسین ہوں اور مشہور تماشاگر ہوں- نہ میری یہ حالت اپنے بس کی بات تھی اور نہ وہ فطرت جس پر میں پیدا کی گئی میرے اختیار کی کوئی چیز تھی- جو کچھ آپ مجھے دیکھتے ہیں میں اسی لئے بنائی گئی تھی- مردوں کے خوش کرنے کے لئے دنیا میں بھیجی گئی- آپ نے بھی تو ابھی ابھی کہا تھا کہ آپ کو مجھ سے عشق ہے- اگر ایسا ہے تو اپنا علم و فضل میرے خلاف عمل میں نہ لایئے- سحر کے ایسے جملے زبان سے نہ نکالئے جن سے میرا حسن غارت ہو جائے- مجھے ڈرایئے دھمکایئے نہیں- میں تو یونہی ڈر کے مارے مری جاتی ہوں- کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ میں جان سے جاتی رہوں- مجھے موت کا بے انتہا خوف رہتا ہے-"

پفنوتیوس نے تائیس کو اٹھنے کا اشارہ کر کے کہا:

"یقین کر لے کہ میرا برتاؤ تیرے ساتھ کبھی نفرت و حقارت کا نہ ہو گا- میں تیرے پاس اس کی طرف سے آیا ہوں جس نے کوئیں کی مینڈ پر سامری عورت کی صراحی سے جو اس نے پیش کی تھی پانی پیا تھا- اور جس نے شمعون کے گھر میں کھانا کھانے کے وقت مریم کے ہاتھ سے عطر لیا تھا- میں بے گناہ نہیں ہوں کہ پہلا پتھر اپنے ہاتھ سے تجھے ماروں- میں خدا کی دی ہوئی کثیر نعمتوں کو بدکاری میں صرف کر چکا ہوں- مجھے غصہ نہیں ہے- یہ محض ترس ہے جو میرا ہاتھ پکڑے تجھ تک لایا ہے اور مجھے اس قابل کیا کہ عشق و محبت کے الفاظ بغیر جھوٹ ملائے زبان پر لا کر تیرا قرب حاصل کروں- یہ میرے دل کا سچا جذبہ ہے جس

نے مجھے تجھ تک پہنچایا ہے۔ بھلائی اور خیر کرنے کے لئے میرا دل بے قرار ہے۔ تیری آنکھیں جو ہمیشہ ظاہر بینی میں مصروف رہی ہیں اگ اس قابل ہوں کہ چیزوں کے مخفی معنی بھی دیکھ سکیں تو میں تجھے اس جلتی ہوئی جھاڑی سے گھسیٹ کر نکالی ہوئی ایک شاخ معلوم ہوں گا جو خدا نے موسیٰؑ کو طور پر دکھائی تھی تاکہ عشق حقیقی کی معرفت موسیٰؑ کو حاصل ہو۔ یعنی اس عشق کی جو ہمیں ہمیشہ جلتا رکھتا ہے۔ مگر خاک نہیں ہونے دیتا۔ جس کا خاتمہ بجلائے ہوئے انگاروں اور راکھ کی ڈھیروں میں نہیں ہوتا بلکہ جس چیز میں وہ سرایت کرتا ہے اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مبارک کر دیتا ہے۔"

یہ سن کر تائیس نے کہا۔ "اے راہب خدا شناس جو کچھ آپ نے کہا میں نے اسے دل سے یقین کیا۔ اب مجھے آپ کی طرف سے کسی دھوکے یا نقصان کا خوف نہیں۔ صحرا کے اکثر راہبوں کا حال سنتی رہی ہوں۔ انطونی اور پال کے سوانح سن کر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔ اور آپ کا نام بھی میں نے سنا تھا۔ کسی نے کہا تھا کہ گو آپ ابھی جوان ہیں لیکن بڑے بڑے مسن راہبوں سے نیک بختی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ گو نام کے سوا اور کچھ نہ جانتی تھی۔ لیکن اس وقت صورت دیکھتے ہی سمجھی تھی کہ آپ کوئی معمولی شخص نہیں ہیں۔ کیا میرے حق میں آپ کوئی تدبیر ایسی کر سکتے ہیں جو ہرمیس اور جوتو کے مجاوروں اور کالدیا اور بابل کے ساحروں سے بھی بن نہ پڑی۔ اے راہب اگر آپ کو مجھ سے عشق ہے تو کوئی بات ایسی کیجئے کہ مجھے موت نہ آئے۔"

پفنوتوس نے جواب دیا۔ "اے عورت سن لے۔ صرف وہ ہی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں جو زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ دنیا کی ناپاک لذتوں سے جو ہمیشہ کی موت ہیں پرہیز کر۔ اپنے جسم کو جسے خدا نے بنایا تھا اور اپنی روح اس میں دم کی تھی شیاطین کے قبضے سے نکال کیونکہ وہ ایک دن اسے نہایت بے دردی سے جلا ڈالیں گے۔ دنیا کی تھکن سے تو نڈھال ہو رہی ہے۔ آ۔ تنہائی اور عزلت کی روح پرور ہوا میں تازگی حاصل کر۔ اور صحرا کے ان پوشیدہ چشموں سے سیراب ہو جو آسمان سے بہتے ہوئے آئے ہیں۔ اے روح مضطر آ۔ اور اپنی مراد کو پہنچ۔ اے لذت و عیش کے دل حریص آ۔ اور اصلی خوشی، مفلسی، ترک دنیا اور خودی کو بھولنے اور مسیح کی آغوش میں اپنی ہستی کو فنا کر دینے کا مزہ چکھ۔ آ۔ اے دشمن مسیح جو عنقریب مسیح کا محبوب بننے والا ہے۔ آ اے ڈھونڈنے والے اس سے مل جسے تو ڈھونڈتا ہے اور جب تو اس سے ملے گا تو کہے گا کہ "ہاں آج عشق حقیقی حاصل ہو گیا۔"

تائیس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی دور کی بات سوچ رہی ہے۔ پوچھنے لگی کہ:

"اگر میں دنیا کی لذتوں سے تائب ہو جاؤں۔ اور ان سے قطعی توبہ کر لوں تو کیا یہ سچ ہے کہ اسی جسم اور اسی حسن کے ساتھ آسمان پر پھر پیدا ہوں گی۔"

پفنونوس نے جواب دیا۔ "تائیس۔ میں تیرے لئے ہمیشہ کی زندگی لایا ہوں۔ میرا یقین کر کیونکہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سچ ہے۔"

تائیس۔ "یہ درست ہے۔ مگر اس کی سند کیا ہے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سب سچ ہے۔"

پفنونوس۔ "داؤد اور مسیح کے رسول۔ انجیلیں اور وہ حیرت انگیز چیزیں جو تو مشاہدہ کرے گی میرے قول کی سند ہیں۔"

تائیس۔ "میں آپ کا یقین کرتی ہوں۔ اس دنیا میں مجھے خوشی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ گو میری قسمت بادشاہ زادیوں سے بھی بہتر ہوئی۔ لیکن جیتے جی ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی ہیں کہ ان کو سہتے سہتے اب ہار گئی ہوں۔ کوئی عورت ایسی نہیں جس کو مجھ پر رشک نہ آتا ہو۔ لیکن میرا حال یہ ہے کہ شہر کے دروازے میں جو بوڑھی بڑھیا کبھی شہد بیچا کرتی تھی اس کی حالت کو اپنی حالت سے بہتر سمجھتی ہوں۔ اب تو یہ خیال دل میں رہتا ہے کہ غریب اور مفلس ہی سب سے اچھے ہیں یہی سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ اور ان ہی کو سب سے زیادہ خیرو برکت ملی ہے۔ عاجزی اور فروتنی کی زندگی میں جو تسلی ہے وہ کسی اور زندگی میں نہیں۔ آپ کی توجہ سے میری روح پر جو طوفانی موجیں اٹھ رہی تھیں وہ دب گئی ہیں اور جو چیزیں تہ میں بیٹھی ہوئی تھیں اب وہ سطح پر آنے لگی ہیں۔ افسوس، صد افسوس۔ کس پر ایمان لاؤں میرا کیا درجہ ہونے والا ہے۔ یہ زندگی آخر کیا چیز ہے۔"

تائیس جس وقت یہ کلمے زبان سے نکل رہی تھی پفنونوس بالکل حیرت زدہ ہو کر اس کی صورت دیکھتا تھا اور خود اس کے چہرے پر ایک روحانی مسرت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

پفنونوس۔ "تائیس۔ میں تیرے گھر میں اکیلا نہیں آیا ہوں۔ ایک اور بھی میرے ساتھ ہے جو میرے پہلو میں کھڑا ہے۔ اس کو تو دیکھ نہیں سکتی۔ کیونکہ تیری آنکھیں ابھی تک اس کو دیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ لیکن وہ جلد اپنی پوری شان دلربائی میں تجھ پر

ظاہر ہو گا اور تو اسے دیکھتے ہی کہہ اٹھے گی کہ "ہاں عشق و محبت کے لائق یہی ہے۔" ابھی ابھی کی بات ہے کہ اگر وہ اپنا دست کرم میری آنکھوں پر نہ رکھ دیتا تو میں تیرے ساتھ ایک سخت گناہ کا مرتکب ہو جاتا۔ کیونکہ طبیعت کی کمزوری اور پریشانی کا میں ایک مجسم نمونہ ہوں۔ لیکن اس نے ہم دونوں کو ایک گناہ سے بچا لیا۔ جیسا وہ نیک ہے ایسا ہی صاحب قوت بھی ہے اس کا نام نجات کا دینے والا ہے۔ دنیا میں اس کے آنے کی خبر توریت میں داؤد نے اور روما کی غیب داں عورتوں نے اپنی سحر کی کتابوں میں دی تھی۔ جس وقت وہ اپنے گھوارے میں پڑا تھا تو چرواہوں اور ساحروں نے آ کر اسے سجدہ کیا تھا۔ فریسیوں نے نے اسے مصلوب کیا" پاک عورتوں نے اسے دفن کیا۔ اس کے رسولوں نے ملہم ہو کر دنیا میں اس کی منادی کی۔ اور اس کے شہیدوں نے اس پر گواہی دی۔ یہ معلوم کر کے کہ تجھے موت سے ڈر لگتا ہے میں اس وقت تیرے گھر میں موجود ہوں تاکہ تجھے موت سے بچا لوں۔ اے یسوع کیا تو اس وقت مجھ پر اسی طرح ظاہر نہیں ہوا تھا جیسا کہ شروع میں جلیل کے لوگوں پر ظاہر ہوا تھا جبکہ آسمان سے ٹوٹتے ہوئے ستارے تیرے ساتھ ساتھ زمین پر اترنے میں اتنے نیچے ہو گئے تھے کہ بیت اللحم کی چھتوں پر ماؤں کی گودوں میں کھیلتے ہوئے بچوں نے اپنے ہاتھوں سے ان چمکتے تاروں کو پکڑ لیا تھا۔ اے یسوع کیا ہم دونوں اس وقت تیری حضور میں نہیں ہیں اور کیا تو اپنے وجود ظاہر کی اصلیت ہم پر اس وقت روشن نہیں کر رہا ہے۔ کیا تیرا چہرہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ کیا وہ آنسو جو تائیس کے رخسار پر ڈھلک رہا ہے اشک حقیقی نہیں ہے۔ ہاں ہاں۔ انصاف کا فرشتہ اس آنسو کو لے لے گا اور وہی اشک تائیس کی روح کا فدیہ ہو جائے گا۔ اے یسوع کیا تو یہاں نہیں ہے۔ تیرے لب جو لائق پرستش ہیں کھلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ تو بول سکتا ہے۔ فرما۔ میں سنتا ہوں اور اے تائیس خوش نصیب عورت سن کہ نجات کا دینے والا کو تجھ سے کیا کہتا ہے۔ وہی بول رہا ہے۔ میں نہیں بولتا ہو کہتا ہے۔ "اے میری رستہ بھولی بھیڑ میں نے تجھے ڈھونڈ لیا۔ آخر کار تو مجھے مل گئی۔ اب مجھ سے نہ بھاگیو۔ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں تجھے اپنے کندھوں پر اٹھا کر آسمان کے حظیرے میں پہنچا دوں گا۔"

ان جملوں کو ادا کرتے کرتے پفنونوس پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور اس نے اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے۔

تائیس نے دیکھا کہ راہب کے چہرے پر یسوع زندہ کی شکل جھلک رہی ہے۔ فوراً

زار و قطار رو کر کہنے لگی:

"اے میرے بچپن کے بیتے دنوں۔ اے میرے روحانی باپ امس جس نے صلیب پر اپنے دین کی شہادت دی۔ میں بدنصیب اسی دن کیوں نہ مرگئی جس دن تو مجھے اصطباغ دلوا کر اپنی گود میں اٹھائے اور اپنے پیرہن میں لپیٹے تڑکے کے گھر لیا تھا۔"

پفنوتوس یہ آخری جملہ سن کر چونک پڑا اور چلا کر کہنے لگا:

"تائیس۔ کیا تجھے اصطباغ مل چکا ہے.... اے عقل ربی' اے حکمت الٰہی' تیری کارسازی کے قربان۔ اب معلوم ہوا کہ وہ کیا قوت تھی جو تائیس کے پاس مجھے لائی۔ جس نے تائیس کو میری نظروں میں ایسا حسین اور پیارا بنا دیا۔ تائیس یہ اصطباغ کے پانے کا فیض تھا جس نے مجھے مجبور کیا کہ خدا کا سایہ چھوڑ کر جس میں میں رہا کرتا تھا۔ تجھے ڈھونڈتا ہوا اس دیر خرابات میں آؤں جس کی ہوا میں زہر ملا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جس پانی سے تجھے اصطباغ ملا تھا اس کی کوئی چھینٹ میری پیشانی تک بھی پہنچی تھی۔ آ۔ میری بہن اپنے بھائی کے لبوں کو اپنی پیشانی کا بوسہ دے۔"

اس طرح ایک راہب پاک باز نے ایک فاحشہ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

اس کے بعد پفنوتوس چپ رہا کہ خدا کچھ بولے گا۔ مگر تائیس کے رونے اور سسکیوں کے سوا جن میں پانی کی چادر چھٹنے کی آواز بھی شامل تھی اس پریوں والے خلوت خانے میں اور کوئی صدا نہ سنائی دی۔

تائیس روتی رہی۔ آنسو تک نہ پونچھے۔ اتنے میں اس کی حبشن کنیز بناؤ سنگھار کا سامان عطر اور پھولوں کے ہار لئے اندر آئی۔

کنیز کو دیکھتے ہی تائیس نے مسکرانے کی کوشش کر کے دل میں کہا۔ "رونا ٹھیک نہیں ہے۔ آنسوؤں سے آنکھیں میلی ہو جاتی ہیں اور ان کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ آج رات کو بہت سے دوستوں کے ساتھ ایک ضیافت میں شریک ہونے خوب بن سنور کر جانا ہے کیونکہ وہاں عورتیں بھی ہوں گی۔ اگر ذرا بھی صورت مضمحل معلوم ہوئی تو کہیں گی معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہے۔ بابا یہ لونڈیاں مجھ کو کپڑے پہنانے آئی ہیں۔ آپ ذرا ہٹ جائیں۔ یہ دونوں اپنے اپنے کام میں بڑی ہوشیار اور تمیز دار ہیں۔ میں نے انہیں بڑے داموں میں مول لیا تھا۔ یہ چھوکری جس کے کانوں میں سونے کے بالے پڑے ہیں اور اجلے اجلے دانت نکوسے کھڑی ہے اس کو میں نے حاکم مصر کی بیگم سے خریدا تھا۔"

پہلے تو پفنونوس نے سوچا کہ تائیس کو ضیافت میں ہرگز نہ جانے دے۔ پھر احتیاط سے کام لینا مناسب سمجھا اور پوچھنے لگا کہ "وہاں کن لوگوں سے ملاقات ہو گی۔"

تائیس نے جواب دیا کہ اس ضیافت میں میزبان تولوقس قرطا امیر اسائیل ہے اور جو لوگ موجود ہیں ان میں نیکیاس کے علاوہ اور کئی فلسفی ہیں۔ شاعر قلتراطیس اور سراپس کا سردار کاہن اور چند نوجوان جن کو گھوڑوں کا بہت شوق ہے وہاں ہوں گے' کچھ عورتیں بھی ہوں گی جن کی نسبت صرف اتنا بتانا کافی ہے کہ ان کا حسن ان کی سب سے بڑی تعریف ہے۔"

اتنا سن کر پفنونوس نے ایسے لہجے میں جو حالت جذب میں کسی کے منہ سے نکلے کہا۔ "ان لوگوں میں جا۔ تائیس۔ جا مگر میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں اس ضیافت میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تیرے پہلو میں خاموش بیٹھا رہوں گا۔"

یہ سن کر تائیس نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگی:

"جب لوگ دیکھیں گے کہ طیبی کا ایک راہب مجھ پر عاشق ہوا ہے تو دل میں کیا کہیں گے۔"

○

ضیافت

جس وقت تائیس بفنونوس کو ساتھ لئے ضیافت کے عالیشان کمرے میں پہنچی تو سب مہمان جمع ہو چکے تھے۔ کمرے کے بیچ میں ایک گول میز بچھی تھی اور اس کے کنارے نہایت پر تکلف کوچوں پر لوگ تکئے لگائے بیٹھے تھے۔ کھانے کی میز پر چمکتے ہوئے برتن چنے تھے اور ان کے بیچ میں چاندی کا ایک نہایت خوشنما اونچا ظرف تھا جس کے چاروں گوشوں پر چار مورتیں چھوٹے چھوٹے مشکیزوں سے نیچے ایک طاس میں سرکہ ڈالتی تھیں اور طاس میں جوش کی ہوئی مچھلیاں سرکہ میں تیر رہی تھیں۔ تائیس کو دیکھتے ہی سب مہمانوں نے تعریف کے جملوں کے ساتھ اس طرح اسے سلام کرنے شروع کئے:

"دنیا کی سجانے اور سنوارنے والی دیویوں کی ماں جانی کو سلام۔"

"خاموش دیوی پلیمنی کو سلام جس کی نگاہیں سب کچھ کہہ جاتی ہیں۔ اور جس کی چتون میں پریم کی ساری کتھا بھری ہے۔"

"دیوتاؤں اور آدمیوں کی محبوبہ کو سلام۔"

"سلام اس کو جس کے سب مشتاق ہیں۔"

"اور اس کو جو درد پیدا کر کے خود ہی درد کی دوا بنتی ہے۔"

"اور اس کو جو رقوطش کا انمول موتی ہے۔"

اور اس کو جو اسکندریہ کا گلاب ہے۔"

تائیس گھبرائی ہوئی یہ سب تعریفیں سنتی رہی اور جب وہ ختم ہوئیں تو میزبان کی طرف بڑھ کر کہنے لگی:

"لوقس۔ میں صحرا کے ایک بڑا راہب کو اپنے ساتھ لائی ہوں۔ ان کا نام بفنونوس ہے اور یہ انصبنو کے قسیس بھی ہیں۔ بڑے خدا رسیدہ بزرگ ہیں اور تقریر میں وہ سوز ہے کہ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے آگ کا ایک شرارہ ہوتا ہے۔"

لوقس ارلس قرطا امیر اسماعیل اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ "بفنونوس۔ شیدائے

دین عیسوی۔ آپ کا تشریف لانا ہمارے لئے مبارک ہے۔ جو دین ہمارے شہنشاہ کا مذہب ہو چکا ہو اس کی عزت میں تہ دل سے کرتا ہوں۔ آپ کے مذہب والوں کو ہمارے قیصر قسطنطین نے سلطنت کے ہوا خواہوں میں سب سے اونچا درجہ دیا تھا۔ لاطینی عقل و دانش کے لئے لازم تھا کہ وہ جناب مسیح کو اپنی بزم اصنام میں جگہ دے۔ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ہر دیوتا میں کوئی نہ کوئی خدائی صفت موجود ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس گفتگو کا کیا موقع ہے۔ آیئے شراب پیئیں اور خوش ہوں۔ کیونکہ ابھی پیانہ عمر لبریز نہیں ہوا ہے۔"

میزبان نے یہ باتیں بہت ہی خوش ہو کر سرور اور اطمینان کی حالت میں کہی تھیں۔ آج دن کو وہ ایک جنگی جہاز کے نئے نمونے پر غور کر رہا تھا اور تاریخ قرطاجنہ کا چھٹا باب بھی آج ہی لکھ کر ختم کیا تھا۔ اس خیال سے کہ دن ضائع نہیں ہوا اس وقت ہر چیز سے مطمئن اور خوش تھا۔ پفنوتوس سے کہنے لگا:

"اے راہب صحرا نشین۔ آپ یہاں بہت سی صورتیں دیکھتے ہیں جو حقیقت میں ملنے اور محبت کے لائق ہیں۔" پھر ایک ایک مہمان کی طرف اشارہ کر کے ان کی تقریب اس طرح کرائی۔ "آپ ہرمودس صنم خانہ سراپس کے کاہن اعظم ہیں اور ان صاحبوں میں آپ دوریاں۔ آپ نیکیاس اور آپ زینو تھمیس مشہور فلسفی ہیں اور آپ قلتراطیس شاعر بے بدل ہیں۔ یہ دونوں خوشرو نوجوان کاراس اور ارسطوبلس میری جوانی کے ایک بڑے عزیز دوست کے فرزند ہیں اور ان کے قریب ہی نازنین فانیہ اور دروشہ بیٹھی ہیں۔ یہ اپنے اپنے حسن و جمال میں شہرۂ آفاق ہیں۔"

اتنے میں نیکیاس نے پفنوتوس کو دیکھ لیا۔ فوراً" اٹھا اور دوڑ کر بغل گیر ہوا اور کان میں کہنے لگا:

"کیوں مشفق میں نہ کہتا تھا کہ حسن و عشق کی دیوی وینس بڑی زبردست ہے۔ دیکھئے اسے آپ نے یونہی سا خفا کیا تھا کہ آپ کی سب پارسائی بالائے طاق رہ گئی اور آپ بہ نفس نفیس اس محفل میں رونق افروز ہو گئے۔ عابد و زاہد ہونے میں آپ کے بھلا کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ مگر اتنا یاد رہے کہ اگر حسن و عشق کی دیوی کو سب دیوتاؤں کی ماں سمجھ کر نہ پوجا تو بہت جلد آپ کا تہس نہس ہو جائے گا۔ شاید آپ نے نہ سنا ہو گا۔ میلانطوس ایک بڑا ریاضی داں گزرا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر وینس میری مدد نہ کرتی تو میں ایک مثلث کے

خواص تک نہ بیان کر سکتا۔"

دوریان کچھ دیر سے پفنوتوس کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً بول اٹھا۔ "آہا حضرات یہ تو وہی بزرگ ہیں۔ آنکھیں، داڑھی، یہ بجڑکیلی پوشش سب چیزیں بتا رہی ہیں کہ آج ہی صبح تماشا خانے میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ تائیس اس وقت اپنے گورے گورے بازوؤں سے بڑے بڑے کمال دکھا رہی تھی۔ آپ کے قلب کی حالت تو اس وقت جو کچھ ہو مگر اس کی گواہی دینے کو تیار ہوں کہ آپ کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا اس میں بلا کا جوش و خروش قرار پائیں گے۔ رہی آپ کی فصاحت و بلاغت تو اس کو بھی قہر خدا کا ایک نمونہ سمجھئے۔ اگر علامہ مرقوس عیسائیوں کا افلاطون ہے تو آپ بھی دیموس تھینس سے کم نہیں۔ آج آپ کی زبان سے وہ تقریریں سنی ہیں کہ حکیم لی قور کے خانہ باغ میں بھی کبھی نہ سنی تھیں۔"

فانیہ اور دروشہ دونوں حسین عورتیں تائیس کو اپنی نظروں سے کھائی جاتی تھیں۔ تائیس اس وقت اپنے سر کے خوش رنگ بالوں کے جوڑے پر بنفشہ کے پھولوں کا ایک تاج رکھے تھی جس کا ہر پھول اپنا رنگ دکھا کر انکسار کے ساتھ تائیس کی آنکھوں کا رنگ بتاتا تھا۔ یہاں تک کہ پھول ایک چشم نیم باز کی نگاہیں اور آنکھیں چمکتے پھول معلوم ہوتے تھے۔ اس نازنین میں یہ بات خداداد تھی کہ جو چیز پہن لیتی اس میں جان پڑ جاتی اور زیبائی اور موزونیت اس پر ختم تھی۔ ارغوانی لباس پر روپہلی کام تھا لباس کی حرکت اور شکن حسن کے ساتھ افسردگی بھی ظاہر کرتے تھے۔ برہنہ گلو اور ساعد جن پر کوئی زیور نہ تھا لباس کی اصلی رونق تھے۔ فانیہ اور دروشہ جن کو اپنی خوبروئی پر کچھ کم ناز نہ تھا تائیس کے لباس اور بناؤ کی دل میں تعریف کرتی تھیں گو منہ سے کچھ نہ کہتی تھیں۔

آخر کار فانیہ بولی۔ "تائیس آج تو تم پر بلا کا جوبن ٹوٹ پڑا ہے۔ یہ بات تو اس وقت بھی نہ تھی جب شروع شروع میں تم یہاں آئی ہو۔ میری ماں کو تمہارا اس شہر میں آنا خوب یاد تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ اسکندریہ میں ایک عورت بھی ایسی نہ تھی جس سے تمہاری خوبصورتی کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا۔"

اتنے میں دروشہ کہنے لگی۔ "یہ تو فرمائیے کہ یہ آپ کے نئے چاہنے والے کون بلا ہیں۔ عجیب وحشی صورت پائی ہے۔ ہاتھیوں کے رکھوالے شاید اسی شکل و صورت کے ہوا کرتے ہوں گے۔ تائیس۔ بتاؤ تو انہیں کہاں سے پکڑ لائی ہو۔ یہ پہاڑی غاروں والے کہیں

تحت الثریٰ میں دوزخ کے پاس تو نہیں رہتے تھے جو دھوئیں سے منہ پر اتنی کلونس چڑھی ہے۔"

فانیہ نے جھٹ درویشہ کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا:

"چپ رہو عشق و محبت کی باتیں راز کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ کسی پر ظاہر نہیں کی جاتیں اور ان کو پوچھنا بھی درست نہیں۔ ہاں اگر کسی نے مجھ سے پوچھا تو یہی کہوں گی کہ اگر کوئی آتش فشاں پہاڑ بوسہ لینے کو منہ بڑھائے تو مضائقہ نہ ہو گا مگر اس صحرائی کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دوں گی۔ رہیں ہماری خوبصورت نازک اندام تائیس۔ تو ان کی کیا بات ہے ان کا حسن تو ایک دیوی کے حسن کی طرح پوجنے کے لائق ہے اور ایک دیوی ہی کی طرح وہ سب کی التجا قبول بھی کر لیتی ہیں' ہمارا تمہارا سا حال نہیں ہے کہ صرف ان ہی سے پرچتے ہیں جن کو اپنی محبت کے لائق پاتے ہیں۔"

تائیس بولی۔ "دیکھو دونوں خبردار رہو۔ یہ داڑھی والے بڑے جادوگر ہیں۔ ان کو بیسیوں طلسم یاد ہیں۔ تم کتنی ہی چپکے چپکے باتیں کرو یا دل میں خیال کرو ان پر سب حال کھل جاتا ہے۔ کسی دن سوتے میں سینہ چاک کر کے دل نکال لیں گے۔ اور اس کی جگہ اسفنج کا ایک ٹکڑا رکھ دیں گے۔ دوسرے دن جب پانی پیو گی تو دم گھٹ کر مر جاؤ گی۔

"احباب بر تمکیں۔ اپنی اپنی جگہ تشریف لے آیئے۔ غلامو۔ مئے گلرنگ سے ساغر بھر دے۔"

میزبان کے یہ جملے سنتے ہی سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر آ گئے۔ اور اب اس نے اپنا جام شراب اٹھا کر کہا:

"سب سے پہلا جام صحت شہنشاہ قسطنطیوس کے نام سے نوش فرمایئے جو سلطنت قیصری کی روح و رواں ہے۔ پھر اپنے آبائی ملک کا درجہ ہے جو دیوتاؤں پر بھی سبقت رکھتا ہے کیونکہ خود دیوتا اس میں رہتے ہیں۔"

تمام حاضرین نے اپنے اپنے لبریز ساغر اٹھا کر نوش کئے۔ یغنونوس نے کسی کا جام صحت نہ پیا۔ کیونکہ شہنشاہ وقت اس کے نزدیک وہ تھا جس نے مجمع نیقہ کے مسیحی عقائد والوں پر ظلم و ستم کئے تھے اور عیسائیوں کا آبائی ملک آسمان تھا نہ کہ دنیا۔

دوریان نے جام صحت پینے کے بعد دبی زبان سے کہا:

"آبائی ملک آخر کیا چیز ہے۔ ایک بہتا دریا ہے جس کے کنارے بدلتے رہتے ہیں' اور

جس کی سطح پر موجیں تھپیڑے مارا کرتی ہیں۔"

اتنا سن کر لوقس امیر اسماعیل بولا۔ "دوریان۔ مجھے معلوم ہے کہ سیاسی نیکیوں کی آپ بہت کم پرواکرتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ عاقلوں کو دنیا کے کاروبار سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ میرا خیال اس کے برعکس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص جو عزت کا خواہاں ہو اس کی یہی آرزو ہونی چاہئے کہ سلطنت کے مناصب جلیلہ حاصل کرے۔ حکومت و سیاست کے برابر کوئی دلکش چیز دنیا میں نہیں ہے۔"

اس پر ہرمودس بت خانہ سراپس کا کاہن بولا۔ "دوریان کا سوال یہ تھا کہ آبائی ملک کیا چیز ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں اپنے دیوتاؤں کے استھان اور بزرگوں کی چھتریاں ہوں وہ ہی باپ دادا کا ملک ہے اپنے مشاہیر اور اکابر اور ان سے اپنے تعلقات اور آپس کی وابستہ توقعات ہی انسان کو انسان کا ہم وطن بناتی ہیں۔"

ہرمودس کی بات کو کاٹ کر ارسطوبلس کہنے لگا:

"حضرات۔ آج میں نے ایک بہت ہی نفیس گھوڑا دیکھا ہے اس کا مالک دیموفون ہے۔ یہ جانور سر کا لمبوترا' سینے کا بہت خوبصورت ہے۔ منہ اٹھا کر عروس کی طرح مغرور بن کر چلتا ہے۔"

اس پر کاراس نے سرہلا کر کہا:

"ارسطوبلس۔ اس جانور کو جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے ویسا نہیں ہے۔ کھر چھوٹے ہیں' گامچیں جھکی ہوئی ہیں' بہت جلد لنگ کرنے لگے گا۔"

دونوں میں خوب بحث ہونے لگی تھی کہ دروشہ نے دفعتاً" ایک چیخ ماری اور کہنے لگی:

"ارے غضب ہو گیا تھا' ابھی ابھی مچھلی کا ایک کانٹا خنجر سے زیادہ تیز حلق میں اٹکا تھا۔ خیریت ہوئی کہ نکل گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیوتاؤں کو مجھ سے الفت ہے۔"

نیکیاس سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "آپ فرماتی تھیں کہ دیوتاؤں کو آپ سے الفت ہے۔ اگر یہ بات ہے تو انسان کی طرح وہ بھی کمزور ہیں کیونکہ عاشق کے لئے ہمیشہ کی مصیبتیں لازمی ہیں۔ اور مصیبت کا آنا ہر ذی حیات کی کمزوری ثابت کرتا ہے۔ بس جن دیوتاؤں کو دروشہ سے الفت ہے وہ کمال سے عاری ہیں۔"

اس گفتگو پر دروشہ جل گئی اور کہنے لگی:

"نیکیاس- جو کچھ آپ نے فرمایا سراسر حماقت ہے اور نہ کسی سوال کا وہ جواب ہے- علاوہ اس کے آپ میں بڑا وصف یہ ہے کہ دوسرا جو کچھ کہے اسے سمجھیں نہیں اور خود جو کہیں اس میں کوئی بات سمجھ کی نہ ہو-"

نیکیاس ہنس کر بولا:

"دروشہ کہے جاؤ- اس سے مطلب نہیں کہ کیا کہتی ہو- جس وقت تمہارا منہ کھلے فوراً سب کو شکر گزار ہونا چاہئے- کیونکہ تمہارے دانت بہت ہی خوبصورت ہیں-"

اس موقع پر ایک بڑی بردبار صورت کا بڈھا لباس بے احتیاطی سے- پہنے مگر انداز میں خودداری آہستہ قدم ضیافت کے کمرے میں داخل ہو کر مہمانوں کی طرف بڑھا- لوقس نے فوراً اشارہ کر کے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا:

"قریطوس- مبارک ہیں آپ کے قدم فرمایئے اس مہینے میں کوئی نیا رسالہ شائع کیا- میرے حساب سے تو یہ آپ کا بانوواں رسالہ ہو گا جسے وادی نیل کے قلم نے ایک باکمال یونانی کے ہاتھ میں آ کر حسن تحریر بخشا ہو گا"

قریطوس نے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"بلبل کا کام چہکنا اور میرا کام ازلی دیوتاؤں کو سراہنا ہے-"

دوریان نے فوراً مہمانوں سے مخاطب ہو کر کہا- "صاحبو- آداب بجا لاؤ آپ قریطوس- بڑے واجب التعظیم بزرگ ہیں- رواقی حکماء میں بس اب آپ ہی کا دم باقی ہے- سپیدہ پیری کے نور میں آج اس طرح ظاہر ہوئے ہیں جیسے اسلاف کی روحوں میں سے کوئی روح دفعتاً نمودار ہو- اس دنیا کی بھیڑ میں آپ سب سے الگ ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا-"

قریطوس- "دوریان تم غلطی پر ہو- فلسفہ خیر دنیا سے معدوم نہیں ہوا اسکندریہ' روما' قسطنطنیہ میں میرے بہت سے شاگرد موجود ہیں- قیصروں کے عزیزوں اور غلاموں میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے اپنے نفس کو قابو میں لا کر آزاد رہنا اور پرہیزگاری سے بے انتہا مسرت اٹھانا جانتے ہیں- ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو حکیم ایپک طب طوس اور مرقس ایردس کو اپنے میں زندہ پاتے ہیں- لیکن اگر یہ سچ بھی ہو کہ خیر دنیا سے ناپید ہو جائے گی تو ہو جائے- اس سے ہماری مسرت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ خیر کی مدت کہ کب تک وہ رہے گی اور کب نہ رہے گی مجھ پر موقوف نہیں ہے- دوریان وہ لوگ احمق ہیں جو مسرت

کو اپنے اختیار سے باہر جانتے ہیں۔ دیوتاؤں کی مشیت میں جو چیز نہیں اس کی مجھے خواہش نہیں اور جو کچھ ان کی مشیت میں ہے وہ سب میری خواہش ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے میں دیوتاؤں کی مانند ہو سکتا ہوں اور ان ہی کا سا استغنا مجھ میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر خیر یا نیکی مرنا چاہے تو میں اس کی موت پر راضی ہوں اور اس رضامندی میں مجھ کو وہی مسرت ملتی ہے جو اپنی عقل و ہمت کی انتہائی کوشش میں حاصل ہو سکتی ہے، تمام باتوں میں میری عقل حکمت الٰہی کی نقل اتارنا چاہتی ہے اور میری یہ نقل اصل سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اس میں محنت و اختیار زیادہ درکار ہے۔"

نیکیاس۔ "اچھا میں سمجھا آپ رہبانیت میں شرکت چاہتے ہیں لیکن تھریطوس اگر خیر سے مراد کوشش اور وہ جدوجہد ہے جس سے حکیم زینو کے تلامذہ دیوتاؤں کی مانند ہو جانے کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر ایک مینڈک جو اپنے تئیں پھلاتے پھلاتے بیل کے برابر بنا دے وہ آپ کے نزدیک حکمت رواقیین کی ایک صفت بالغہ کا نمونہ ہو گا۔"

تھریطوس۔ "نیکیاس تم کو تو مذاق سوجھتا ہے۔ حسب عادت ہر چیز کی ہنسی اڑانے میں استاد بننا چاہتے ہو۔ لیکن جس بیل کو آپ اس بحث میں لائے ہیں اگر حقیقت میں وہ کوئی دیوتا ہے جیسے کہ ایپس اور تحت الثریٰ والے بیل جن کے پوجاری یہاں موجود ہیں دیوتا مانے جاتے ہیں اور اگر مینڈک اپنی عقل سے متاثر ہو کر اپنے تئیں بیل کے برابر بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو کیا یہ مینڈک فی الواقع اس بیل سے زیادہ صاحب خیر نہیں مانا جا سکتا اور وہ کون ہے جو ایسے ہمت والے چھوٹے سے جانور کی تعریف میں لوگوں کی زبان بند کر سکتا ہے۔؟"

اتنے میں چار نوکر ایک بہت بڑے جانور کا مسلم کباب لے کمرے میں آئے اور اس کے ساتھ اور عجیب عجیب شکل کے کھانے انہوں نے میز پر چن دیئے۔

زینو تھیمس فلسفی نے راہب کی طرف اشارہ کر کے لوقیس میزبان سے کہا کہ "یہ صاحب خود ہی ضیافت میں تشریف لائے ہیں۔ آپ مشہور یفنونوس ہیں جو صحرا کی تنہائی میں حیرت انگیز زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کا قدم رنجہ فرمانا ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔"

لوقس نے کہا۔ زینو تھیمس۔ ان مہمان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو کر اس بزم احباب میں پہلی جگہ آپ ہی کے لئے ہے کیونکہ آپ نے بلا مدعو ہوئے ہم پر کرم

فرمایا ہے۔"

زنٹو تھیس فلسفی۔ ہوتوقس۔ یہ آپ نے بجا فرمایا۔ ان بزرگ کی خاطر و مدارات لور جو چیز ان کو مرغوب ہو اس کا معلوم کرنا ہمارا عین فرض ہے کیونکہ کھانوں کی خوشبو نہیں بلکہ پاکیزہ خیالات کی شمیم آپ کی روح کو محظوظ کر سکتی ہے۔ پس آپ کی مدارات اسی میں ہے کہ جس مذہب کو آپ مانتے ہیں یعنی مسیح مصلوب کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ ذاتی طور پر میں اس بحث میں نہایت خوشی سے شریک ہوں گا کیونکہ آپ کا مذہب تمثیلوں کی کثرت ونیرنگی کی وجہ سے میرے لئے خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ الفاظ میں جو معنی مخفی ہوتے ہیں اگر ان پر غور کیا جائے تو آپ کے دین میں حقائق بکثرت ہیں لور عیسائیوں کی کتابیں فی الواقع مکاشفات کا ایک مخزن ہیں۔ لیکن یہودیوں کی کتابوں کی میں اتنی قدر نہیں کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں کو خدا کی روح نے الہام کی شکل میں اتارا تھا مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ خدا کی روح نہ تھی بلکہ یہوواہ جس نے یہ کتابیں اتاریں ان ارواح میں سے تھا جو ہوا کے طبقہ اسفل میں رہتی ہیں لور جتنی بلائیں ہم پر آتی ہیں ان کا زیادہ تر باعث یہی روحیں ہوتی ہیں۔ مگر یہوواہ لاعلمی لور غضب میں ان روحوں سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ برعکس اس کے سنہری پروں والا سانپ جس کے زمردی پیچ و خم شجر علم کی شاخوں کو لپیٹے نظر آتے تھے فی الحقیقت عشق و نور سے مخلوق ہوا تھا۔ پس اس میں لور یہوواہ میں یعنی نور و ظلمت میں مقابلہ ہونا لازمی تھا۔ لور اس کی ابتداء اس وقت سے ہوئی کہ دنیا بنا کر ابھی خدا نے آرام بھی نہیں کیا تھا۔ باغ عدن میں آدم و حوا یعنی آفرینش کا پہلا مرد لور پہلی عورت بالکل برہنہ حالت میں خوش و آزاد رہنے لگتے تھے کہ ان کی بدقسمتی کے آثار نمایاں ہوئے یعنی یہوواہ نے ان دونوں پر لور ان کی نسل پر جو بطن حوا میں ودیعت ہو چکی تھی حکومت کرنے کا قصد کیا۔ لیکن آلات حکومت پاس نہ تھے۔ نہ ہاتھ میں پرکار تھی نہ بغل میں دو تارو۔ نہ علوم سے واقف تھا جو دنیا میں حکمراں ہیں لور نہ فنون جانتا تھا جن سے انسان کو ترقی ہوتی ہے۔ بس کچھ بن نہ پڑا تو ان دونوں معصوم جانوں کو سائے لور آسیب دکھا کر لور برق و باراں کے طوفان اٹھا کر دھمکانا لور ڈرانا شروع کیا۔ آدم و حوا نے جب دیکھا کہ یہوواہ کی نگاہ غضب ان پر پڑ رہی ہے لور حالت عتاب کی ہے تو وہ لور بھی پاس پاس رہنے لگے لور ایک سے دوسرا کبھی جدا نہ ہوتا۔ اس حالت میں ان کی محبت دو چند ہو گئی۔ سانپ یہ کل ماجرا دیکھتا تھا۔ اس کو ان دونوں پر رحم آیا لور اس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح ہو ان کو علم سکھانا چاہئے

کیونکہ علم حاصل کرنے کے بعد وہ جھوٹ سے دھوکا نہ کھائیں گے اس ارادے کو عمل میں لانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ آدم و حوا کی کمزوری نے یہ کام اور بھی دشوار کر دیا۔ بہرکیف نیک نیت سانپ نے ان کو علم سکھانے کی کوشش کی۔ یہوواہ کو اس کی مطلق خبر نہ ہوئی گو دعویٰ یہ تھا کہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی بصارت کمزور تھی۔ پس سانپ آدم و حوا کے پاس آیا' اپنے سنہری پروں اور خوبصورت بلوں کا رنگ روپ دکھا کر پہلے تو ان کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر ان کی طبیعتوں پر اس طرح اثر پہنچانا چاہا کہ زمین پر لوٹ لوٹ کر طرح طرح کے نقش بنائے۔ مثلاً دائرہ' بیضہ' لولبی کی شکلیں مرانسم کیں اور یہ اشکال ریاضیہ وہ ہیں جن کے عجیب خواص یونانیوں کے زمانے سے لے کر آج تک سب میں تسلیم ہوتے آئے ہیں۔ لیکن جب گفتگو شروع کی اور اس میں ایسے حقائق بیان کئے جن میں خود ان کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل موجود نہ تھی تو معلوم ہوا کہ آدم جس کا خمیر سرخ مٹی سے ہوا تھا علم کی باریک باتوں کو سمجھنے میں کندذہن ہے لیکن حوا جو نازکی کے ساتھ تیز فہم بھی ہے ان کو آسانی سے سمجھ لیتی ہے پس سانپ نے آدم کی عدم موجودگی میں حوا سے باتیں اس نیت سے شروع کیں کہ اپنا پہلا شاگرد بنائے۔"

دوریان۔ "زنیو تھیس معاف فرمایئے گا آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ جس قصے کو آپ نے چھیڑا ہے وہ یونان کی دیوی پالاس اینھینا اور بھوتوں کے قصے کی تمہید ہے۔ یہوواہ بہت کچھ تالفون سے مشابہ ہے اور ایتھنز والے پالاس دیوی کی جہاں شکل بناتے وہاں سانپ کی تصویر ضرور بنا دیتے تھے۔ لیکن جو کچھ آپ نے ابھی فرمایا اس سے مجھے سانپ کی حلق اور نیک نیتی میں جس کے آپ قائل معلوم ہوتے ہیں بہت شبہ ہو گیا۔ اگر سانپ حقیقت میں عقل رکھتا تھا تو اس کو زیبا نہ تھا کہ اپنی عقل کو ایک کمزور عورت کے دماغ میں بھرنے کی کوشش کرتا۔ جس میں اس کی سمائی نہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہوواہ کی طرح سانپ بھی لاعلم اور برخود غلط بھی تھا اور اس نے حوا کو اپنا مخاطب اس لئے بنایا تھا کہ عورت کو دھوکا دینا آسان سمجھتا تھا اور آدم کو غور و فکر میں حوا سے بڑھ کر جانتا تھا۔"

زنیو تھیس فلفی۔ "دوریان۔ آپ سمجھ لیں کہ غور و فکر کی قوت زیادہ رکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حقائق اعلیٰ کا ادراک صرف جودت حواس سے ہوتا ہے۔ عورتوں میں غور کرنے کی قابلیت بالعموم کم ہوتی ہے۔ لیکن ان کے حواس مردوں سے زیادہ تیز ہوتے ہیں اس لئے خدا کی باتیں ان کی سمجھ میں آسانی سے آ جاتی ہیں۔ ان میں پیش بینی کا مادہ بھی ہوتا ہے۔

اور اس بنا پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مصور بے عقل نہ تھے جنہوں نے اپولو اور یسوع مسیح کو اپنی تصویروں میں عورتوں کا سا نچلا لباس پہنایا تھا۔ آپ جیسا چاہے اختلاف کریں مگر یہ ماننا پڑے گا کہ سانپ جو آدم و حوا کا معلم بنا حقیقت میں اس اعتبار سے عاقل و زیرک تھا کہ اس نے فروغ نور کے لئے حوا کو جو دودھ سے زیادہ اجلی اور ستاروں سے زیادہ درخشاں تھی آدم پر جو غبی اور کم عقل تھا ترجیح دی۔ حوا بھولی بھالی صورت سے سانپ کی باتیں سنتی رہی اور علم کے درخت تک جانا منظور کر لیا۔ جس کی شاخیں آسمان تک بلند اور پھیلی ہوئی تھیں۔ اور روح مقدس ان پر اس طرح آسودہ تھی جیسے پتوں پر اوس پڑی ہو۔ اس درخت میں ایسے پتے تھے جو آئندہ نسلوں کی زبانیں بولتے تھے۔ اور باوجود تنوع کے ان میں ہم نوائی موجود تھی۔ یہ درخت کثرت سے پھلتا تھا اور جو واقف اسرار ہو چکے تھے وہ اس کے پھلوں کو کھا کر معدنیات، جمریات، نباتات کے علموں اور تمام طبیعی اور اخلاقی قاعدوں سے واقف ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ جس قدر پھل ہوتے تھے سب آتشیں ہوتے تھے۔ اور جو تکلیف اور موت سے ڈرتے تھے وہ ان کو اٹھا کر اپنے منہ تک نہ لے جاتے تھے۔ سانپ سے تعلیم پا کر حوا کو اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا۔ اور اس نے ان پھلوں کو چکھنا چاہا جن سے خدا کا علم پیدا ہوتا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ آدم بھی جس سے اس کو بہت محبت تھی ان پھلوں سے محروم رہ کر اس سے درجہ میں کم نہ رہ جائے حوا نے آدم کا ہاتھ پکڑ اور اس کو اس عجیب و غریب درخت کے قریب لائی اور اس میں سے ایک سیب توڑ کر پہلے خود چکھا اور پھر وہی آدم کو دیا۔ یہوواہ جو اتفاق سے اس وقت باغ میں ٹہل رہا تھا دفعتہً سامنے آ گیا اور یہ دیکھ کر کہ ان دونوں نے علم حاصل کیا ہے نہایت غضبناک ہوا۔ اور یہ غضب اکثر جب رشک کی وجہ سے ہوتی ہے تو نہایت ہی شدید اور خوفناک ہوتی ہے۔ چنانچہ یہوواہ نے اپنی تمام قوتوں کو یکجا کر کے طبقہ ہوا میں اس بلا کا طوفان اٹھایا کہ دونوں غریب جانیں خوف سے کانپنے لگیں۔ آدم کے ہاتھ سے پھل گر پڑے اور حوا نے اپنے شوہر کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا کہ "میں لاعلم رہ کر مصیبت میں ہر وقت تیری شریک رہوں گی۔" اس دن سے یہوواہ نے اس فتح کی خوشی میں آدم اور حوا اور ان کے تخم پر بدحواسی اور خوف طاری کر دیا۔ یہوواہ کا "فن" اب یہ رہ گیا کہ اپنی آتش افشانی دکھلانے کو ستارے توڑ توڑ کر آسمان پر دوڑایا کرے۔ اور اس حلقہ اثر سے باہر ہو جائے جو سانپ نے علم حاصل کر کے پیدا کیا تھا۔ ریاضی اور موسیقی کا تو وہ پہلے ہی سے استاد تھا۔ یہوواہ نے انسان کو جاہل اور ظالم رہنا سکھایا اور شر کی

حکومت قائم و جاری رکھنا سکھایا۔ قائن اور اس کے بیٹوں کے در پے آزار ہوا کیونکہ وہ محنتی اور جفاکش تھے۔ فلسطینیوں کو اس جرم میں ہلاک کیا کہ وہ ارفیوس کی طرح اشعار اور لقمان کی طرح حکایتیں لکھا کرتے تھے۔ یہوواہ علم و حکمت کا جانی دشمن تھا اور آدم کی اولاد سانپ کی ہلاکت پر صدہا برس تک رو رو کر اپنے آنسوؤں سے اس کا کفارہ کرتی رہی۔ یہ بخت و اتفاق تھا کہ یونانیوں میں چند عالم مثل فیثاغورث اور افلاطون کے ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے محض اپنی ذہانت سے ان نقوش اور خیالات کو معلوم کر لیا جو آفرینش کی سب سے پہلی عورت کو یہوواہ کے دشمن نے سکھانے چاہے تھے اور اس کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ ان نقوش اور تخیلات میں سانپ کی روح موجود تھی۔ یہی وجہ ہوئی جیسے کہ ابھی دوریان نے بیان کیا تھا کہ ایتھنز کے لوگوں میں سانپ کی بہت تعظیم ہونے لگی۔ آخرکار وہ زمانہ آیا کہ تین آسانی روحیں یعنی جلیل کا یسوع" باسیلیدس اور بلنطین انسان کے قالب میں ظاہر ہوئیں۔ اور یہ ان کے لئے اترا تھا کہ خوبصورت سے خوبصورت پھل اس شجر علم سے چنیں جس کی جڑیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں اور جس کی چوٹی آسمان تک پہنچی تھی۔ صاحبو۔ یہ ہے میرا انتقام جو میں نے یہودیوں سے لیا ہے۔ اپنی طرف سے نہیں بلکہ عیسائیوں کی طرف سے جن میں بہت سی باتیں یہودیوں کی بیان کی جاتی ہیں۔"

دوریان۔ "زینوتھیمس۔ اگر میں آپ کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھا ہوں تو خلاصہ آپ کے کلام کا یہ ہوا کہ یسوع باسیلیدس اور بلنطین نے دنیا پر وہ راز افشاں کر دیئے جو فیثاغورث اور افلاطون بلکہ تمام حکمائے یونان کی نظر سے پوشیدہ رہے تھے۔ بلکہ شاید آپ میرے استاد حکیم ابی قور کی نسبت بھی یہی کہیں گے کہ اس کو بھی ان کا علم نہ تھا۔ حالانکہ انسان کو اس کے تمام غلط خوفوں سے نجات اسی نے دی تھی۔ اب ذرا یہ ارشاد ہو کہ وہ ذرائع کیا تھے جن کی مدد سے ان تین فانی بزرگوں نے وہ علم حاصل کیا جس کا ادراک دانشوران سلف کو بھی نہ ہوا تھا۔"

ہرموڈس کاہن۔ "زینوتھیمس۔ آپ کا یہ فرمانا درست تھا کہ نفس انسانی نشاط سے اسی طرح پرورش پاتا ہے جیسے گل شبنم سے۔ لیکن اس سے آگے چلئے گا تو معلوم ہو گا کہ انسان کا نفس ناطقہ دراصل وہ چیز ہے جو نشاط کل پر قادر ہو سکتا ہے کیوں کہ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم۔ دوسرے روح حیوانی جو جسم کی طرح مادی ہے مگر نہایت لطیف۔ تیسرے نفس ناطقہ جو اصلی روح ہے اور جس کو کوئی چیز معدوم نہیں کر سکتی۔ نفس ناطقہ

جسم سے رخصت ہو کر جیسے کوئی مکین کسی دلکشا منزل کو چھوڑ کر اسے ویران کر جائے روح حیوانی کے بازوں پر سے اڑتا ہوا خدا کے حضور میں آتا ہے اور اس میں اپنی خودی کو اس پر نثار کر دیتا ہے۔ یہاں وہ موت کی لذتوں سے جن کی خبر پہلے سے مل چکی تھی یا یہ کہئے کہ حیات مستقل کی مسرتوں سے آشنا ہوتا ہے۔ کیونکہ موت بھی حیات ہے اور یہ ہی وہ حالت ہوتی ہے جبکہ اسلی صدق و صفا میں ایک نشاط لازوال اور علم بدرجہ کمال اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ وحدت میں داخل ہوتا ہے جو سب کچھ ہے اور یہی انتہائے کمال ہے۔"

نیکیاس۔ "خوب فرمایا۔ لیکن ہرمودس سچ پوچھئے تو مجھ کو تو آپ کی اس وحدت کے "سب کچھ ہونے" اور "کچھ نہ ہونے" میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ گویائی میں اتنی قوت نہیں کہ ان دونوں میں تمیز کر سکے۔ وجود لامتناہی عدم مطلق سے بہت مشابہ ہے اور دونوں فہم و ادراک کی دسترس سے باہر ہیں۔ رہا کمال میرے خیال میں یہ ایک بڑی گراں قیمت چیز ہے۔ اس کی قیمت میں انسان کو اپنی پوری ہستی لگا دینی پڑتی ہے۔ اور جب کمال ملتا ہے تو ہستی معدوم ہو جاتی ہے اور یہ وہ نقص ہے جس سے خدا بھی فلسفیوں کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا کیونکہ انہوں نے اسے کامل ثابت کرنا چاہا۔ پھر اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ "نہ ہونا" کیا چیز

ہے تو ہم اس سے بھی واقف نہیں کہ "ہونا" کس کو کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کچھ جانتے ہی نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو سمجھنا ناممکن ہے۔ میرا خیال اس کے برعکس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ باوجود تمام اختلافات کے یہ غیر ممکن ہے کہ اخیر وقت میں سب لوگ ہم خیال نہ ہو جائیں اور تناقص و تخالف کے تودوں کے نیچے جن کے ہم نے پہاڑوں پر پہاڑ چن دیئے ہیں پہلو بہ پہلو دفن ہو کر خاک کا پیوند نہ بنا دیئے جائیں۔"

لوقس قرطہ۔ "میں بھی ایک زمانہ میں حکمت و فلسفہ کا بڑا شائق تھا۔ فرصت کے اوقات میں اکثر کتابیں مطالعہ میں آئیں۔ لیکن صرف حکیم فقرو کی تصانیف میں میں اس علم کو بخوبی سمجھ سکا۔ غلامو۔ ارغوانی شراب سے پیالے بھر دو۔"

قلنترالیس شاعر۔ "لوقس۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس وقت میں ہوش میں ہوتا ہوں تو اکثر اس زمانہ میں پہنچ جاتا ہوں جبکہ یونان کے شعرائے باکمال شاہان جبار کی تقریبوں اور ضیافتوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس خیال ہی سے منہ میں پانی بھرا آتا ہے۔ لیکن لوقس۔ جب آپ کے ہاتھ کی انڈیلی ہوئی شراب پیتا ہوں تو اس کے سرور میں بجز سیاسی مسائل اور

جنگ و پیکار کے اور کوئی بات ذہن میں نہیں آتی۔ اور اس بد اقبالی اور انحطاط کے زمانہ میں نہایت دلسوزی سے حریت کا متمنی ہو جاتا ہوں۔ اور یہی نہیں بلکہ دور آخر کے رومانی شہیدوں کے ساتھ لبی پی کے میدان میں اپنا خون بہانے لگتا ہوں۔"

لوقس۔ "جس وقت روما کی جمہوری حکومت کو زوال ہو رہا تھا تو حریت کے لئے بروتیس کے ساتھ میرے بزرگوں نے بھی اپنی جانیں فدا کی تھیں۔ لیکن یہ اب تک مشتبہ ہے کہ جس چیز کو یہ لوگ رومانی قوم کی حریت کہتے تھے کیا اس سے مراد صرف ایسی طاقت نہ تھی جو خود ان لوگوں کو رومانی قوم پر حاکم بنا دے۔ مجھ کو اس سے انکار نہیں کہ حریت ایک قوم کے حق میں اس کا بہترین نفع ہو سکتی ہے۔ لیکن جس قدر میری عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے مجھے اس کا پورا پورا یقین ہوتا جاتا ہے کہ ایک مضبوط حکومت ہی وہ چیز ہے جس پر اس حکومت کے محکوم پورا بھروسہ کر سکتے ہیں۔ چالیس برس سے سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر مامور ہوتا چلا آیا ہوں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ سلطنت کے کمزور ہوتے ہی لوگوں پر ظلم ہونے لگتے ہیں۔ پس جو لوگ حکومت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں' اور مجھے افسوس ہے کہ ایسے لوگوں میں بڑے بڑے سیاسی مقرر اور مبلغ بھی شامل ہو جاتے ہیں' وہ حقیقت میں ایک قتل نفریں جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ مانا کہ کسی وقت ایک شخص واحد کی مرضی و ارادہ کی تعمیل میں سخت خوں ریزی کرنی پڑے۔ لیکن عوام کی متفقہ مرضی حاصل کرنی اتنی دشوار ہے کہ اس میں کسی ارادہ کی بھی تعمیل ممکن نہیں رہتی۔ روما کے اقبال سے جس وقت دنیا میں امن چھایا ہوا تھا۔ تو قومیں خرد مند و مطلق العنان بادشاہوں کے سایہ میں شاد و آباد رہتی تھیں۔"

ہرمودس بت خانے سراپس کے کاہن اعظم بولے۔ "لوقس میرا خیال تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی طرز حکومت بھی اچھا نہیں۔ یونان کے پرفن دماغ جنہوں نے سیاست کے بہت سے طریقے نکالے تھے ہمیشہ اسی جستجو میں رہے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ وہ قصہ ہے جس میں منزل تک پہنچنے کی امید رکھنی حرام ہے۔ ایسی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا عنقریب جہالت اور وحشت کے سمندر میں غرق ہونے والی ہے۔ لوقس۔ ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ جب تمدن کی حالت سکرات کی ہو تو ہم اس کی تیمار داری کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں۔ ذہانت' نیکی اور علم سے جو اطمینان قلب کو حاصل ہوتا ہے اس کی جگہ ہمارے لئے یہی جانکاہ مسرت مخصوص کی گئی ہے کہ اپنے کو آپ مرتا دیکھیں۔"

لوقس قوطا۔ "ظاہر ہے کہ عالمگیر مفلسی و وفاقہ کشی۔ پھر اس پر وحشی قوموں کی یورشیں ایسی آفات ہیں جن سے خوف کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ایک جہازی بیڑا اور عمدہ فوج اور محفوظ مالی حالت......"

ہرمودس کاہن نے قطع کلام کرکے کہا۔ "لوقس یہ سب دل کے بہلاوے اور بیکار خیالات ہیں۔ رومانی سلطنت جس کا اب دم واپسیں ہے۔ وحشی قوموں کا شکار ہو رہی ہے۔ بہت کچھ آثار نمایاں ہیں کہ جن شہروں نے یونانی ذہانت اور لاطینی استقلال کی بدولت شہرت اور بزرگی حاصل کی تھی وہ اب شراب خوار وحشیوں کی ترک و تاز کا نشانہ بننے والے ہیں۔ سمجھ لیجئے کہ اب علم و حکمت کا نشان روئے زمین پر نہ رہے گا۔ دیوتوں کے بت نہ صرف بت خانوں میں بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی لوندھے ہو جائیں گے۔ روح کی شب ظلمت اور دنیا کا یوم الوداع آنے والا ہے۔ کس طرح یقین ہو سکتا ہے کہ سرمانی قوم کبھی علم و ہنر کا کوئی کام سرانجام دے سکے گی۔ کیا کولوی اور مرکومانی قومیں ہمارے دیوتوں کے سامنے کبھی اپنا سر جھکائیں گی' نہیں ہرگز نہیں' ہر چیز ٹوٹ رہی ہے اور ڈوب رہی ہے۔ یہی آپ کا مصر قدیم جو دنیا کا معبد سمجھا جاتا تھا اب اس کی لحد بننے کو ہے۔ موت کا دیوتا سراپس خود موت کے حوالے ہونے والا ہے اور مجھ کو سب سے آخری خادم اس آخری دیوتا کا سمجھئے۔"

اس موقع پر کسی نے پردہ اٹھایا اور مہمانوں نے دیکھا کہ ایک پستہ قد کبڑا آدمی سر کا تمبڑا چمکتا ہوا سامنے کھڑا ہے۔ صورت عجیب ہے۔ ایشیائی لباس پہنے ہے۔ گلے میں سبز عبا اور ٹانگوں میں سرخ ازار ہے جس پر سنہری پھول کڑھے ہیں اس شکل کو دیکھتے ہی بفنوتوس پہچان گیا کہ یہ مردود فرقہ اریوس کا عیسائی مرقوس ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کے آنے سے آسمان سے بجلیاں نہ گرنے لگیں اپنے دونوں ہاتھ سر سے اونچے کر لئے اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس بدبخت عیسائی کا کمرے میں داخل ہونا کافی تھا۔ کہ بفنوتوس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ حالانکہ بت پرستوں کے کلمات کفر اور فلسفیوں کے شدید مغالطے جو اس بزم ناسپارک میں اب تک سنتا رہا تھا انہوں نے ذرا بھی ہمت پست نہ ہونے دی تھی۔ لیکن مرقوس کے آتے ہی بدحواس ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جائے لیکن جونہی تائیس کی آنکھوں سے آنکھیں ملیں دل کو تقویت ہو گئی۔ تائیس کی روح میں تو پہلے ہی داخل ہو چکا تھا اب سمجھا کہ یہ عورت چونکہ عنقریب خدا رسید ہونے والی ہے اس

لئے ابھی سے وہ میری حفاظت پر نظر رکھتی ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً تائیس کا دامن پکڑ لیا اور چپکے چپکے دعائیں پڑھ کر مسیح سے امیدوار نجات ہو گیا۔

مرقوس کے آتے ہی جو عیسائیوں کا افلاطون مانا جاتا تھا ہر طرف سے تعریف کی ایک ہلکی سے آواز کمرے میں گونجنے لگی اور ہرمودس کاہن نے کہا:

"نہایت شریف مرقوس۔ آپ کا قدم رنجہ فرمانا ہم سب کا باعث مسرت ہوا۔ جہاں تک عیسوی مذہب کی تعلیم عام طور پر مروج ہے اس سے ہم واقف ہیں لیکن آپ ایک فلسفی ہیں۔ آپ کا طرز خیال ایک عامی کی مثل نہیں ہو سکتا۔ پس ہم مشتاق ہیں کہ جس مذہب کو آپ مانتے ہیں اس کے خاص اسرار کی نسبت آپ کا خیال معلوم کریں۔ یہ ہمارے عزیز دوست زینو تھیمس فلسفی جن کی نسبت آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے مذہبی رموز کے دل سے شیفتہ ہیں۔ ابھی ابھی پفنونوس سے یہودیوں کی کتابوں کے بارے میں کچھ سوال کرتے تھے مگر پفنونوس جواب نہ دے سکے کیوں کہ انہوں نے خاموش رہنے کی قسم کھائی ہے اور خدا نے ان کے لبوں پر مہر سکوت اس وقت سے لگا دی ہے جب سے کہ وہ صحرا میں گوشہ نشین ہوئے ہیں۔ لیکن مرقوس چونکہ آپ مسیح کے کلیسوں میں اور قسطنطین کے عیسوی مجلسوں میں شریک رہ چکے ہیں اس لئے آپ چاہیں تو ہم پر وہ حقائق روشن کر سکتے ہیں جو عیسائیوں کے قصص میں مخفی ہیں۔ غالباً آپ کا سب سے پہلا عقیدہ خدائے واحد کا وجود ہے جس کا میں بھی جہاں تک اپنی نسبت کہہ سکتا ہوں دل سے معتقد ہوں۔"

مرقوس۔ "میرے محترم بھائیو۔ میں خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہوں جو مولود نہیں ہے۔ ایک ہے اور ازلی ہے اور مبداء کائنات ہے۔"

نیکیاس۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ عالم آپ کے خدا نے پیدا کیا ہے۔ مگر یہ واقعہ اس کے وجود ازلی میں سخت بحران کا دن ہو گا۔ پیشتر اس کے کہ عالم کو خلق کرنے کا ارادہ کرے وہ ایک مدت لامتناہی سے موجود تھا۔ اس ارادہ کے موقعہ پر کہ کائنات کو پیدا کرے میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ بڑے مخمصے میں ہو گا۔ کیونکہ اپنا کمال برقرار رکھنے کو تو اتنی مدت تک عدیم العمل رہنا پڑا اور اس خواہش سے (اگر وہ پیدا ہوئی) کہ اپنا وجود خود اپنے اوپر ثابت کرے عامل بننے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کا آپ مجھے یقین دلاتے ہیں کہ اس نے عامل بننے کا قصد کیا۔ مرقوس میں آپ کے فرمانے کا یقین کرتا ہوں گو یہ ضرور کہوں گا کہ خدائے کامل

کے لئے یہ سو تدبیر ایسی تھی جو قابل معذرت نہیں۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ یہ عالم خدا نے کس طرح بنانا شروع کیا۔"

مرقوس اریوسی۔ "جو عیسائی مذہب نہیں رکھتے لیکن علم و دانش کے اصول سے واقف ہیں جیسے کہ ہرموڈس اور زیتو تھیس یہاں موجود ہیں ان کو جاننا چاہئے کہ خدا نے یہ عالم بلاواسطہ اور بغیر ایک درمیانی کے پیدا نہیں کیا اس نے اپنا اکلوتا بیٹا پیدا کیا اور اسی فرزند وحید نے اس عالم کو مصنوع کیا۔"

ہرموڈس کاہن۔ "مرقوس۔ یہ آپ نے سچ فرمایا۔ اس فرزند کے مختلف نام ہیں۔ مثلاً ہرمیس، متھرا، ایدونس، اپولو، یسوع اور ان ہی ناموں کے ساتھ اس کی پرستش ہوتی ہے۔"

مرقوس۔ "میں عیسائی نہیں رہ سکتا اگر سوائے یسوع مسیح یا منجی کے کوئی دوسرا نام صانع کائنات کا تجویز کروں۔ وہ حقیقی فرزند خدا کا ہے۔ لیکن وہ ازلی و قدیم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ابتدا رکھتا ہے۔ یہ خیال کہ مولود ہونے سے پہلے وہ موجود تھا ایک ہذیاں ہے جو نیقیہ کے نچڑوں اور اس خر بدتمیز کو مبارک رہے جس نے اسکندریہ کے کلیسا پر اثنا ناشوس ملعون کے نام سے مدتوں حکومت کی تھی۔"

اپنے بطریق کی شان میں یہ گستاخی سن کر پفنونوس نے جس کی پیشانی تکلیف اور غصہ سے پسینے میں تر تھی نشان صلیب بنایا اور بدستور خاموش رہا۔

مرقوس نے اپنی تقریر جاری رکھی:

"نیقیہ کی مجلس نے مسیحی دین کا جو کلمہ حقیقتہً غلط طور پر وضع کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدائے واحد کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور یہ اس طرح کہ اس کی ناقابل تقسیم صفات کو خدا پر اور جس کو خدا ظہور میں لایا یعنی اس کے فرزند پر تقسیم کر دیا۔ نیکیاس تم عیسائیوں کے خدائے برحق کی جناب میں کفر کے کلمے منہ سے نہ نکالو۔ خدا نہیں بلکہ ابن خدا سے یہ عالم پیدا ہوا ہے۔ خدا کی نسبت تمہارا یہ سمجھنا کہ وہ عالم بنایا وہ کام کاج کرتا ہے ایسا ہی نامعقول خیال ہے جیسے کسی گلزار کے پھولوں کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ بوجھ ڈھوتے یا چرخہ چلاتے ہوں گے۔ خدا کوئی مزدور نہ تھا۔ یہ یسوع تھا جس نے اس عالم کو بنایا اور بنانے کے بعد اس کی درستی اور اصلاح کے لئے پھر اس کو یہاں آنا پڑا۔ کیونکہ آفرینش کمل نہ تھی۔ خیر کے ساتھ شر اس میں ضرورتاً شامل کی گئی تھی۔"

نیکیاس۔ "خیر کیا چیز ہے اور شر کیا چیز ہے۔"

اس سوال پر کچھ دیر تک سب لوگ خاموش رہے۔ اسی اثنا میں ہرمودس کاہن نے جس کے ہاتھ میز پر پھیلے ہوئے تھے۔ ایک کورنتھی دھات کا بنا ہوا میوہ دان جس کی شکل یہ تھی کہ ایک گدھے پر دو بورے لدے تھے اٹھا لیا۔ ایک بورے میں زیتون کے سفید پھل تھے اور دوسرے میں سیاہ۔ اس میوہ دان کو اٹھا کر ہرمودس نے کہا:

"ذرا پھلوں کو دیکھئے سیاہ و سفید رنگ پاس پاس ہونے کی وجہ سے وہ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ان پھلوں کو اور اک اور گویائی ملے تو سفید پھل کہیں گے کہ زیتون کے لئے یہی اچھا ہے کہ اس کا پھل سفید ہو۔ سیاہ ہونا اس کے لئے برا ہے۔ جن لوگوں کے پاس سیاہ پھل ہوں گے وہ سفید پھل والوں کو نفرت سے دیکھیں گے۔ لیکن ہم ان پھلوں کی بہ نسبت بہتر طریقہ پر اس بحث کا فیصلہ کر سکتے ہیں کیونکہ ان میں اور ہم میں وہی فرق ہے جو ہم میں اور دیوتاؤں میں ہے۔ انسان کے لئے جو ہر چیز کے صرف ایک پہلو کو دیکھ سکتا ہے برائی بھی ایک نعمت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بدصورتی ہے خوبصورتی نہیں۔ لیکن اگر ہر چیز خوبصورت ہوا کرتی تو وہ خوبصورت نہ رہتی' اس لئے برائی کا موجود ہونا اور وہ بھی بھلائی سے زیادہ مقدار میں ہونا ایک امر خیر ہے۔"

افریطوس۔ "اس بحث میں بھلائی کو زیادہ ملحوظ رکھئے۔ برائی اس کائنات کے لئے نہیں ہے جس کی ساخت میں وہ کوئی نقصان پیدا نہیں کر سکتی بلکہ وہ گنہگار کے ساتھ مخصوص ہے جو برائی کرتا ہے مگر ہو نہیں سکتی۔"

لوقس۔ "یہ دلیل واقعی بہت باریک ہے۔"

افریطوس۔ "دنیا ایک شاعر کا لکھا ہوا پردرد ناٹک ہے۔ خدا نے جو اس کا مصنف ہے ہم سب کو ایک سانگ بھرنے کو دے رکھا ہے۔ اگر اس نے چاہا کہ یہ فقیر بنے وہ شاہ بنے۔ یہ لنگڑا اور اپاہج رہے تو ہر حال میں ہمارا فرض ہے کہ جو سانگ بھرنے کو ملا ہے اسے اچھی طرح بھریں۔"

نیکیاس۔ "کیا خوب فرمایا ہے۔ واقعی اس ناٹک میں لنگڑے کے لئے یہی اچھا ہے کہ ہمیشہ لنگڑاتا رہے۔ دیوانے کے لئے یہی بھلا ہے کہ ہمیشہ پاگل رہے' حرام کار عورتوں کی خیر اسی میں ہے کہ حرام کاری کرتی رہیں' اسی طرح مکار کے لئے مکاری' دغاباز کے لئے دغابازی' قاتل کے لئے خون ناحق۔ یہ سب بھلائیاں ہی بھلائیاں ہیں اور جب سانگ پورا بھر لیا جائے تو فقیر اور بادشاہ' عادل اور ظالم' پاک دامن لڑکیاں اور بے شرم جوروئیں' فیاض تونگر

لور کمینے قابل سب کے سب شاعر کی زبان سے تعریف کا ایک ہی سا حصہ پانے کے مستحق ہو جائیں۔"

اقریطوس۔ "آپ میرے مفہوم کو الٹ دیتے ہیں گویا ایک خوشنما چیز کو بدنما بنا کر دیکھتے ہیں۔ دیوتاؤں کی فطرت لور ان کے عدل و آئین سے آپ قطعی ناواقف ہیں لور آپ کا یہ چلن بر کب قابل افسوس ہے۔"

زنیو ثمیس قلفی۔ "حضرات سنئے۔ میں خود بھلائی لور برائی خیر و شر کی اصلیت کا قائل ہوں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ انسان کا کوئی فعل بذات واحد ایسا نہیں جس میں اس کی نجات کا تخم موجود ہو۔ خواہ یہ فعل یہودا اسکریوتی کا بوسہ ہی کیوں نہ ہو۔ انسان کی نجات بدرجہ غایت جن چیزوں سے ظہور میں آسکتی ہے اس میں برائی بھی شریک ہو کر اپنا عمل کرتی ہے لور اسی بنا پر یہ سمجھنا چاہئے کہ برائی بھلائی سے پیدا ہو کر جو خوبی بھلائی میں ہوتی ہے اس سے اپنا حصہ لیتی ہے۔ اس اصول کو عیسائیوں نے یسوع کے اس شاگرد کے قصے میں خوب دکھلایا ہے جس نے استاد کا بوسہ لے کر اس کو دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار کرایا تھا۔ اسکریوتی کے اس فعل نے ابنائے آدم کی نجات کو ایک یقینی امر کر دیا۔ پس یسوع کے اس شاگرد پر پولوس کے بعض مریدوں نے جو نفرین کی ہے وہ میرے نزدیک سراسر بے انصافی لور غلطی پر مبنی ہے۔ انہوں نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا کہ اسکریوتی نے سلام کر کے جو بوسہ لیا تھا اس کی خبر خود یسوع پہلے سے دے چکا تھا۔ لور مذہب عیسوی کے مطابق اس واقعہ کا پیش آنا انسان کی نجات کے لئے ضروری تھا۔ اگر یہ بدنصیب شاگرد استاد کے گرفتار کرانے کے لئے اس کے دشمنوں سے تیس تولے چاندی نہ کما لیتا تو حکمت الٰہی کا بطلان ہو جاتا۔ پروردگار دھوکے میں پڑتا لور یہ دنیا بالکل فساد لور شر، جہالت لور موت کا لقمہ ہو جاتی۔"

مرقوس۔ "اسکریوتی اگر چاہتا تو دھوکا دینے کی نیت سے یسوع کا بوسہ نہ لیتا مگر قضاء الٰہی کو یہی منظور تھا کہ وہ ایسا کرے۔ پس حکمت خداوندی نے قصر نجات کی تعمیر میں اسکریوتی کے گناہ سے ایک پتھر کا کام لیا۔"

زنیو ثمیس قلفی۔ "مرقوس۔ ابھی ابھی میں نے اس طرح گفتگو کی تھی کہ گویا میں یسوع مصلوب کو انسان کی نجات کا فی الحقیقت ایک ذریعہ باور کرتا ہوں۔ لیکن اس سے میرا مطلب صرف اس قدر تھا کہ میں عیسائیوں کے اس اعتقاد سے واقف ہوں لور میں نے ان

کے عقائد پر اس وجہ سے اور بھی غور کیا ہے کہ ان کے مخالفوں یعنی یہودیوں کی غلطی کو سمجھ سکوں جن کا یقین ہے کہ یسوع پر ہمیشہ کے لئے غضب الٰہی نازل ہو چکا ہے۔ لیکن واقعہ صرف اتنا ہے کہ میں یسوع کو باسیلیدوس اور بلنطین کا پیش رو سمجھتا ہوں۔ رہا نجات کا معمہ تو حضرات اگر آپ اس کے سننے کے مشتاق ہوں تو وہ حالات عرض کروں جن سے انسان کی نجات اس دنیا میں فی الواقع عمل میں آئی ہے۔"

حاضرین شروع کرنے کے لئے اشاروں میں کہنے کو تھے کہ اتنے میں بارہ نہایت حسین اور جوان عورتیں اناروں اور سیبوں کی ٹوکریاں سر پر رکھے بانسری کی لے پر قدم اٹھاتی اور ٹھوکریں لیتی اس طرح کمرے میں داخل ہوئیں جیسے ایتھنز کی کنواری لڑکیاں اناج کی بالیں ڈلیوں میں رکھے یونان کی دیوی ڈیمیٹر کے تہوار میں آیا کرتی تھیں۔ پھلوں کی ٹوکریاں عورتوں نے میز پر رکھ دیں۔ بانسری کی آواز بند ہوئی۔ اور زینو تھیس نے اس طرح اپنی تقریر شروع کی:

"جب یونیہ یعنی "توجہ خداوندی" نے عالم پیدا کر لیا تو روئے زمین کا انتظام فرشتوں کے سپرد ہوا۔ لیکن کچھ دنوں بعد وہ سلامتی قلب جو ایک حاکم اور منتظم میں ہونی چاہیے ان میں باقی نہ رہی۔ یہ دیکھ کر کہ آدم کی بیٹیاں نہایت خوبرو ہیں انہوں نے اچانک تالابوں کے کنارے آ کر ان کو گھیرنا شروع کیا۔ اس طرح آدم کی بیٹیوں اور ان فرشتوں سے ایک قوم بہت ہی ظالم اور جفاکار پیدا ہوئی جس نے دنیا میں ظلم اور بے انصافی کا بازار گرم کر دیا۔ اور اتنی خونریزی کی کہ رستوں کی پالتو خاک نے بھی بے گناہوں کا خون خوب سیر ہو کر پیا۔ یہ دیکھ کر یونیہ نہایت غمگین ہوئی۔

آسمان سے زمین کی طرف جھک کر دیکھا اور ایک آہ سرد بھر کر کہنے لگی۔ "افسوس یہ میرے ہی کرتوت ہیں۔ یہ میرا ہی قصور ہے کہ آج میرے بچے ظلم و ستم سہہ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی تکلیفیں میرے جرائم ہیں۔ جس طرح بھی ہو ان کی مصیبت کو دور کرنا میرا فرض ہے۔ خدا جو میرے ذریعے سے توجہ کرتا ہے اب اس کی قدرت سے باہر ہے کہ آدمیوں میں ان کی پہلی سی پاکیزگی پیدا کر دے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ آفرینش میں ہمیشہ کو بل آ گیا۔ مگر میں کسی حال میں اپنی مخلوق کو تکلیف میں نہ رہنے دوں گی۔ اگر میں ان کو اپنی حس خوشحال نہیں بنا سکتی تو خود ان کی حس بدحال بن سکتی ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان کو جسم دیئے جنہوں نے ان کو ذلیل و خوار کیا۔ اب میں بھی ان ہی کا جسد

اختیار کرتی ہوں اور انہی میں آباد ہونے کو آسمان سے رخصت ہوتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر یونیہ زمین پر اتر آئی اور ایک آرگوسی عورت کے بطن میں مجسم ہو کر اس دنیا میں نہایت نحیف و ناتواں پیدا ہوئی۔ اور یہاں اس کا نام ہیلن رکھا گیا لیکن چند سال گزرنے پر وہ حسن و زیبائی میں عدیم المثال ہو گئی۔ وہ دنیا کی سب عورتوں سے زیادہ خواہشات کا مرکز بن گئی۔ چونکہ اس نے قصد کر لیا تھا کہ اپنے پیکر فانی کو انتہائی آلائشوں سے آلودہ کرے گی پس وہ شہوت پرست جفاکاروں کے لئے ایک بے حس شکار بن گئی اور اس نے اپنے تئیں جبریہ مباشرت اور حرام کاری کے لئے وقف کر دیا۔ تاکہ دنیا میں جس قدر زنا و ظلم یا انصاف کا خون ہو رہا تھا اس کا کفارہ بنے اور اپنے حسن جہان سوز سے قوموں کو غارت کر کے تمام عالم کے گناہوں کو خدا سے معاف کروا دے۔ جس زمانہ میں یونیہ پرانے سورماؤں اور کمینہ باتوں سے مبتلا رہتی تھی تو جتنا اس وقت دنیا نے اس کو اور آسمان کو تعریف و پرستش کے لائق سمجھا ایسا پہلے کبھی نہ سمجھا تھا۔ شاعروں نے اس کو امن وسلامتی۔ عظمت و ہلاکت کی زندہ تصویر بنا کر دکھایا۔ اور جب اس کی شان میں یہ کہنا شروع کیا کہ وہ ایک روح ہے ساکن و سلیم جیسے خاموش موجوں کا سکوت تو انہوں نے یونیہ کو خدا بنانا چاہا۔

اس طرح یونیہ کی رحمدلی اور ہمدردی اس کو معصیت اور سیہ کاری کی نجاست میں گھسیٹ لائی۔ یہاں تک کہ ہیلن کے بدن میں یونیہ مر گئی۔ آرگوسی قوم والے اب تک اس کی قبر کا نشان بتاتے ہیں۔ دنیا کی لذتوں کے بعد موت کی چاشنی اور جتنے کڑوے بیج بوئے تھے ان کے کڑوے پھل چکھنے اس کے لئے ضروری ہوئے۔ اب ہیلن کی سڑتی ہوئی لاش سے یونیہ کی روح علیحدہ ہو کر ایک دوسری عورت کے پیکر میں سما گئی اور پھر سابق کی طرح گناہوں کا تختہ مشق بنی۔ ایک جسد سے دوسرے جسد میں گزرتی ہوئی اور بنی نوع انسان کی زبون کاریوں کے ازمنہ دراز کو طے کرتی ہوئی آخر کار اس نوبت کو پہنچ کہ آج تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لئے کھڑی ہے۔ اس کی یہ قربانی اس کا یہ چڑھاوا بیکار نہ جائے گا۔ جسم کی بندش میں ہمارے ساتھ بندھ کر ہماری جہالت اور الفت میں چور ہو کر ہمارے گریے میں اپنی آہ و زاری ملا کر وہ ایک دن ہماری اور اپنی نجات حاصل کرے گی۔ اور آخر کار ارض و سما کو فتح کر کے جو امن پیدا کرے گی وہ ایک جوہر آبدار کی مثل اس کے قلب سیمین پر چمکتا ہوا ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہو گا۔"

ہرمودس کاہن۔ "یہ قصہ مجھے بھی معلوم ہے کسی نے بیان کیا ہے کہ اسی تناسخ کے دور میں یہی ہیلن شہنشاہ طبریوس کے دور حکومت میں ایک مشہور جادوگر سلیمون کی داشتہ عورت بنی تھی۔ لیکن میں اب تک یہی سمجھتا تھا کہ ہیلن کا زوال خود اس کے قصد کا نتیجہ نہ تھا بلکہ فرشتوں نے اپنی جاہی میں اس کو بھی لپیٹ لیا تھا۔"

زنو تھیس فلسفی۔ "ہرمودس یہ درست ہے کہ جو لوگ ناقص طور پر واقف اسرار ہوئے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ غمگین یونیہ قصداً" اپنی جاہی کا باعث نہیں ہوئی۔ اگر ان کا قول صحیح ہے تو پھر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یونیہ محض گناہوں کے کفارے کے لئے ایسی فاحشہ بنی تھی جو بدنامی کے داغوں سے چتی ہوئی تھی' یا وہ کوئی روئی تھی جو بے شرمی کے شیرۂ انگور میں بھیگی تھی۔ یا فی الواقع وہ ایک مستحق ثواب قربانی یا پسندیدہ چڑھاوا تھی یا کوئی جلتا ہوا صدقے کا جانور تھی جس کا دھواں خدا تک پہنچا تھا۔ اگر اس کے گناہ قصداً" نہ تھے تو پھر ان میں کوئی صورت خیر کی بھی نہ تھی۔"

قلتراطیس شاعر۔ "لیکن زنو تھیس یہ فرمایئے کہ یہ بار بار زندہ ہونے والی ہیلن آج کل کس ملک میں کس نام و شکل سے موجود ہے۔"

زنو تھیس فلسفی۔ "اس بھید کو پہنچنے کے لئے بڑی عقل چاہئے۔ اور قلتراطیس عقل ایسی شے ہے جو شاعروں کو نہیں ملی ہے۔ یہ لوگ تو اس کمینی دنیا کی بھونڈی صورتوں پر جیتے ہیں اور نادان بچوں کی طرح بے حقیقت شکلوں اور باطل صداقتوں سے جی بہلایا کرتے ہیں۔"

قلتراطیس شاعر زنو تھیس۔ ذرا دیوتاؤں کے عتاب و غضب سے بچتے رہیے گا۔ شاعر ان کو بہت عزیز ہیں۔ یہ شعر ہی تھا جس میں دیوتاؤں نے اپنے سب سے پہلے قوانین لکھوائے تھے۔ ندائے غیب بھی ہمیشہ نظم ہی کی صورت میں سنائی دی ہے۔ خدا کی تعریف بھی شعر ہی کی شکل میں خدا کے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کون کہتا ہے کہ شاعر بصیرت نہیں رکھتے۔ ان کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں' چونکہ میں شاعر ہوں اور اپولو کے پھولوں کا تاج میرے سر پر رہ چکا ہے اس لئے جانتا ہوں کہ آخری جنم یونیہ نے کس میں لیا۔ سنئے ہیلن آپ سے بہت قریب ہے وہ ہمیں دیکھتی ہے ہم اسے وہ کوچ پر تکیہ لگائے جو کوئی بیٹھا ہے کیا آپ اس کو نہیں دیکھتے۔ حسن میں کیسی بھرپور ہے۔ مگر دل ٹھکانے نہیں معلوم ہوتا۔ آنکھوں میں آنسو ہیں اور لبوں پر بوسے۔ پریام کے زمانے کو خیال کیجئے مگر ہیلن اب

تک اپنے اسی حسن لازوال اور ایشیا کی شان پر جمال میں زندہ ہے۔ دوستوں سنئے۔ یونیہ آج کل تائیس ہے۔"

قانیہ۔ "قلتراطیس آپ نے کیا کہا؟ اگر ہماری تائیس پریام کے زمانے میں موجود تھی تو پھر الیوم کے میدان میں بڑے بڑے شہسواروں سے ملاقات کر چکی ہو گی۔ تائیس پیاری سچ کہنا تروجہ والا گھوڑا کیا بہت ہی بڑا تھا۔"

ارسطوبلس۔ "گھوڑے کا نام کس نے لیا۔"

کاروس نشہ میں چور اپنی کرسی سے گر کر لوھکتا ہوا میز کے نیچے پہنچا۔ اور وہیں سے کہنے لگا۔ "واہ آج تو تھر سیا کے شرابیوں سے بھی بازی لے گیا ہوں۔ خم کے خم لنڈھا دیئے ہیں۔"

قلتراطیس نے شراب کا پیالہ منہ سے لگا کر کہا۔ "اگر آج بے حساب پی کر مرے تو پھر ہماری جان کا خوں بہا کچھ نہیں ہے۔"

لوقس میزبان چوڑے چکلے شانوں پر گردن اور جھکتے سر کو سیدھا کئے آنکھیں بند کئے آرام کرتا رہا۔

دوریان کے لئے کچھ عرصہ فلسفے کا خرقہ پارسائی تکلیف دہ ہو چلا تھا۔ آخر کار نہ رہ سکا۔ تائیس کی کوچ کے قریب آ کر کہنے لگا:

"تائیس۔ مجھے تم سے عشق ہے۔ گو ایک عورت سے عشق رکھنا میرے لئے سخت نازیبا ہے۔"

تائیس۔ "مگر یہ عشق کبھی پہلے آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔"

دوریان۔ "کیا خوب۔ تو پھر مجھے اس عشق شراب آفریدہ سے معاف رکھا جائے۔ میں نے صرف پانی پیا ہے۔"

دوریان نے تائیس کا پورا جواب بھی نہ سنا اور دورشہ کی طرف کھسک گیا۔ دروشہ نے اشارہ کر کے کہا کہ اپنے دوست کاروس کو میز کے نیچے سے نکالئے۔ اب دوریان کی جگہ خالی پاتے ہی زینو تھیمس فلسفی تائیس کے پہلو میں آ بیٹھا اور اس کے لبوں کا بوسہ لے لیا۔

تائیس۔ "میں تو سمجھی تھی کہ آپ اوروں سے زیادہ نیک بخت ہیں۔"

زینو تھیمس۔ "میں کامل ہوں اور جو کامل ہو وہ ہر قانون سے آزاد ہے۔"

تائیس۔ "لیکن کیا آپ کو اس کا ڈر نہیں کہ ایک عورت کا بوس و کنار آپ کی روح

کو نجس کر دے گا۔"

زینو ثیمس۔ "جسم خواہش سے مغلوب ہو جائے مگر روح پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔"

تائیس۔ "تو پھر تشریف لے جائیے۔ مجھے ایسا عاشق درکار ہے جو روح اور جسم دونوں کو معشوق پر فدا کر دے۔ سچ ہے یہ جتنے فلسفی ہوتے ہیں نرے بکرے ہی ہوتے ہیں۔"

چراغ ایک ایک کر کے سب گل ہو گئے۔ صبح کی زردی مائل روشنی پردوں کی جھریوں سے اندر آ کر مہمانوں کی سوجی ہوئی آنکھیں اور چہروں کی نیلگوں سرخی دکھانے لگی۔ ارسطوبلس کے پاس کاروس مدہوش پڑا تھا۔ کبھی کبھی گھونسے بنا کر دکھاتا تھا اور اس طرح للکارتا تھا کہ گویا اپنے سائیسوں کو ڈانٹ رہا ہے۔ زینو ثیمس زرد صورت فانیہ کو بغل میں لئے سوتا تھا۔ دوریان فلسفی دروشہ کے ننگے گلے پر شراب کے قطرے ٹپکاتا اور جب یاقوت کی سی سرخ بوندیں بہتی ہوئی نیچے آتیں تو گدگدی سے ہنسی اور ہنسی سے سینہ اوپر نیچے ہوتا اور یہ فلسفی شراب کے بہتے ہوئے قطروں کو گوری گوری جلد سے چاٹنے کے لئے اپنی زبان دوڑاتا۔ اتنے میں قھریطوس اٹھا اور نیکیاس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کمرے کے آخیر سرے کی طرف گیا اور وہاں نیکیاس سے ہنس کر پوچھنے لگا:

"عزیز من۔ اس وقت جس خیال میں ہو اسے میرے سامنے بیان کرو۔"

نیکیاس۔ "میں یہ سوچتا تھا کہ عورتوں کو جب عشق ہوتا ہے تو اس کی مثال ایڈونس والے باغیچوں کی سی ہوتی ہے۔"

قھریطوس۔ "اس سے کیا مطلب ہوا۔"

نیکیاس۔ "کیا آپ کو نہیں معلوم کہ عورتیں ہر سال اپنے اپنے گھروں میں ہرے ہرے پودے مٹی کے برتنوں میں لگا کر وینس دیوی کے عاشق ایڈونس کی یادگار میں چھوٹی چھوٹی پھلواریاں تیار کیا کرتی ہیں۔ لیکن یہ پودے دو چار دن ہرے رہ کر مرجھا جاتے ہیں۔"

قھریطوس۔ "پھر اس میں ہمارا کیا بگڑا ایسی چیز جو گزرنے والی ہو اس کا شوق بیکار ہے۔"

نیکیاس۔ لیکن اگر حسینوں کا حسن ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے تو ان سے ملنے کا شوق بھی ایک نور کی شعاع ہے جو ڈھل جائے گی۔ نہ اس کو دوام ہے نہ اس کو۔ پھر حسینوں کی چاہت کو کیوں بیکار سمجھا جائے۔ اس میں تو کوئی بے عقلی کی بات نہیں ہے کہ ایک گزرنے والی چیز ایسی چیز کا شوق رکھے جسے خود ثبات نہیں۔ اور روشنی اپنی کرن دوڑا کر اترتی چھاؤں

کا بالکل ہی خاتمہ کر دے۔"

قریطوس۔ "نیکیاس۔ تمہارا حال تو بالکل بچوں کا سا ہے۔ کھلونوں سے کھیلا کرتے ہو۔ میری بات مانو" آزاد ہو جاؤ۔ مرد بننے کا یہی طریقہ ہے۔"

نیکیاس۔ "جب تک اس جسم میں روح مقید ہے آزادی چہ معنی دارد۔"

قریطوس۔ صاحبزادے۔ کچھ دور نہیں ہے۔ ابھی دیکھ لو گے۔ کوئی دم جاتا ہے کہ کہو گے قریطوس آزاد ہو گیا۔"

اس پیر فرزانہ کے منہ سے جس وقت یہ جملہ نکلا تھا تو وہ سنگ ساق کے ایک ستون سے سہارا لئے کھڑا تھا۔ اور اس کی پیشانی پر آفتاب کی پہلی شعاعیں پڑ رہی تھیں۔ اتنے میں ہرمودس کاہن اور مرقوس اریوسی بھی ادھر ہی چلے آئے۔ اور نیکیاس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور یہ سب شرابیوں کے شور بے تمیزی سے بے پروا ہو کر خدا کی باتیں کرنے لگے۔ قریطوس نے اس وقت ایسی عاقلانہ تقریر کی کہ مرقوس عیسائی بے اختیار کہہ اٹھا:

"آپ حقیقت میں خدائے برحق کی معرفت حاصل کرنے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں۔"

اس کے بعد یہ لوگ موت پر گفتگو کرنے لگے۔

قریطوس نے کہا کہ "میں موت کا آرزو مند ہوں۔ اس وقت میں اپنے نفس کی اصلاح اور زندگی کے فرائض ادا کرنے میں دل و جان سے مصروف ہوں۔ چاہتا ہوں کہ موت آئے تو اسی حال میں آئے۔ مگر اس کے آنے سے پہلے میں اپنے بے گناہ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دیوتاؤں سے عرض کروں گا کہ اے معبودو۔ اپنی صورتوں کے جو بت تم نے میری روح کے صنم خانے میں رکھ دیئے تھے ان کو میں نے خراب نہیں کیا۔ اپنے پاکیزہ خیالات پھولوں کی طرح ان پر چڑھائے ہیں۔ تمہاری مشیت کے مطابق جیا ہوں۔ اور اب میری عمر بہت ہو چکی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور اس کا چہرہ روشنی سے چمکنے لگا۔ کچھ دیر فکر میں رہا۔ پھر خوش ہو کر کہنے لگا:

"قریطوس۔ بس زندگی سے اپنے تئیں اس طرح جدا کر لے جیسے پکا ہوا پھل ڈالی سے جدا ہو جاتا ہے اور اس درخت کا شکر گزار ہوتا ہے جس میں پھلا تھا۔ اور اس زمین کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے جس نے اس کو پرورش کیا تھا۔"

یہ جملے منہ سے نکلے ہی تھے کہ قریطوس نے فوراً جیب سے برہنہ خنجر نکال کر اپنے سینے میں بھونک لیا۔

جو لوگ قریب کھڑے تھے انہوں نے فوراً قریطوس کا ہاتھ پکڑ لیا مگر خنجر کی نوک دل کے پار ہو چکی تھی۔ قریطوس عدم میں پہنچ گیا۔ ہرموڈس اور نیکیاس نے اس کی خون آلودہ لاش اٹھا کر ایک کوچ پر رکھی۔ عورتیں یہ ماجرا دیکھ کر چیخنے لگیں۔ سوتے ہوئے مہمان چونک کر چلانے لگے۔ یہاں تک کہ پردوں کی آڑ میں جو لوگ عیش و سرور میں چپکے چپکے چپتے یا باتیں کرتے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ لوقس میزبان کے کان میں جب کچھ آواز پہنچی تو وہ فوراً ایک سپاہی کی طرح نیند سے ہوشیار ہوا لاش کے قریب آ کر زخم کو دیکھا اور پکارا:

"میرے طبیب ارسطوس کو بلاؤ" نیکیاس نے کہا۔ "اب کیا ہوتا ہے۔ قریطوس گزر گئے۔ عاشق اپنے معشوق کے وصل کا بھی ایسا شائق نہ ہوتا ہو گا جیسے یہ موت کے متمنی تھے۔ ہم لوگوں کی طرح یہ بھی اس دنیا میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں رہے جسے کبھی وہ بیان نہ کر سکے۔ اب وہ دیوتاؤں کی مثل ہو گئے جو ہر چیز سے مستغنی ہیں۔"

لوقس نے اپنا ماتھا کوٹ کر کہا:

"موت۔ موت کی تمنا جب تک انسان سلطنت کی خدمت کر سکتا ہے اس وقت تک موت کی آرزو ایک مہمل چیز ہے۔"

پفنونوس اور تائیس پاس پاس بالکل خاموش کھڑے رہے۔ یہ دونوں اس وقت نفرت' خوف اور امید سے بے حد متاثر تھے۔

دفعتاً راہب نے تائیس کا ہاتھ پکڑا۔ اور شرابیوں کو جو فرش پر پڑے تھے پھلانگتا ہوا اور ان عورتوں اور مردوں سے بچتا ہوا جو لپٹے پڑے تھے کسی طرح تائیس کو اس شراب اور خون کے خرابے سے باہر نکال لایا۔"

دن نکلنے کو تھا۔ سڑک کے کنارے دونوں طرف اونچے اونچے ستونوں والے برآمدے دور تک چلے گئے تھے۔ اور ان کے خاتمہ پر سکندر کے مقبرے کا کلس شعاع آفتاب سے چمکنا شروع ہو گیا تھا۔ رستے میں جا بجا کچے پھولوں اور پتوں کے ہار اور بجھی ہوئی مشعلوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔ سمندر سے تازی تازی ہوا آ رہی تھی۔ پفنونوس اب تک نیکیاس کی دی ہوئی عبا پہنے ہوئے تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس کو فوراً اتارا اور اس کی

دھجیاں کر کے دھجیوں کو پاؤں کے نیچے خوب روندا۔ اور کہنے لگا:

"تائیس تو نے دیکھا کہ ان بدبختوں نے کیسی ناپاک اور غلط تقریریں کی تھیں؟ کس طرح خالق کائنات کو شیاطین جہنم کا سردار بنا کر دکھایا۔ نہایت بے غیرت بن کر خیر و شر سے انکار کیا۔ یسوع کی جناب میں گستاخیاں کیں اور یہودا اسکریوتی کی تعریف کی۔ اور ان سب میں سب سے بڑھ کر روسیاہ اندھیرے کا گیدڑ بدبودار جانور وہ اریوسی عیسائی مرقوس تھا جس نے گفتگو کے لئے اپنا منہ اس طرح کھولا جیسے کسی سڑے ہوئے مردے کی متعفن قبر کھل جائے۔ تائیس تو نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ یہ گندے نجس کیڑے کس طرح رینگتے ہوئے تجھ تک پہنچے تھے کہ اپنی کثافت سے تیرے دامن کو ناپاک کریں۔ تو نے ان وحشیوں کو بھی دیکھا ہو گا جو اپنی لونڈیاں کے قدموں میں مدہوش پڑے تھے۔ اور ان جانوروں پر بھی نظر پڑی ہو گی جو قے میں آلودہ دو دو لپٹ ہوئے دراز تھے۔ تو نے اس بڈھے پاگل کو بھی دیکھ لیا۔ جس نے اپنا خون جو شراب سے بھی زیادہ ناپاک تھا اپنے ہاتھوں سے بہایا۔ اور اس مجمع کفار سے نکلتے ہی مسیح کی حضور درانہ حاضر ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے اور اس کی تعریف ہے کہ تائیس آج تو نے انسان کی خطاکاریوں کو دیکھ لیا کہ وہ کیسی سخت اور خوفناک ہیں۔ تائیس پہلے ان فلسفیوں کی ناپاک تقریروں کو یاد کر۔ پھر بتا کہ کیا ان ہی کے ساتھ تو بھی دیوانوں کی طرح بڑ مارنا چاہتی ہے۔ پہلے ذرا ان کینہ ور بے شرم و بے حیا شفلتوں کو یاد کر جو ان شرابیوں کی نفس مالقہ بنی ہوئی تھیں۔ پھر بتا کیا تو بھی ان ہی جیسا رہنا چاہتی ہے۔"

آج کی شب بے ہودہ حرکتوں میں عورتوں کی نالائقی اور مردوں کے بے اعتدالی اور سنگدلی دیکھ کر اور یہ خیال کر کے کہ اس رات کا ایک ایک لمحہ کیسا گراں گزرا ہے تائیس کا دل سخت بیزار و متنفر تھا۔ ایک آہ سرد بھر کر کہنے لگی:

"میں تو اب ان سب چیزوں سے تنگ آ کر لب گور پہنچ چکی ہوں۔ بابا یہ بتائیے کہ امن بھی کہیں نصیب ہو گا۔ میرا ماتھا جل رہا ہے۔ سر بالکل خالی خالی معلوم ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں شل ہیں اور اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر خوشی کو کوئی میری ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ دے تو اسے اٹھا سکوں۔"

یہ سن کر بفنونوس نے تائیس کو مہربانی کی نظر سے دیکھا اور کہا:

"بہن ہمت نہ ہار چین و آرام کا وقت تیرے لئے قریب آ رہا ہے۔ دیکھ ان جھیلوں اور باغوں سے بخارات کا جو اجلا اجلا دھواں سا اٹھتا معلوم ہوتا ہے بس اب تو بھی ایسی ہی

اجلی اور پاک ہو جائے گی۔"

اب چلتے چلتے تائیس اپنے مکان کے قریب پہنچی۔ پفنونوس ساتھ تھا پریوں والے گوشے کے آس پاس جو صنوبر کے درخت تھے ان کی چوٹیاں چار دیواری سے اونچی نکلی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ان کے اوس پڑے پتے صبح کی ہلکی ہلکی ہوا میں ہلتے تھے سامنے ایک سنگین چوک تھا۔ جہاں اس وقت کوئی آدمی نہ تھا۔ چوک کے چاروں طرف ستونوں کی صفیں تھیں اور جابجا پتھر کے خوبصورت بت نصب تھے۔ دوسرے سرے پر سنگ مرمر کے چند گول تخت بچھے تھے۔ تائیس بالکل ماندہ و خستہ ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ اور بڑی حسرت اور راہب کی صورت دیکھ کر کہنے لگی۔ "بتایئے اب کیا کروں۔"

راہب نے جواب دیا۔ "بس یہی کہ جو تمہاری تلاش میں یہاں تک آیا ہے اس کا کہنا کرو۔ وہ تم کو دنیا سے اس طرح توڑ لے گا جس طرح مے فروش انگور کے خوشوں کو جو درخت پر رہ کر سڑ جاتے درخت سے توڑ لیتا ہے اور ان کا شیرہ نکال کر نہایت خوشبودار شراب تیار کرتا ہے۔ سنو اسکندریہ سے مغرب کی جانب بارہ گھنٹے کی مسافت سے سمندر کے کنارے راہبات کا ایک دیر ہے۔ اس میں سکونت رکھنے کے قواعد نیکی اور عقل کا ایک نمونہ ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ نظم میں لکھے جائیں اور بانسری اور طنبورہ پر ان کو گایا جائے۔ جو عورتیں ان قواعد کی پابند ہو کر وہاں رہتی ہیں ان کے قدم دنیا میں ہوتے ہیں اور چہرے آسمان پر۔ اس دنیا میں وہ فرشتوں کی طرح رہتی ہیں۔ وہ مفلس رہنا چاہتی ہیں تاکہ یسوع ان سے الفت رکھے۔ وہ سادگی اور غیرت اختیار کرتی ہیں تاکہ یسوع کی ان پر نظر پڑے۔ وہ پاک دامن اور عفیف رہتی ہیں تاکہ یسوع انہیں اپنی دلہن بنائے۔ یسوع روز ایک باغبان کی شکل میں ننگے پاؤں ہاتھ پھیلائے ان کی طرف آتا ہے' بالکل اسی شکل میں جیسے کہ قبر سے اٹھ کر وہ مریم مگدلینی کو جاتا ہوا نظر آیا تھا۔ بس آج اس دیر راہبات میں میں تمہیں پہنچا دوں گا۔ جو پارسا عورتیں وہاں رہتی ہیں ان کی صحبت سے تم فیض پاؤ گی۔ یہ سب تمہاری سگی بہنوں کی طرح اس وقت تمہاری منتظر ہیں۔ دیر کے دروازے پر ان کی رئیسہ جسے سب "ماں" کہتے ہیں یعنی مشہور عابدہ البینہ موجود ہو گی جو تمہیں سلامتی دے کر تمہاری پیشانی کا بوسہ لے گی اور کہے گی کہ آ بیٹی۔ آ تیرا آنا مبارک ہے۔"

یہ سن کر تائیس کے منہ سے بے اختیار نکلا:

"البینہ۔ قیصروں کی لخت جگر۔ شہنشاہ کاروس کی نواسی۔"

راہب۔ "ہاں وہی البینہ جو شاہوں کے قصر میں دیباو حریر پہنتی تھی۔ اب ٹاٹ کا کرتا پہنتی ہے اور ایسے گھرانے کی بیٹی جو دنیا پر حکومت کا ڈنکا بجا رہا ہے رتبہ میں بلند ہو کر مسیح کی لونڈی بنی ہے۔"

تائیس کھڑی ہو گئی اور کہا کہ "مجھے البینہ کے گھر لے چلئے۔"

جس قدر کامیابی باقی رہ گئی تھی اس کو مکمل کرنے کے لئے پفنوتوس نے کہا۔ "میں درحقیقت تجھے وہیں لے جاؤں گا۔ اور وہاں تجھے ایک حجرے میں بند کردوں گا جہاں اپنے گناہوں پر تجھے رونا پڑے گا۔ کیونکہ البینہ کی بیٹیوں سے تیرا ملنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک تیرے گناہوں کے داغ دھبے سب دھل کر پاک نہ ہو جائیں۔ اس حجرے کے دروازے پر میں اپنی مہر لگا دوں گا اور اس زنداں میں ایک خوشدل قیدی کی طرح تو رہا کرے گی۔ حتیٰ کہ خود یسوع وہاں آئے گا اور اس مہر کو توڑے گا۔ اور یہ علامت ہو گی کہ تیرے گناہ معاف کیے گئے۔ تائیس کیا تجھے یسوع کے آنے میں شبہ ہے۔ نہیں وہ ضرور آئے گا اور جب اپنی نور کی انگلیاں تیری آنکھوں پر رکھ کر تیرے آنسو پونچھے گا تو تیرے سارے جسم پر کپکپی (رعشہ) پیدا ہو جائے گا۔"

تائیس نے دوبارہ کہا۔ "بابا۔ مجھ کو البینہ کے گھر لے چلئے۔"

پفنوتوس کا دل خوش ہو گیا۔ چاروں طرف خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بلاخوف و خطر دیکھ کر ایک لطف و لذت حاصل کرنے لگا۔ خدا کے پھیلائے ہوئے نور سے اسکی بصارت مخلوط ہوئی اور جبین نیاز پر ہلکے ہلکے کسی کا دم کرنا محسوس ہوا۔ یکایک اس چوک کے ایک گوشہ کی طرف ایک دروازے پر نظر پڑی جو تائیس کے مکان کی طرف کھلتا تھا۔ دیودار اور اور صنوبر کے درختوں کی چوٹیاں دیکھ کر جن کو ہوا میں جھومتے ہوئے ابھی دیکھ چکا تھا خیال آیا کہ یہ تائیس کے باغ کے درخت ہیں' اس خیال کیساتھ ہی ان نجس باتوں کو یاد کیا جنہوں نے وہاں کی ہوا کو جو آج کیسی صاف و خوشگوار تھی کبھی ناپاک کر رہا تھا۔ اتنا خیال آتے ہی راہب کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگا:

"تائیس ہم کو یہاں سے بھاگنا چاہئے۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن تیرے گھر کا مال و اسباب جو تیرے گذشتہ گناہوں کا شاہد رہ چکا ہے۔ یہ طرح طرح کے نقشین اور رنگین پردے' یہ خوبصورت گل بوٹوں والے دیوار پوش' یہ عود اور مر روشن

کرنے کے لئے طلائی ظروف' یہ عطردان اور گلدان' چہل چراغ اور فانوس ان میں ایک کو بھی سلامت نہ رہنے دینا چاہئے۔ کیا تو چاہتی ہے کہ گھر کا یہ سامان جس میں ابلیس نے جان ڈال رکھی ہے اور جس پر خبیث روحیں قبضہ کئے ہیں تیرے ساتھ ساتھ صحرا تک جائیں گی۔ سمجھ لے کہ یہ رسوائی کی میزیں اور فضیحت کی کرسیاں شیاطین کے آلے اور اوزار ہیں جو ازخود چلتے اور بولتے ہیں۔ اور زمین پر آفتیں اور آسمان سے بلائیں نازل کراتے ہیں۔ جتنی چیزیں تیری بے شرمی اور بے حیائی میں شریک رہی ہیں ان سب کو خاک میں ملا دینا ضروری ہے۔ تائیس جلدی کر۔ شہر ابھی سو رہا ہے۔ اپنے غلاموں کو حکم دے کہ اس چوک میں لکڑیوں کا ایک انبار لگائیں اور ان کو سلگا کر تیرے گھر کی جس قدر دولت ہے اس پر رکھ کر پھونک دیں۔"

تائیس نے رضامندی ظاہر کی اور کہا:

"بابا۔ جو کچھ آپ بہتر سمجھیں وہی کریں' مجھے معلوم ہے کہ بعض وقت بے جان چیزوں میں روحیں اپنا گھر کر لیتی ہیں۔ میرے ہی گھر کے سامان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو رات کے وقت آپس میں باتیں کرتی اور ایک دوسرے کو روشنیاں دکھاتی ہیں گویا آپس میں اشارے کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ بابا۔ میری جل پریوں والی کھو کے دروازے پر داہنے ہاتھ کو اپنے ایک بت ننگی عورت کا جو نہانے کی تیاری کرتی معلوم ہوتی ہے دیکھا ہو گا۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ایک دن اسی عورت نے بالکل زندہ عورت کی طرح یکایک اپنی گردن پھیری اور پھر جیسی تھی ویسی ہی ہو گئی۔ میں تو ڈر کے مارے ٹھنڈی پڑ گئی۔ نیکیاس سے جب یہ قصہ کہا تو وہ مجھ پر ہنسنے لگا۔ مگر یہ جو کچھ ہو اس میں شبہ نہیں کہ اس عورت میں ضرور کوئی سحر ہے۔ کیونکہ دلنتوس ایک نوجوان آدمی تھا جو میرے ہاں اکثر آیا کرتا تھا۔ اس کو میرے حسن کی تو مطلق پروا نہ تھی مگر اس بے جان عورت پر بہت ہی ہوا و ہوس سے جان دیتا تھا۔ غرض مجھے ہر حال میں ان جادو بھری چیزوں میں رہنا پڑا۔ ہر وقت جان کو ایک خطرہ لگا رہا۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ کبھی کبھی لوہے کی مورتوں نے مردوں کو گلے لگا کر ایسا دبایا ہے کہ ان کا دم ہی نکل دیا۔ مگر باوجود اس کے ترس آتا ہے کہ میرے گھر کی یہ نادر چیزیں یوں پلک مارتے غارت کر دی جائیں۔ یہ سب بڑی صنعت اور استادوں کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ اگر یہ پردے اور دیوار پوش جلا دیئے گئے تو پھر ایسے میسر نہ ہوں گے۔ ان کا رنگ بہت شوخ ہے اور کام قابل

تعریف ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ چیزیں تحفوں میں دی تھیں انہوں نے ان پر بڑی دولت صرف کی تھی۔ یہ بلور شراب پینے کی صراحیاں اور پیالے' یہ قیمتی ظروف' یہ انمول مورتیں اور تصویریں عجائبات سے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ ان کو جلانا ضروری ہے۔ لیکن بابا۔ آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا ضروری ہے اور کیا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے جو آپ کی مرضی ہو وہی کیجئے۔"

یہ کہہ کر تائیس سنگ مرمر کے تخت سے اٹھی اور راہب کے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے دروازے پر آئی۔ جہاں اس کے قدر دان پھولوں کے ہار لٹکا جایا کرتے تھے۔ دروازہ کھلوا کر دربان کو حکم دیا کہ گھر کے سب نوکر چاکر غلام اور باندیاں فوراً" حاضر کی جائیں' یہ حکم سنتے ہی پہلے چار رکابدار آئے۔ یہ سب ایک ہی قوم اور ملک کے آدمی تھے اور سب میں ایک ہی نقص تھا یعنی سب کانے تھے۔ تائیس نے ان یک چشم نوکروں کو بہت ہی تلاش اور صرف سے بہم پہنچایا تھا۔ دعوتوں میں جس وقت یہ کھانا کھلاتے تھے تو مہمانوں کو سخت حیرت ہوتی تھی اور تائیس اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لئے ان سے کہا کرتی تھی کہ اپنی اپنی زندگی کی داستان سناؤ۔ جب یہ چاروں رکابدار چپ چاپ سامنے آ کر کھڑے ہوئے۔ تو ان کے پیچھے ان کے ہاتھ کے نیچے کام کرنے والوں کا ایک غول تھا۔ ان کے بعد سائیس اور شکاری۔ پالکی بردار اور ہرکارے اور دو بڈھے باغبان اور چھ بڑی خونخوار صورتوں کے حبشی اور ان کے پیچھے تین یونانی غلام آئے۔ ان میں ایک نجومی۔ دوسرا شاعر لو تیسرا مطرب تھا۔ یہ سب لوگ چوک میں صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ اتنے میں چار حبشن باندیاں بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی آئیں۔ گھڑی گھڑی آنکھوں کی سپیدیاں پھراتیں اور باچھوں کو کھلا کر کانوں کی لو تک لے آتی تھیں۔ سب سے آخیر میں لوزھنیوں کو درست کرتے اور زمین پر بڑے انداز سے پاؤں ڈالتے ہوئے جن میں سونے کی ہلکی ہلکی زنجیریں پڑی تھیں چھ بہت خوبصورت گورے رنگ کے غلام جو خُنثے تھے حاضر ہوئے۔ یہ بھی صورت سے بہت پریشان معلوم ہوتے تھے اور سب کے سامنے ان کو اپنا آنا نہایت ناگوار گزر رہا تھا جب سب نوکر اور غلام آئے تو تائیس نے بفنوتوس کی طرف اشارہ کر کے ان سب سے کہا:

"یہ راہب جو کچھ حکم دیں وہی کرو۔ ان میں خدا کی روح ہے۔ اگر تم نے ان کا حکم نہ مانا تو یہیں مر کر زمین کا پیوند ہو جاؤ گے۔"

یہ باتیں تائیس نے کچھ نوکروں کو ڈرانے کے لئے نہیں کہی تھی بلکہ خود اس کو یقین

تھا اور سن بھی چکی تھی کہ صحرا کے راہب جب کسی گنہگا کو اپنا عصاء مار دیتے ہیں تو زمین فوراً" شق ہو کر ایک غار بنا دیتی ہے جس سے دھواں اٹھتا ہے اور اس غار میں وہ آدمی فوراً" سما جاتا ہے۔

پفنوتوس نے حبشیوں اور خنثے غلاموں کو تو رخصت کیا اور باقی نوکروں سے کہا کہ "اس چوک کے بیچ میں لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ اور اس گھر اور اس کے خلوت خانے میں جس قدر مال و اسباب ہے وہ سب جلتی آگ میں ڈال دو۔"

یہ حکم سن کر سب لوگ ششدر رہ گئے۔ زبان سے کوئی کچھ نہ کہتا تھا مگر تائیس کا منہ دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے سوال کرتے تھے کہ کیا کریں۔ تائیس نہ نظر اٹھاتی تھی اور نہ منہ سے کچھ بولتی تھی۔ اب یہ نوکر اور غلام یا تو صف بستہ کھڑے تھے یا سب آپس میں ایک حلقہ بنا کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کوئی واقعہ ہے یا محض مذاق ہو رہا ہے۔

اتنے میں راہب نے ڈانٹ کر کہا کہ "حکم بجا لاؤ۔"

ان خادموں میں بعض عیسائی تھے۔ حکم کا مطلب سمجھ گئے اور فوراً" مکان کے اندر جا کر لکڑیاں اور مشعلیں ڈھونڈنے لگے۔ بعض نوکر جو بہت مفلس تھے وہ اس حکم سے ناخوش نہیں ہوئے۔ یہ لوگ اپنی مفلسی کی وجہ سے دولتمندوں کو بری نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے غارتگری کا شوق ان میں قدرتاً" موجود تھا۔ غرض جب لکڑیوں کا انبار چبوترے پر لگا دیا گیا تو پفنوتوس نے کہا:

"اے عورت مجھ کو خیال آیا تھا مگر فوراً" ہی جاتا رہا کہ اگر اس شہر میں کوئی گرجا حقیقت میں گرجا کہلائے جانے کے قابل ہوتا اور اریوسی عیسائیوں کی ناپاکی سے محفوظ ہوتا تو اس کے خزانچی کو بلا کر تیرا مال اس کے سپرد کر دیتا کہ وہ عیسائی بیواؤں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس طرح جو دولت گناہوں سے فراہم ہوئی تھی وہ عدل و انصاف کے خزانہ میں جمع کر دی جاتی۔ لیکن میرا یہ خیال خدا کی جانب سے نہ تھا اس لئے میں نے اس کو اپنے دل سے دور کر دیا اور سمجھ لیا کہ عیش و عشرت کی غنیمت کو مسیح کی امت میں تقسیم کرنا سخت گناہ ہے۔ یہ دولت وہ ہے جس کا ایک ایک ذرہ آگ کے سپرد ہونا چاہئے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تیری پر تکلف قبائیں' چادریں اور نقابیں جن پر بوسوں کے اس قدر نشان ہیں کہ سمندر میں اتنی موجیں بھی نہ ہوں گی۔ اب آگ کی زبانوں اور شعلوں کے لبوں سے ان کو واسطہ ہو

گا۔ غلامو۔ جلدی کرو۔ لکڑیاں اور جلتے چیلے اور لاؤ۔ اور اے عورت اپنے گھر میں جا اور جو بے شرمی کا نجس لباس اس وقت پہنے ہے اسے اتار دے اور ذلیل سے ذلیل لونڈی جو گھر میں ہو اس سے التجا کر کہ وہ اپنے پرانے کپڑے دے کر تجھ پر احسان کرے۔"

تائیس راہب کا حکم بجا لائی۔ رکابدار جھکے ہوئے لکڑیوں پر دھونکیاں چلا رہے تھے۔ حبشی غلام سرو و صنوبر کے صندوق۔ عاج و آبنوس کے صندوقچے اٹھا اٹھا کر آگ میں پھینکے جو گرتے ہی ٹوٹ جاتے تھے اور ان میں سے موتیوں کے ہار سونے کے طرے اور جڑاؤ سرپیچ نکل پڑتے۔ آخر کار لکڑیوں کے اس اونچے انبار سے سیاہ دھوئیں کا ایک ستون سا اس طرح اٹھا جیسے عہد نامہ عتیق کی مقبول قربانیوں سے کبھی اٹھا کرتا تھا۔ آگ سلگتے سلگتے دفعتاً" بھڑکی اور ایسا شور ہوا جیسے کوئی درندہ غراتے غراتے دفعتاً" دھاڑنے لگے۔ اور تیز شعلوں نے جو نظر نہ آتے تھے اس گراں بہار ایندھن کو جلا کر خاک کرنا شروع کیا۔ غلاموں کی ہمت اور بڑھی۔ اور وہ دوڑ دوڑ کر نہایت قیمتی کپڑے' زرتار کے لباس اور گل بوٹوں کے پردے گھر کے اندر سے لا لا کر آگ میں جھونکنے لگے۔ بھاری بھاری میزیں کوچیں پلنگ اور تکیے اپنے سروں پر لاد کر لائے۔ تین بڑے قوی ہیکل حبشی جل پریوں والے گوشے کی رنگین مورتوں کو جن میں سے ایک کو زندہ معشوق سمجھ کر لوگ عاشق ہو جایا کرتے تھے گودوں میں اس طرح اٹھا کر لائے جیسے کالے منہ کے بندر گوری گوری پریوں کو اٹھائے لئے جاتے ہوں۔ یہاں تک کہ یہ بت ان کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے اور فرش پر گر کر پاش پاش ہو گئے۔ اور اس وقت کسی کے کراہنے کی آواز لوگوں کے کانوں میں آئی۔

تائیس بال کھولے جن کی لٹیں کمر تک آ گئی تھیں۔ ننگے پاؤں ایک موٹے جھوٹے کپڑے کا بدقطع نیچا کرتا پہنے ہوئے آئی۔ کیا تعجب ہے کہ محض اس کے جسم کے مس سے اس ذلیل لباس کو ہوائے نفسانی اور لذت روحانی دونوں کی ملی جلی کیفیت محسوس ہو رہی ہو۔ تائیس کے پیچھے پیچھے گھر کا بڈھا مالی ایک ہاتھی دانت کا بنا ہوا خوبصورت بت گود میں لئے لا رہا تھا یہ بت عشق کا دیوتا تھا۔ ایروس اس کا نام تھا۔ یہ پریم کا دیوتا ہمیشہ ایک بہت شوخ اور خوب صورت بچے کی شکل میں بنایا جاتا تھا (اس کے دونوں شانوں پر پر لگے تھے۔ ایک چھوٹے سے ترکش میں تیر بھرے تھے۔ کوئی سونے کا تیز نوک کا اور کوئی لوہے کا کند نوک کا تھا۔ تیز نوک کا تیر جن پر چلاتا ان کے دل میں عشق پیدا ہو جاتا اور کند نوک کا تیر جسے لگتا اسے بجائے عشق کے نفرت پیدا ہو جاتی۔ اس بچے کا رات دن یہی کھیل تھا)

تائیس نے ملی کو حکم دیا کہ ٹھہرو۔ اور پفنوتوس کے قریب آ کر وہ بت اس کو دکھایا اور کہا۔

"بابا۔ کیا اس کو بھی آگ میں ڈالا جائے گا۔ یہ ایک پرانی اور نادر چیز ہے اور اس کی قیمت اس کے وزن کا دس گنا سونا ہے۔ اس کا ضائع کرنا ایسا نقصان ہو گا جس کی کبھی تلافی نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اب دنیا میں کوئی کاریگر ایسا نہیں ہے جو اروس کا بت ایسا بنا دے۔ بابا یہ بچہ عشق مجسم ہے اور بچے کو کوئی ظلم سے نہیں مارتا۔ یقین کیجئے کہ عشق کا شمار حسنات میں ہے۔ اور اگر مجھ سے گناہ ہوئے ہیں تو اس خدائے عشق کی اطاعت میں نہیں بلکہ اس کی نافرمانی سے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اس کے حکم کے مطابق میں نے کیا اس کا افسوس نہیں البتہ جو کچھ اس کے حکم برخلاف باوجود اس کے منع کرنے کے مجھ سے ہوا اس پر روتی ہوں۔ عورتوں کو اس دیوتا نے کبھی اجازت نہیں دی کہ وہ ایسے مردوں کی ہو کر رہیں جن کی زبان پر اس عشق کے دیوتا کا نام نہ ہو۔ بابا۔ دیکھئے اروس کا یہ چھوٹا سا بت ایک چنچل بچے کی صورت میں کیا خوب بنایا ہے۔ کس پیار سے ملی کی گود میں چھپا ہے۔ نیکیاس کو جب مجھ سے تعلق تھا تو یہ بت اس نے مجھے دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ "یہ وہ تحفہ ہے جو تم سے میرا حال کہتا رہے گا۔" لیکن نیکیاس کا حال تو اس نے مجھ سے کبھی نہ کہا۔ البتہ انطاکیہ کے ایک خوشرو جوان کو اکثر یاد دلانے لگا۔ بابا یہ چتا جو آپ نے چنوائی ہے اس پر بہت دولت خاک ہو چکی ہے مگر اس اروس کو تو آگ میں نہ ڈالئے۔ اس کو بچا لیجئے۔ راہبوں کی کسی خانقاہ میں اس کو رکھ دیجئے گا۔ جو لوگ اس کو دیکھتے ہیں خدا سے لو لگاتے ہیں۔ کیونکہ عشق کی فطرت میں ہے کہ انسان کو خدا کی معرفت تک پہنچا دے۔"

باغبان سمجھا کہ اروس اب آگ میں نہ ڈالا جائے گا اس لئے وہ اس کی طرف دیکھ کر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کوئی بڈھا بچے کو دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ لیکن پفنوتوس نے باغبان کی گود سے اس بت کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا اور نہایت غیظ و غضب سے کہنے لگا:

"محض نیکیاس کا ہاتھ لگنا کافی ہے کہ یہ ناپاک بت دنیا میں ہر قسم کا زہر پھیلاتا رہے۔"

اس کے بعد بڑی بڑی پر تکلف اور قیمتی چیزیں۔ طلائی کام کی جوتیاں، کنگھیاں، آئینے، شمع دان، باجے اور موسیقی کے ساز سب اس نے جلتی لکڑیوں کے انبار میں ڈلوا دیئے جو اپنی شان و شوکت میں اس تودہ ہیزم سے بھی بڑھا ہوا تھا جس پر نینوہ کے بادشاہ سرداناپلس کی لاش جلائی گئی تھی۔ غلاموں نے جلانے اور پھونکنے کے جوش میں مست ہو کر اڑتی ہوئی

آگ کے شراروں میں ناچنا اور چیخنا شروع کیا۔

ہمسائے شور سن کر جاگے۔ ایک ایک کر کے سب نے اپنے اپنے بالا خانے کی کھڑکیاں کھولیں اور آنکھیں مل کر دیکھنے لگے کہ یہ دھواں کدھر سے اٹھا ہے۔ پھر جلدی سے الٹے سیدھے کپڑے پہن جہاں یہ آگ روشن تھی وہاں آئے اور سوچنے لگے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔

ان میں بعض لوگ سوداگر تھے جن سے تائیس عطر اور خوشبو کی چیزیں خریدا کرتی تھی۔ ان سب نے بہت ہی بدحواس ہو کر اپنے گنجے گنجے سر اور لمبی لمبی گردنیں آگے بڑھا کر اس معاملہ کو غور سے دیکھنا اور سمجھنا چاہا۔ بہت سے نوجوان عیاش جو رات بھر جلسے دیکھ کر نوکروں اور غلاموں کی ایک بھیڑ ساتھ لئے لوھر سے جا رہے تھے اس ہنگامے کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ ان کے سروں پر پھولوں کے ہار لپٹے تھے اور قباؤں کے بند کھلے تھے۔ آگ کا ڈھیر دیکھتے ہی انہوں نے غل مچانا شروع کیا۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا اور بہت جلد سب کو معلوم ہو گیا کہ انصینو کے قیس کے کہنے سے تائیس آج اپنے گھر کی دولت پھونک کر کسی دیر میں داخل ہونے والی ہے۔

سوداگروں نے سوچا:

"تائیس اور شہر چھوڑ دے۔ اس خیال ہی سے ہوش اڑتے جاتے ہیں۔ اس کے بغیر ہم لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ اس کمبخت راہب نے اسے پاگل بنا دیا ہے۔ یہ لمبی داڑھی والا ہم کو تباہ کر کے چھوڑے گا۔ آخر قانون کس دن کے لئے ہے۔ کیا اسکندریہ میں اب کوئی حاکم کوئی انصاف کرنے والا نہیں رہا۔ تائیس کو ہمارے غریب بال بچوں کا بھی کچھ خیال نہیں۔ یہ کام اس کا قانونی جرم کی حد تک پہنچتا ہے۔ تائیس جو چاہے سو کرے مگر شہر میں اسے زبردستی رہنا ہو گا۔"

جوان عیش پرستوں نے خیال کیا:

"اگر تائیس نے کھیل تماشے دکھانے۔ عاشق معشوق کے چرچے چھوڑ دیئے تو پھر ہماری زندگی کا لطف تو گیا گزرا ہوا۔ تماشاگاہ کی رونق اسی کے دم سے تھی۔ امیروں کا تو کیا ذکر ہے ایسے غریبوں کے حق میں بھی جن کی رسائی اس تک نہ تھی وہ مسرت کا ایک ذریعہ تھی۔ عیش و نشاط کے جلسے کہیں ہوں اور کسی میں ہوں تائیس کا اثر ہر جگہ موجود تھا۔ وہ لذتوں کی لذت تھی اور محض اس خیال سے کہ شہر میں وہ ہمارے ساتھ رہتی ہے ہر وقت طبیعت

پر ایک سرور رہتا تھا۔"

شوقین اور عیش پرست ان ہی خیالات میں مصروف تھے کہ ایک شخص جس کا نام قیرون تھا اور کسی زمانے میں تائیس سے واسطہ بھی رکھ چکا تھا سخت برہم ہو کر کہنے لگا۔ "یارو سنتے ہو۔ یہ پادری ایک عورت کو بھگائے لئے جاتا ہے۔ راہبوں کو برا کہتے مسیح کی نسبت بھی گستاخانہ الفاظ زبان پر لانے لگا۔ غرض ہر حلقے میں جہاں چار آدمی جمع تھے تائیس کی اس حرکت پر کہ پادری کے ساتھ بھاگ رہی ہے نہایت افسوس اور غصہ ظاہر کیا جاتا تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور کہتا تھا۔

"اس طرح شہر چھوڑ کر بھاگنا نہایت شرمناک ہے۔"

"یہ راہب بڑا کمینہ ہے جو تائیس سے شہر چھڑوا رہا ہے۔"

"تائیس ہمارے منہ کا نوالہ ہم سے چھین رہی ہے۔"

"ہماری بیٹیوں کو اب جہیز کیونکر نصیب ہو گا۔"

"جو زیور میں نے اس کے ہاتھ بیچا ہے۔ کم سے کم اس کی قیمت تو دیتی جائے۔"

"اور ساٹھ جوڑے کپڑوں کے جو تیار کرائے ہیں ان کے دام اب کون دے گا۔"

"وہ تو سب کی قرضدار ہو رہی ہے۔"

"ہائے۔ ہائے۔ تائیس چلی گئی تو بھرا نگینہ' ایلکترہ اور پولی زینہ بن کر کون تماشے دکھائے گا۔ مانا کہ پولیبوس کا تماشا اچھا ہے مگر تائیس کو کوئی نہیں پہنچتا۔"

"تائیس کیا دروازہ بند ہوتے ہی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔"

"وہ تو اسکندریہ کے آسمان کا تارا تھی۔ چاند کی ہلکی ہلکی چاندنی تھی۔"

اتنے میں شہر کے پرانے پرانے فقیر اور کنگلے' اندھے اور لنگڑے۔ جذامی اور مفلوج بھی جمع ہو گئے اور اس جلتی ہوئی دولت کی روشنی میں گھسٹتے ہوئے آ کر روتے پیٹتے کہنے لگے:

"جب تائیس ہی روٹی نہ دے گی تو ہمارے پیٹ کو ٹکڑا کہاں سے ملے گا۔ اس کے دسترخوان کا بچا ہوا کھانا تو دو سو بھوکوں کا روز پیٹ بھرا کرتا تھا اور جب اس کے چاہنے والے اس کے گھر سے نکلتے تھے تو مٹھیاں بھر بھر روپے پیسے ہم بھوکوں کو دے جاتے تھے۔"

اس بھیڑ میں چور اور اچکے بھی موجود تھے۔ یہ سب سے زیادہ شور مچاتے تھے۔ لوگوں کو ادھر ادھر دھکے دیتے کہ ہنگامہ اور بڑھے اور موقع ملے تو جلتے ڈھیر سے کوئی چیز نکال کر چلتے

ہیں۔

ایک بڈھا تاجر تلوپوس بھی وہاں موجود تھا۔ یہ ملطیہ سے لون اور نار نتم سے سن منگوا کر شہر میں بیچا کرتا تھا۔ تائیس پر اس کا بہت سا روپیہ چڑھا تھا یہ اس طوفان بے تمیزی میں چپ کھڑا ایک ایک بات کو غور سے سنتا تھا۔ بکرے کی سی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا جاتا اور صورت سے بے حد فکر مند معلوم ہوتا تھا۔ آخرکار وہ نوجوان قیرون کے پاس آیا اور اس کی آستین کھینچ کر آہستہ سے کہنے لگا:

"آپ کے برابر تو تائیس کسی کو نہ سمجھتی تھی۔ پھر آپ بڑھ کر اس پادری کو کیوں نہیں روکتے۔"

قیرون نے بڑے جوش سے جواب دیا۔ "ٹھیک کہتے ہو۔ مجال ہے اس پادری کی بھلا تائیس کو یہاں سے لے تو جائے۔ میں خود تائیس سے بات کرتا ہوں۔ اس میں کچھ اپنی تعریف نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ میری بات سن کر وہ اس پہاڑی جھنگے کے ساتھ جانا پسند نہ کرے۔ ہٹو۔ شیطانوں ہٹو۔"

اور اب قیرون اِدھر اُدھر لوگوں کو گھونسے مارتا بڑھیا عورتوں کو گراتا۔ بچوں کو کچلتا تائیس کے قریب پہنچا اور اس کو الگ لے جا کر کہنے لگا:

"اے نازنین۔ میری طرف دیکھ۔ کچھ یاد ہے یا بالکل ہی دل سے بھلا دیا۔"

بفنوتوس فوراً قیرون اور تائیس کے بیچ میں آگیا اور للکار کر بولا:

"بدبخت۔ اگر تو نے تائیس کو ہاتھ لگایا تو پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھوالے۔ یہ عورت پاک ہے اور خدا کی چیز ہے۔"

قیرون نے غضبناک ہو کر کہا۔ "جا۔ مردود۔ سگ دماغ۔ مجھے بات کر لینے دے ورنہ داڑھی پکڑ کر تیری لاش کو اس دہکتی آگ میں جھونک کر زندہ کے کباب کر ڈالوں گا۔"

یہ کہہ کر قیرون نے تائیس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن راہب نے اچانک اس زور سے گھونسا رسید کیا کہ قیرون چکر کھا کر چار قدم دور وہاں جا کو گرا جہاں آگے کے ابھار سے بجھے ہوئے انگارے اور کوئلے اڑ اڑ کر آتے تھے۔

مگر بڈھے تلوپوس کو قرار نہ تھا کہیں غلاموں میں جا کر ان کے کان کھینچتا کہیں بڑے آدمیوں میں پہنچ کر خوشامد کے مارے ان کے ہاتھ چومتا۔ غرض اس نے کسی طرح اشتعال دے دلا کر ایک چھوٹا سا گروہ ایسا تیار کر لیا جو ہاتھ پاؤں سے درست ہو پادری کے مقابلے کو

آگے بڑھا جو ایک عورت کو بھگائے لئے جاتا تھا۔ قیرون کا منہ کوئلوں سے کالا ہو گیا تھا۔ سر کے بال کچھ جھلس گئے تھے۔ غصے کے مارے منہ سے کف جاری تھے' دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہوا اس گروہ میں شامل ہو سب کے آگے ہو لیا۔ اس کے پیچھے پیچھے فقیر اور کنگلے جن میں بعض لنگڑے بھی تھے سروں پر لاٹھیاں پھراتے ہوئے چلے اور پفنوتوس کے گرد بہت جلد ان چیختے چلاتے باغی بازون کا ایک حلقہ بندھ گیا اور ہر طرف سے جان سے مار ڈالنے کی آوازیں آنے لگیں:

"اس راہب کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلا دو۔"

"نہیں نہیں۔ پکڑ کر آگ میں ڈال دو اور جیتے کے کباب لگاؤ۔"

راہب نے یہ حالت دیکھتے ہی اپنے حسین شکار کو سینے سے چمٹا لیا اور بہت کڑک کر بولا:

"ارے چنڈالو۔ اس قمری کو خداوند کے عقاب سے چھڑانے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اس عورت کی تقلید کرو۔ اور اپنی ناپاک مٹی کو کندن بنا لو۔ اس کی طرح تم بھی جھوٹے خداؤں کو چھوڑ دو جن پر تم ایمان رکھتے ہو اور اپنے مال و دولت سے ہاتھ کھینچو جس پر تم کو بھروسا ہے۔ دیر نہ کرو وہ دن قریب آنے والا ہے جب کہ صبر خداوندی کو تاب نہ رہے گی۔ نادم ہو۔ اپنی بے شرمی کا اقبال کرو۔ گریہ کرو اور دعا مانگو اپنے گناہوں سے نفرت کرو جو اس عورت کے گناہوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ تم میں کون ہے امیر ہو یا غریب سوداگر ہو یا سپاہی آقا ہو یا غلام جو خدا کے سامنے کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک بدکار قحبہ سے بہتر ہے۔ تم سب مجسم ناپاکی اور غلاظت ہو اور یہ محض خداوند کا لطف و کرم ہے کہ تم سے نجاست اس طرح نہیں بہتی جیسے موری سے غلیظ پانی بہتا ہو۔"

پفنوتوس جس وقت یہ تقریر کر رہا تھا تو اس کی آنکھوں سے شعلے اور منہ سے انگارے نکلتے معلوم ہوتے تھے اور سب لوگ اس کی باتیں اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف سن رہے تھے۔

مگر بڈھے تمویس کو چین نہ تھا۔ پتھر اور سوکھی ہڈیاں چن کر اپنے دامن میں جمع کرنے لگا۔ اتنی ہمت تو نہ ہوئی کہ خود پادری کو نشانہ بناتا مگر جتنے پتھر اور کنکر چنے تھے وہ فقیروں اور کنگلوں کو دے دیئے اور اب پادری پر پتھراؤ شروع ہوا۔ ایک بڑی سی ہڈی کسی نے ایسی تاک کر پھینکی کہ ٹھیک پفنوتوس کے ماتھے پر لگی اور اس شہید وفا کے چہرے سے خون

بہہ کر تائیس کے سر پر چھنٹے لگا گویا یہ دوسرا اصطباغ تھا جو پانی کے بدلے لہو سے ایک گناہوں سے توبہ کرنے والی عورت کو دیا جا رہا تھا۔ پفنوتوس نے تائیس کو اس زور سے اپنے سینے سے لپٹا رکھا تھا کہ وہ گھبرائی جاتی تھی اور پادری کے کھردرے کمبل کے کرتے سے اس کے چہرے کی نازک جلد چھلی جاتی تھی۔ بے حد خوف زدہ ہو کر سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی۔

اس موقعہ پر ایک بہت خوش پوشاک آدمی مشکل سے رستہ نکالتا ہوا حلقہ کے بیچ میں آیا اور چلا کر کہنے لگا:

"لوگو۔ ذرا دم لو۔ یہ کیا کرتے ہو۔ یہ راہب میرا بھائی ہے۔" یہ آواز نیکیاس کی تھی۔ ضیافت میں یوقریطوس فلسفی کی موت کا واقعہ دیکھ کر اپنے مکان کو جاتا تھا کہ چوک میں لکڑیوں کا ایک انبار اور اس سے دھواں اٹھتا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ تائیس موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہے اور پفنوتوس کو لوگ پتھر مارتے ہیں۔ نیکیاس کو اس پر کچھ حیرت نہیں ہوئی کیونکہ حیرت اس کی طبیعت میں کوئی چیز بھی پیدا نہ کر سکتی تھی۔

نیکیاس نے دوبارہ للکار کر کہا:

"ٹھہرو ٹھہرو۔ میرے پرانے مکتب کے دوست پفنوتوس کو پتھر نہ مارو بلکہ اس کی عزت کرو۔"

چونکہ فلسفیوں کے جلسوں میں بیٹھ کر نہایت نازک اور لطیف گفتگو کرنے کا خوگر تھا اس لئے اس میں کارفرمائی کی وہ بارعب قوت موجود نہ تھی جو عام لوگوں کی طبیعت کو مغلوب کر لیا کرتی ہے۔ لوگوں کو بہت روکنا چاہا مگر کسی نے اس کی بات نہ سنی۔ اور ایک بوچھاڑ ہڈیوں اور پتھروں کی راہب پر اور آئی۔ مگر وہ تائیس پر بالکل چھایا رہا تھا کہ اسے کسی قسم کا گزند نہ پہنچے اور اس بات پر خدا کی تعریف میں مصروف تھا کہ یہ چوٹیں جو اس کے جسم کو پہنچ رہی تھیں چوٹیں نہ تھیں بلکہ خداوند کے پیار کی تھپکیاں تھیں۔ نیکیاس کو اس کی امید نہ رہی کہ لوگ اس کی بات سنیں گے۔ اور یقین ہو گیا کہ وہ اپنے دوست کو بچانے میں نہ تو زور سے کام لے سکتا ہے اور نہ سمجھانے سے۔ اس لئے اس نے راہب کی خیر و سلامتی کو دیوتاؤں کے سپرد کیا جن پر اس کو کچھ زیادہ اعتقاد بھی نہ تھا۔ انسان کی عزت و وقعت اس کے دل میں نہ تھی اور غالباً" اسی وجہ سے ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ فوراً" جیب سے ایک تھیلی نکالی۔ چونکہ بڑا عیش پرست اور فیاض آدمی تھا اس لئے اشرفیاں

اور روپے ہر وقت پاس رکھتا تھا۔ غرض تھیلی ہاتھ میں لئے ان لوگوں کے قریب پہنچا جو راہب پر پتھر برسا رہے تھے۔ اور ایک ایک کے سامنے جا کر تھیلی کو اس طرح ہلایا کہ اس میں روپے اور اشرفیاں خوب جھنکنے لگیں۔ لوگوں کو اس قدر غصہ تھا کہ پہلے تو کسی نے اس آواز کی طرف توجہ نہ کی مگر پھر ادھر خیال کر کے پتھر پھینکنے سے ہاتھ روکا اور تھیلی کو گھورنے لگے۔ نیکیاس نے اتنا دیکھتے ہی جھٹ تھیلی کا منہ کھولا اور روپے اشرفیاں لوگوں میں پھینکنے لگا۔ لالچی تو فوراً زمین پر جھک پڑے۔ فلسفی جی میں خوش ہوا اور سمجھا کہ بات بن گئی۔ جس قدر درہم و دینار پاس تھے چاروں طرف لٹانے لگا۔ سونے چاندی کی جھنکار پتھروں پر سنتے ہی جتنے لوگ پادری کو پتھر مار رہے تھے اب وہ روپے اشرفیاں لوٹنے لگے۔ فقیر سوداگر غلام سب ہی اس لوٹ میں شریک ہو گئے۔ شہر کے چند رئیس جو قیرون کے پاس کھڑے تھے یہ کیفیت دیکھ زور زور سے قہقہے لگانے لگے' قیرون بھی اپنا غصہ بھول گیا اور اس کے دوستوں نے لوٹنے والوں کی ہمت بڑھائی۔ کسی کی پیٹھ ٹھونکی' کسی پر شرط لگائی اور جب لوگ لڑنے لگے تو ان کو اور اکسایا گویا لڑتے کتوں کو شکاریاں دیں کہ وہ اور لڑیں۔ اتنے میں ایک لنگڑے نے جھپٹ کر ایک درہم زمین پر سے اٹھالیا' اس کی پھرتی پر لوگوں نے اور بھی غل مچایا۔ جوان آدمی جن کی جیبوں میں کچھ تھا وہ بھی روپے پیسے لٹانے لگے اور اب سارے چوک میں سونے چاندی کے مینہ میں سوائے آدمیوں کی پیٹھوں کے جو سمندر کی موجوں کی طرح اوپر نیچے ہوتی دکھائی دیتی تھیں اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بفنونوس کو سب بھول گئے۔

اب نیکیاس دوڑ کر فوراً بفنونوس کے پاس آیا اور اپنی قبا اتار کر اس پر ڈال دی اور پھر اسے اور تائیس کو ایسی تنگ گلیوں میں لے چلا جہاں کوئی پہچانہ کر سکے۔ تھوڑی دیر تک یہ لوگ چپ چاپ چلتے رہے۔ جب سمجھے کہ اس ہجوم سے دور نکل آئے ہیں تو چال دھیمی کی اور نیکیاس نے کسی قدر رنج مگر طنز کے لہجے میں کہا:

"آخر کار جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ تخت اشرلی کے دیوتا پلوتو نے زمین کی دیوی پرو سرپنی کے مزے لوٹ لئے اور میرے وحشی دوست کے ساتھ تائیس چلنے کو تیار ہو گئیں۔"

تائیس نے جواب دیا۔ "نیکیاس۔ ہاں اب میں تم جیسے ہنس مکھ پھولوں میں بسے ہوئے خلیق اور مہربان خودبینوں میں رہتے رہتے اکتا گئی ہوں۔ اب تک جو کچھ معلوم ہوا اس سے بیزار ہوں اور جو کچھ معلوم نہیں ہے اس کی تلاش میں جا رہی ہوں۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ

جس چیز کو خوشی سمجھتی تھی وہ خوشی نہ تھی۔ اس بات کی تعلیم کہ سچی خوشی فی الحقیقت درد و الم میں ہے ان بزرگ سے ملی ہے جن کی ہر بات کا مجھے یقین ہے کیونکہ حق سے وہ آگاہ ہیں۔"

نیکیاس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "پیاری تائیس۔ حق سے تو میں بھی آگاہ ہوں۔ یہ بزرگ تو ایک ہی حق کو جانتے ہیں اور میں جتنے حقائق ہیں سب سے واقف ہوں۔ دولت میں بھی ان سے زیادہ ہوں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ نہ ان سے زیادہ مغرور ہوں اور نہ ان سے زیادہ خوش رہتا ہوں۔"

یہ دیکھ کر کہ پفنوتوس اس کو بہت ہی قہر کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے نیکیاس اس سے کہنے لگا:

"یار دیریں۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں کوئی حد درجہ کا تماشا یا عقل سے بالکل ہی کورا سمجھتا ہوں۔ ہم دونوں میں کون ترجیح کے قابل ہے' اس کا فیصلہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اور تمہاری زندگی کا مقابلہ کروں۔ اچھا میری زندگی تو یہ ہے کہ اب جس وقت میں گھر پہنچوں گا تو میری دونوں کنیزوں نے میرے لئے غسل کا سامان تیار کر رکھا ہو گا۔ جاتے ہی غسل کروں گا' پھر کھانے بیٹھوں گا' تیتر کا کباب تھوڑا سا کھاؤں گا۔ پھر کھانے سے فارغ ہو کر فرفوریوس کا کوئی مقالہ یا اپولیوس کی کتاب سے کوئی ایسا قصہ نکال کر پڑھوں گا۔ جسے سو مرتبہ پہلے پڑھ چکا ہوں گا۔ آپ کی زندگی یہ ہے کہ یہاں سے آپ اپنی جھونپڑی کو واپس جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ایک نیک بخت اونٹ کی طرح دوزانو ہو کر کوئی دعا یا مناجات پڑھنی شروع کریں گے گویا جس چارے کو بارہا ہضم کر چکے ہیں اسی کی جگالی پھر شروع کریں گے۔ شام کو آپ مولی کی ترکاری جس میں چکنائی نام کو نہ ہو گی کھائیں گے۔ مگر یار عزیز ان سب کاموں میں جن کی صورتیں مختلف ہیں ہم دونوں ایک ہی خیال کے پابند ہوں گے جو انسان کے اعمال کا اصلی مقصد ہے یعنی حصول مسرت۔ ناممکن مسرت۔ اگر مجھ کو اس کا یقین ہو کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ درست ہے تو پھر یہ کہتا کہ تم خطا پر ہو اپنے اوپر ایک ظلم کرتا ہے۔

پیاری تائیس۔ جی مرضی ہے تو جاؤ۔ اور ممکن ہو تو دولت اور عیش سے بڑھ کر پرہیزگاری اور نفس کشی میں خوش رہو۔ سب باتوں پر غور کر کے کہتا ہوں۔ کہ تمہاری حالت قابل رشک ہے کیونکہ اگر میں نے اور پفنوتوس نے اپنی اپنی زندگی میں فطرت کے تابع

رہ کر صرف ایک قسم کی مسرت کو تلاش کیا ہے تو تم نے پیاری تائیس ایسی متضاد مسرتیں حاصل کی ہیں جو مشکل سے ایک ہی شخص کو ملا کرتی ہیں۔ تمنا تھی کہ ایک ساعت کے لئے میں بھی ایسا ہی پارسا ہو جاتا جیسے کہ تمہارے یہ دوست پفنونوس ہیں۔ لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں۔ بس۔ الوداع اے تائیس الوداع۔ جاؤ جہاں تک تمہاری فطرت کی پوشیدہ قوتیں اور تمہاری تقدیر تمہیں لے جائے۔ جاؤ۔ اور نیکیاس کی دعائیں بھی ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں۔ میں اس کو ایک فضول بات سمجھتا ہوں۔ لیکن تم ہی بتاؤ کہ ایک افسوس لاحاصل اور چند بے معنی خواہشوں سے بہتر میں کیا چیز اس دلکش دھوکے کی قیمت میں پیش کر سکتا ہوں جس نے تمہارے کنار الفت میں مجھے عیش نصیب کیا تھا۔ اور جس نشے کا خمار کو ایک زمانہ گزر چکا ہے لب تک باقی ہے۔ رخصت اے میری محسنہ۔ رخصت اے خیروخوبی جس نے خود اپنی قدر نہ جانی۔ رخصت اے پر اسرار نیکی۔ مردوں کی مسرت الوداع۔ رخصت اے لائق پرستش حسین مورت جسے فطرت نے نہیں معلوم کس نیت سے اٹھا کر اس مکروکید کی دنیا میں پھینک دیا تھا۔"

ادھر نیکیاس تائیس سے یہ باتیں کر رہا تھا۔ ادھر پفنونوس کے دل میں غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ضبط نہ رہا اور اس طرح نیکیاس پر پھوٹ پڑا:

"دور ہو لعین۔ میری نظر میں تو ذلیل و خوار ہے۔ ابن جہنم۔ تو ان غریب گنہگاروں سے بھی ہزار درجے بدتر ہے جو ابھی گالیاں دے کر مجھے پتھر مارتے تھے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ جو برکتیں میں نے ان کے لئے خدا سے مانگی ہیں وہ ایک دن ان کو مل جائیں۔ لیکن تو اے ملعون نیکیاس دغا اور فریب کی تلخی اور بے دینی کا زہر ہے۔ تیرے ہر نفس سے مایوسی اور موت نکلتی ہے اور تیرے ایک تبسم میں جس قدر کفر و الحاد بھرا ہے اتنا ابلیس کے دھواں اگلتے منہ سے سو برس میں بھی نہیں نکلا۔"

نیکیاس نے راہب کی طرف بہت ہی نرمی کی نگاہ سے دیکھا اور کہا:

"رخصت اے دنیا سے دامن کشیدہ بھائی۔ میری آرزو ہے کہ تیرے ایمان کے دونوں خزانے یعنی نفرت و عشق تیرے قبضے سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک کہ ان کے قطعی غارت ہو جانے کا وقت نہ آجائے۔ رخصت اے تائیس۔ تم مجھ کو اپنا دل سے کبھی نہ بھلا سکو گی۔ کیونکہ میں تمہیں ہمیشہ یاد کرتا رہوں گا۔"

نیکیاس ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر پیچیدہ گلیوں سے نکلتا ہوا اسکندریہ کے قبرستان کے

قریب سے گزرا۔ یہاں کمہاروں کی دکانیں تھیں جن میں مٹی کی مورتیاں رنگ برنگ کی رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں کوئی کسی دیوتا کی اور کوئی کسی دیوی یا فرشتے کی شکل کی بنی تھی۔ دستور تھا کہ جب کوئی بت پرست مرتا تو ایک مورتی اس کے قبر میں دفن کر دی جاتی۔ نیکیاس ایک دکان کے سامنے کھڑے ہو کر ان مورتوں کو دیکھنے لگا۔ اور سوچنے لگا کہ معلوم نہیں ان میں سے کس دیوتا یا دیوی کی مورت موت کی نیند میں میرا ساتھ دے گی۔ اتنے میں عشق کے دیوتا ایروس پر نظر پڑی کہ ایک بہت ہی خوبصورت بچے کی شکل رکھتا ہے اور بنانے والے نے اس کے کرتے کے دامن سمیٹ کر اس کی کمر پر باندھ دیئے ہیں۔ نیکیاس کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ مورت اس کو منہ چڑا کر چنسنے لگی ہے۔ اپنے مرنے اور دفن کئے جانے کا خیال جس وقت آیا تو دل کو ایک تکلیف ہوئی اور اس تکلیف اور افسردگی کو دور کرنے کے لئے فلسفے کی مدد سے ایک سوال قائم کرکے اس کے حل کرنے میں مصروف ہوا۔

"اچھا تو حقیقت یہ ہوئی کہ وقت کی کچھ اصلیت نہیں۔ وہ محض ایک دھوکا ہے جو ہمارے تخیل نے پیدا کر لیا ہے۔ پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر وقت کا وجود نہیں تو وہ میری موت کیونکر لا سکتا ہے۔ تو پھر کیا اس سے یہ مطلب ہوا کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا مگر یہ قطعی ناممکن ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ میری موت وجود رکھتی ہے اور ہمیشہ سے ایسا ہی وجود رکھتی ہے جیسے کہ وہ آئندہ موجود ہو جائے گی۔ ابھی تک مجھے اس کا وجود محسوس نہیں ہوا لیکن بہرکیف وہ موجود ہے۔ اور مجھے موت سے ہرگز خوف نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو چیز آ چکی ہو اس کے انتظار کا خوف لاحاصل ہے۔ موت تو اس وقت اس طرح موجود ہے جیسے آخری صفحہ اس کتاب کا جس کو پڑھنا شروع کر دیا ہے مگر ابھی ختم نہیں کیا۔"

اس طرح کی دلیلیں سوچتا ہوا چلا۔ مگر طبیعت پر ایک اداسی تھی۔ دل بھرا آتا تھا۔ یہاں تک کہ گھر کے دروازے پر پہنچا اور اپنی دونوں کنیزوں کے ہنسنے کی آواز سنی۔ یہ اپنے آقا کے انتظار میں اس وقت گیندوں سے کھیل رہی تھیں۔

پفنوتوس اور تائیس شہر کے قمری دروازے سے باہر نکل کر سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے۔

راہب نے تائیس سے کہا۔ "عورت یہ سمندر جو سامنے دیکھتی ہے اس کا کل پانی تیرے گناہوں کو دھونے کے لئے کافی نہیں ہے۔"

یہ جملہ نہایت غصے اور حقارت سے ادا کرکے آگے اس طرح گفتگو کی:

"کتیوں اور سورنیوں سے زیادہ نجس بن کر اس جسم کے ساتھ جسے خدا نے عبادت کے لئے ایک ہیکل بنایا تھا تو بت پرستوں اور بے دینوں کے ساتھ مبتلائے گناہ ہوئی۔ چونکہ حق اب تجھ پر روشن ہو چکا ہے اس لئے جب تو ہاتھ باندھے خاموش خدا کے سامنے حاضر ہونا چاہے گی تو تیری ناپاکیاں تجھ کو خود اپنے سے کس درجہ نفرت اور کراہت محسوس کرائیں گی۔!"

تائیس چپ چاپ راہب کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ رستہ نہایت ناہموار تھا اور دھوپ بہت تیز تھی۔ تھکن سے گھٹنے ٹوٹے جاتے تھے اور پیاس سے حلق خشک تھا۔ مگر راہب کے دل میں وہ جھوٹا رحم جو ناپاکوں کے دلوں کو بھی نرم کر دیتا ہے موجود نہ تھا اور جوش پارسائی میں وارفتہ ہو کر چاہتا تھا کہ اس جسم کے پرخچے اڑا دیئے جائیں جس پر حسن اب تک بدنامی اور رسوائی کی شہادت دینے کو خاص طور پر حاضر ہے۔ فکر و مراقبہ مذہبی گرمجوشی میں اور ہیجان پیدا کر دیتا۔ اور جس وقت یہ تصور بندھتا کہ تائیس نیکیاس کے ساتھ ہم بستر ہو چکی ہے تو اس خاص گناہ سے اس درجہ نفرت محسوس ہوتی کہ بدن کا سارا خون سمٹ کر دل پر آ جاتا اور معلوم ہوتا کہ اب سینہ شق ہو جائے گا۔ بددعائیں دل سے نکل کر حلق میں پھنس جاتیں اور پھر دانت پیسنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔ اسی حال میں تھا کہ دفعتاً کود کر تائیس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ رنگ زرد تھا۔ صورت پر ہیبت تھی۔ خدا کا جلال تن بدن میں سمایا تھا۔ اسی شکل میں جھک کر تائیس کی روح کو معائنہ کیا اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔

تائیس نے چپ چاپ چہرے سے تھوک پونچھ ڈالا۔ چلتے چلتے ٹھہری تک نہیں، اب راہب تائیس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور اونچا ہو ہو کر تائیس کی صورت اس طرح دیکھنے لگا جیسے کوئی کسی غار عمیق کو جھک کر دیکھے۔ اسی روحانی تشنج و خلجان میں رلو لٹے کر رہا تھا کہ تائیس کے پاؤں سے خون کا ایک قطرہ ریت پر ٹپکا۔ اس لہو کی بوند کو دیکھ کر سوچا کہ اس عورت سے مسیح کا انتقام اس طرح لینا کہ خود مسیح بھی اس طرح انتقام نہ لیتا کہاں تک درست تھی۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے قلب کشادہ میں کسی قسم نامعلوم کی تازگی محسوس ہوئی فوراً" گریہ لبوں پر آیا۔ آنسو شدت سے جاری ہو گئے۔ دوڑ کر تائیس کے سامنے آیا اور زمین پر منہ کے بل گر پڑا اور بہن کہہ کر اس کے زخمی پاؤں کو چومنے لگا۔ بار بار یہی جملہ زبان پر تھا:

"میری بہن۔ میری بہن۔ میری ماں۔ پاک اور مقدس بہن۔" اس کے بعد دعا مانگی کہ

"اے آسمان کے فرشتو اس لہو کی بوند کو اٹھا کر "معلی نجات" کی حضور میں پہنچا دو۔ خدا ایسا کرے کہ اس خون کے قطرے سے سیراب ہو کر ایک شجر اعجاز نما لالہ نعمان کا اس زمین پر اگے اور اس میں پھول آئیں اور جو ان پھولوں کو دیکھے اس کا دل پاک اور روشن ہو جائے۔ اے پاک۔ پاک اور بہت پاک تائیس۔"

اس دعا میں مشغول تھا کہ ایک لڑکا گدھے پر سوار ادھر سے نکلا۔ پفنونوس کے حکم سے لڑکا گدھے پر سے اترا۔ راہب نے تائیس کو اس پر سوار کیا اور لگام اپنے ہاتھ میں لے کر سفر جاری رکھا۔ شام ہوتے وہ ایک نہر کے کنارے پہنچے جس پر خوبصورت درخت سایہ کیئے تھے۔ راہب نے تائیس کو اتار کر گدھے کو ایک درخت سے باندھ دیا۔ پھر دونوں نرم گھاس کے ایک تختے پر بیٹھ گئے۔ پفنونوس نے تائیس کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے میں روٹی' نمک اور زوفے کا ساگ تھا۔ تازہ اور میٹھا پانی دونوں نے لوک سے پیا اور خدا کی باتیں کرنے لگے۔ تائیس نے کہا:

"ایسا صاف پانی میں نے کبھی نہیں پیا۔ اور نہ کبھی ایسی صاف اور پاک ہوا میں سانس لیا تھا۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹھنڈی ہوا میں خدا موجود ہے۔"

پفنونوس نے جواب دیا:

"بہن دیکھ۔ یہ شام کا وقت ہے رات کی تاریکی پہاڑیوں پر چھانی شروع ہو گئی ہے۔ اور اب وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ روحانی زندگی کا خیمہ نور میں چمکتا ہوا تجھے نظر آنے لگے۔ اور صبح ازل کی گلابی روشنی تیری نظر کے سامنے نمودار ہو۔"

رات بھر یہ دونوں چلتے رہے۔ اور جب پچھلے پہرے چاندنی چٹکی اور اس کی روشنی میں سمندر کی موجیں چمکنے لگیں تو انہوں نے خدا کی حمد گانی شروع کی اور جب آفتاب طلوع ہوا تو ریگستان ان کے سامنے ایسا پھیلا معلوم ہوا جیسے کسی عظیم الشان شیر کی کھال بیسہ کی زمین پر بچھا دی گئی ہو۔ اور اب اسی ریگزار کے کنارے کنارے جہاں کھجوروں کے جھنڈ تھے صبح کی روشنی میں سفید سفید جھونپڑیاں نظر آنے لگیں۔

تائیس نے ان جھونپڑیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "بابا۔ کیا روحانی حیات کے خیمے یہی ہیں۔"

پفنونوس نے جواب دیا۔ "ہاں۔ میری بیٹی۔ میری بہن۔ تو نے خوب پہچانا۔ یہی پناہ اور امن کا وہ گھر ہے جہاں میں اپنے ہاتھوں سے تجھے بند کروں گا۔"

اب ان دونوں نے دیکھا کہ جھونپڑیوں کے پاس ہر طرف عورتیں اس طرح کام کاج کرتی پھر رہی ہیں جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتوں کے گرد اڑتی نظر آئیں۔ کوئی روٹیاں پکا رہی ہے۔ کوئی ترکاریاں بھونتی ہے۔ بہت سی بیٹھی چرخہ کات رہی ہیں اور ان سب پر سورج کی روشنی اس طرح پڑ رہی ہے جیسے خدا کا نور چھنتا ہو۔ بہت سی عورتیں املی کے سایہ دار درختوں کے نیچے ہاتھ سیدھے چھوڑے۔ نظریں نیچی کئے مراقبہ میں مصروف کھڑی ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا کی محبت سمائی ہے۔ یہ مریم مگدالینی کا اتباع کرتی تھیں۔ یعنی سوائے عبادت اور مراقبے اور روحانی کیفیت حاصل کرنے کے انہیں دوسرا کام نہ تھا۔ اسی وجہ سے یہ سب "مریم" کہلاتی تھیں۔ جو عورتیں عبادت کے علاوہ معمولی کام کاج بھی کرتی تھیں ان کو "مرتھا" کہتے تھے۔ یہ سب نقابوں اور رومالوں سے اپنے سر ڈھکے رکھتی تھیں۔ لیکن ان میں جو بہت جوان تھیں ان کے بالوں کی ایک آدھ لٹ نکل کر پیشانی پر آ جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ اتفاق سے ایسا ہوتا ہو کیونکہ بالوں کو اس طرح بے احتیاطی سے رکھنا قواعد کے خلاف تھا۔ ایک نہایت ضعیف خاتون بلند قامت گورا رنگ لکڑی ٹیکتی ہوئی کبھی ایک جھونپڑی میں جاتی تھی کبھی دوسری میں۔ پفنوتوس ادب سے اس کے قریب آیا اور اس کی چادر کے ایک کونے کو بوسہ دے کر کہا:

"اے پاک اور معزز البینہ۔ تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ اے مکھیوں کی ملکہ میں تیرے چھتے کے لئے ایک مکھی ایسی لایا ہوں جو گمراہ تھی اور ایسی راہ میں آوارہ تھی جس میں پھول نہ تھے۔ میں اس کو اپنی مٹھی میں بند کر کے اپنے سانس سے اسے گرمی پہنچاتا ہوا یہاں تک لایا ہوں اور اب میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے تائیس کی طرف اشارہ کیا۔ تائیس اس وقت قیصری گھرانے کی بیٹی البینہ کے سامنے ادب سے سر نیچا کئے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے کھڑی تھی۔

البینہ نے تائیس کو کچھ دیر تک غور سے دیکھا۔ پھر کہا کہ "بیٹی اٹھو۔" جب تائیس سیدھی کھڑی ہوئی تو البینہ نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور راہب سے کہا:

"ہم اس کو "مریمون" کی جماعت میں داخل کریں گے۔"

پفنوتوس نے اب البینہ سے کل حال کہا کہ یہ عورت اس دیرامن میں کس وجہ سے لائی گئی ہے اور اجازت چاہی کہ پہلے اس کو کسی جھونپڑی میں تنہا رکھا جائے۔ البینہ نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور تائیس کو اپنے ساتھ ایک جھونپڑی میں لے گئی جس کو

ایک کنواری زاہدہ لیتا نے اپنی سکونت سے متبرک کیا تھا۔ لیکن جب سے تپ دق میں مریض ہو کر اس کا انتقال ہوا تھا یہ تنگ و تاریک جھونپڑی خالی پڑی تھی اور سوائے ایک بستر' ایک میز اور ایک صراحی کے اس میں اور کچھ نہ تھا۔ تائیس نے جب اس کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس کی روح ایک سرور سرمدی سے معمور ہو گئی۔

پفنوتوس نے راہبات کی رئیسہ سے کہا کہ "اس جھونپڑی کا دروازہ میں اپنے ہاتھ سے بند کرنا اور اس پر اپنی مہر لگانی چاہتا ہوں۔ یسوع جس وقت یہاں آئے گا تو وہ اس مہر کو توڑے گا۔"

اتنا کہہ کر وہ کنوئیں کے قریب گیا اور وہاں سے کچھ گیلی مٹی اٹھائی۔ لعاب دھن سے اس پر اپنا ایک بال جمایا اور دروازہ بند کر کے اس کی جھری پر مٹی تھوپ دی۔ اس کے بعد وہ جھونپڑی کی کھڑکی کی طرف آیا۔ دیکھا کہ تائیس اندر بالکل خاموش مگر نہایت اطمینان اور سکوت کے عالم میں کھڑی ہے۔ راہب فوراً زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو اور تین بار خدا کی تعریف کر کے کہنے لگا۔ "کیسی حسین ہے وہ جو روحانی زندگی کی راہوں میں چلتی ہے۔ کیسے خوبصورت اس کے پاؤں ہیں اور کیسا نورانی اس کا چہرہ ہے۔"

یہ کہہ کر وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ سر کو کمبل کے ٹکڑے سے ڈھکا اور آہستہ قدم وہاں سے رخصت ہوا۔

البینہ نے ایک کنواری راہبہ کو بلایا اور حکم دیا:

"بیٹی جا۔ اور ضرورت کی سب چیزیں' روٹی' پانی اور تین سوراخوں والی ایک بانسری اس نئی راہبہ کو پہنچا دے۔"

○

فرفیون

اب پفنوتوس نے صحرائے طیبی کی لو لی۔ رستہ میں ایک مقام پر پہنچا جس کا نام اثربی تھا۔ یہ دریائے نیل کے کنارے تھا۔ اور یہاں سے ایک کشتی غلہ بھر کر اسرائیون قسیس کی خانقاہ کو جانے والی تھی۔ پفنوتوس اس میں بیٹھ گیا۔ چند روز کے دریائی سفر کے بعد کشتی سے اترا۔ تو تمام مرید استقبال کے لئے کنارہ پر حاضر تھے۔ آقا کو دیکھ کر سب باغ باغ ہو گئے۔ کسی نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے' کوئی سجدہ شکر بجا لایا' کسی نے راہب کی نعلین کو بوسہ دیا۔ کیونکہ اسکندریہ میں جو کار خیر اس نے کیا تھا اس کی خبر سب کو ہو چکی تھی۔ کلیسا کے نیک و بد فتح و شکست کی اطلاع راہبوں کو خفیہ طور پر نہایت جلد پہنچ جایا کرتی تھی اور صحرا میں ایسی خبروں کی رفتار بادسموم کی رفتار سے کم تیز نہ ہوتی تھی۔

پفنوتوس نے کشتی سے اتر کر ریت پر چلنا شروع کیا۔ مرید پیچھے پیچھے خدا کا شکر کرتے چلتے تھے۔ فلے دیان پر جو مریدوں میں سب سے بڑا رتبہ رکھتا تھا ایسی روحانی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ خدا کی تعریف میں زور زور سے گیت گانے لگا۔

جب راہب کی دہلیز پر سب مرید پہنچ گئے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور کہا۔

"آقا ہم کو برکت دیئے اور ایک پیانہ تیل کا دیجئے تاکہ آپ کی واپسی کی خوشی میں ضیافت کریں۔"

مریدوں میں صرف پال جس طرح کھڑا تھا اسی طرح کھڑا رہا۔ پفنوتوس کو اس نے نہیں پہچانا۔ اشارہ سے پوچھنے لگا کہ یہ کون آدمی ہے کسی نے اس کی بات کا خیال نہ کیا کیونکہ سب جانتے تھے کہ خداترسی میں اسے فضیلت حاصل ہے مگر عقل بالکل نہیں رکھتا۔

مرید جب رخصت ہوئے تو انصینو کا قسیس اپنی جھونپڑی میں اکیلا ہو کر سوچنے لگا کہ "آخر کار میں گوشہ عافیت میں پہنچ گیا جہاں آرام اور روحانی تسکین ہمیشہ نصیب ہوئی تھی۔ گویا قناعت اور اطمینان کے قلعہ میں پھر آ گیا۔ لیکن کیا بات ہے کہ اس پھوس کی چھت نے جو مجھے پہلے بہت بھلی معلوم ہوتی تھی میری کچھ آؤ بھگت نہیں کی اور نہ دیواروں

نے کہا کہ "تیرا آنا مبارک"۔ گھر کو جیسا چھوڑ گیا تھا ویسا ہی پاتا ہوں۔ کسی چیز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ میری میز' یہ میرا بستر وہی ہے جو تھا۔ اور یہ لکڑی کی مورت مسیح مصلوب جس نے مجھ کو ہمیشہ رلو نیک دکھائی ہے جیسی چھوڑ گیا تھا ویسی ہی ہے۔ یہ انجیل مقدس بھی جس میں خدا کی صورتیں دیکھا کرتا تھا وہی ہے جو تھی۔ لیکن باوجود اس کے جو کچھ گھر میں چھوڑ گیا تھا اسے نہیں پاتا۔ ہر چیز میں جو خیر و برکت پہلے معلوم ہوتی تھی اب وہ نظر نہیں آتی۔ بلکہ سب چیزیں ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا آج انہیں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ جب اس میز اور پلنگ کو جنہیں برسوں ہوئے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور مسیح کی تصویر اور ان چھال کے کاغذوں کو جن پر خدا کی باتیں لکھی ہیں لکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامان کسی مردے کا ہے۔ برسوں ان چیزوں سے مانوس رہنے کے بعد اب میں انہیں پہچانتا تک نہیں۔ افسوس۔ مگر ان چیزوں میں کوئی چیز بدلی نہیں ہے جو کچھ بدلا ہے وہ میں خود ہوں۔ میں اب وہ نہیں ہوں جو تھا۔ کوئی اور ہوں۔ اور غالباً" وہ مردہ میں ہی ہوں جو یہ سامان چھوڑ گیا ہے۔ اے خدا وہ آدمی جو کبھی یہاں زندہ تھا کدھر گیا۔ کونسی چیز وہ لے گیا اور کونسی چیز وہ چھوڑ گیا۔ آخر میں اب کون ہوں۔"

پفنوتوس کو جس بات نے بہت بے چین کر رکھا تھا وہ یہ تھی کہ اب یہ جھونپڑی اسے بہت ہی تنگ معلوم ہوتی تھی۔ حالانکہ اگر چشم ایمان سے دیکھتا تو اس کی وسعت بے پایاں نظر آنی چاہئے تھی کیونکہ خدا کی بے پایانی کا خیال بھی یہیں سے شروع ہوا تھا۔

زمین پر پیشانی رگڑ کر دعا مانگنے لگا۔ پہلے کچھ تسکین ہوئی لیکن اسی حال میں ایک گھنٹے سے زیادہ گزرنے پر دفعتاً" تائیس کی صورت اس کے سامنے ظاہر ہوئی۔ پفنوتوس اسے دیکھتے ہی مسیح کی جناب میں شکر گزار ہوا اور کہنے لگا:

"اے یسوع۔ یہ تو ہے جس نے تائیس کو میرے پاس بھیجا ہے۔ میں تیرے اس بے انتہا کرم کا منت گزار ہوں۔ تو چاہتا ہے کہ جس کو میں تیری نذر کر چکا ہوں اس کی صورت میں بھی دیکھتا رہوں تاکہ میرے قلب کو ایک راحت و تسکین حاصل رہے تو میری آنکھوں کو اس کا بے ضرر تبسم اور معصوم حسن جس کا نیش معصیب میں نے پہلے ہی نکال دیا ہے دکھاتا ہے۔ اے خداوند تو مجھے مسرور کرنے کے لئے تائیس کی شکل اسی ہیئت میں دکھاتا ہے جس میں تیرے ایما کے مطابق میں نے اسے پاک اور آراستہ کرکے تیری حضور میں پیش کیا تھا۔ تیری اس نوازش میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست سے تحفہ

لے کر خوش ہوا ہے اور خس کر وہی تحفہ اپنے دوست کو یاد دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس عورت کو دیکھ کر ایک لذت پاتا ہوں کیونکہ اس دیدار میری نظر میں ایک رویائے صادقہ ہے جو تو نے مجھے دکھایا ہے۔ اے یسوع تو اس بات کو بھولنا نہیں چاہتا کہ یہ نذر میری پیش کر ہوئی ہے اے یسوع تو اس کو اپنے پاس رہنے دے کیونکہ وہ تجھے خوش کرتی ہے اور اس کے نور حسن کو سوائے اپنے دوسروں پر نہ چمکنے دے۔"

پفنونوس کو ساری رات نیند نہ آئی اور تائیس کی یہ خیالی تصویر اس کو ایسی واضح نظر آئی کہ تائیس کے پری گوشے میں اس کی اصلی صورت بھی اس طرح نظر نہ آئی تھی۔ اور خود ہی اس بات پر گواہی دینے لگا کہ۔

"جو کچھ میں نے کیا وہ خدا کی بزرگی کے لئے تھا۔"

باوجود ان خیالات کے حیرت میں تھا کہ دل کو چین کیوں نہیں آتا۔ بہت ہی افسوس کر کے کہنے لگا:

"اے میری روح تو کیوں اس قدر مغموم ہے اور کیوں تو اس قلق میں ایسی مضطرو بے قرار ہے۔"

اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور یہ حالت اضطراب تیں دن تک جاری رہی جو ایک راہب کے حق میں نہایت خطرناک مصیبتوں کا پیش خیمہ تھی۔ تائیس کی صورت رات دن سامنے رہتی۔ کسی طرح نہ ہٹتی۔ اور نہ وہ اسے ہٹانا چاہتا۔ کیونکہ ابھی تک وہ یہ سمجھتا تھا کہ حالت خواب میں صورت جو نظر آئی ہے وہ منجانب خدا ہے اور صورت بھی ایک خدا رسیدہ عورت کی ہے۔ ایک رات پچھلے پہرے تائیس خواب میں اس سے ملنے آئی۔ سر سے بنفشہ کے پھولوں کے ہار لپٹے تھے۔ حسن میں ملاحت اس غضب کی تھی کہ پفنونوس بدحواس ہو کر سوتے میں چلا اٹھا اور جب جاگا تو سارا بدن سرد پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ آنکھوں میں نیند کا اثر باقی تھا کہ اس کو اپنے چہرے پر کوئی چیز گیلی اور گرم معلوم ہوئی۔ دیکھا کہ ایک چھوٹا سا گیدڑ چارپائی کے سیروے پر اگلے دونوں پنجے رکھے کھڑا ہے اور اپنا متعفن سانس پفنونوس کے چہرے پر پہنچا کر زور زور سے قہقہے لگاتا ہے۔

پفنونوس کو سخت حیرت ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ جس اونچے مقام پر کھڑا تھا وہ مقام مع اس کے زمین میں دھنسا چلا جاتا ہے اور حقیقت اب وہ اپنے ثبات قلب سے محروم ہو کر ایمان و اعتقاد کی بلندی سے پستی میں گر رہا ہے۔ کچھ دیر تک اس کی یہ حالت رہی کہ

سوچنے اور فکر کرنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ جب حواس کچھ درست ہوئے تو غور کرنے لگا مگر جس قدر غور کیا دل کی بے قراری بڑھتی گئی۔

سوچنے لگا کہ اس خواب کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلے خوابوں کی طرح یہ خواب بھی خدا کی طرف سے ایک رحمت کی نشانی ہے۔ خواب اچھا ہے مگر میرے نفس کی کثافت نے اس کو برا کر دیا جیسے ناصاف پیالے میں شراب ڈھل کر ترش ہو جائے۔ میں اپنی نااہلی سے ایک امر خیر کو شر سمجھا ہوں اور شیطان کے گیدڑ کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ خواب خدا نے نہیں دکھایا ہے بلکہ اس کا دکھانے والا شیطان ہے۔ اس لئے یہ خواب فاسد ہے اگر ایسا ہے تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ جو خواب اس سے پہلے دیکھے تھے وہ بھی خدا کی طرف سے نہ تھے بلکہ شیطانی تھے گو میں ان کو خدا کی طرف سے سمجھتا رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیروشر نیک و بد میں تمیز کرنے کا جو وقوف ایک مسیحی عابد میں ہونا چاہئے اب وہ مجھ میں نہیں رہا۔ اور دونوں صورتیں ثابت کرتی ہیں کہ خدا مجھ سے اجنبی ہو گیا ہے اور اس نے اپنی رحمت کا سایہ مجھ پر سے اٹھا لیا ہے۔ اور اس کا اثر بغیر اس کے کہ کوئی سبب بیان کر سکوں مجھ کو محسوس ہو رہا ہے۔"

اس طرح دل ہی دل میں بحث کر کے اس نے سخت حالت ہراس میں خدا سے یوں دعا مانگی:

"اے خدائے عادل۔ اگر تیرے اولیا اور تیرے اصفیاء کے رویا بھی ان کے لئے ایک خطرہ ہیں تو پھر تو نے اپنے اس بندے کو کن آزمائشوں کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ کوئی صاف اور واضح نشانی اپنی ظاہر کر دے جس سے مجھے معلوم ہو کہ کون سی چیز تیری دکھائی ہوئی ہے اور کون سی شیطان کی۔"

چونکہ خدا نے جس کی مصلحتوں میں کسی کو دخل نہیں اپنے بندے بفنوتوس کو کوئی نشانی دکھانی ضروری نہ سمجھی اس لئے بفنوتوس نے جو شکوک میں مبتلا ہو چلا تھا ارادہ کیا کہ اب کبھی تائیس کا خیال دل میں نہ لائے گا مگر یہ ارادہ ہیچ تھا۔ غائب صورت پھر حاضر ہو گئی اور اب ہر حال میں چاہے پڑھتا ہو' چاہے عبادت کرتا ہو' چاہے مراقبے میں ہو' تائیس سامنے کھڑی اس کو غور سے دیکھا کرتی۔ پہلے ایک ہلکی سی آواز جیسے چلنے میں کسی عورت کے لباس سے پیدا ہو سنائی دیتی اور پھر اس کی صورت سامنے آ جاتی۔ اور خیال کا یہ نقش واقعہ سے بھی زیادہ واضح اور صاف ہوتا۔ بلکہ واقعی صورتیں تو متحرک ہونے کی وجہ سے

زیادہ صاف نظر نہیں آتیں مگر خیالی صورتیں اپنی خصوصیات اور شخصیت کو پتھر کا نقش بنا دیتی ہیں اور پھر ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی نگاہ ان سے ہٹا نہیں سکتا۔ اب تائیس مختلف انداز سے اس کے پاس آنے لگی۔ کبھی اس کی صورت افسردہ و مغموم ہوتی۔ گلے میں وہی روپہلی پھولوں والا ارغوانی جوڑا ہوتا جو اسکندریہ میں ضیافت کی رات کو پہنے تھی۔ اور پیشانی بھی ان ہی پھولوں سے آراستہ ہوتی جو آخری دن زلفوں پر مرجھائے تھے۔ کبھی یہ صورت شہوت انگیز ہوتی۔ سر سے پاؤں تک لباس ایسا باریک ہوتا جیسے ہوا یا شبنم کا غبار اور گری حسن بھی وہی ہوتی جس کی بجلیاں پری گوشہ میں کوندا کرتی تھیں۔ کبھی صورت پر شان پارسائی ہوتی۔ ٹاٹ کا خرقہ گلے میں ہے اور چہرے پر روحانی مسرت کا نور برس رہا ہے۔ کبھی صورت مظلوموں کی سی ہوتی۔ منہ پر مردنی چھائی ہے اور موت کی ہیبت میں آنکھوں کی پتلیاں پھرنے کو ہیں۔ سینہ بالکل کھلا ہے اور دل مجروح کا خون پھوٹ کر چھاتیوں پر آ گیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ بے چین کرنے والے خواب وہ ہوتے تھے جن میں تائیس کے گھر کی وہ بیش بہا اور نادر چیزیں جن کو اس راہب نے اپنے ہاتھوں سے آگ میں جھونکا تھا زندہ ہو کر فریاد و فغاں کرتی ہوئی سامنے آتیں۔ اب اسے معلوم ہوا کہ ہر شے میں کوئی چیز ایسی رکھی گئی ہے جو فنا نہیں ہوتی۔ ایسے خوابوں کو دیکھ کر پفنوتوس چیخ اٹھتا اور کہتا:

"لو۔ اور دیکھو۔ تائیس کے بے شمار گناہوں کی یہ خبیث روحیں بھی اب مجھ پر نرغہ کرنے لگیں۔"

جب گردن پھیرتا تو معلوم ہوتا کہ تائیس سامنے سے ہٹ کر پیٹھ کے پیچھے آ گئی ہے۔ اس حالت میں اور بھی پریشان ہو جاتا۔ پفنوتوس کی تکلیف حقیقت میں ایسی تھی جس کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اس پر سخت ظلم کر رہا ہے۔ لیکن گناہوں کی ترغیب سے اس کی روح اور اس کا جسم غیر متاثر رہا۔ اس لئے خدا سے اس کی امیدیں اب تک قائم تھیں اور عجز و نیاز کے ساتھ کسی قدر شکوہ بھی زبان پر آ جاتا اور کہتا:

"خداوند اگر اس کو تلاش کرتا ہوا میں بت پرستوں میں گیا تو یہ تلاش تیرے ہی لئے تھی۔ اپنے لئے نہ تھی جو کچھ میں نے کیا تیرے لئے کیا۔ پھر اس کی سزا مجھ کو ملی کیونکر درست ہو سکتی ہے' اے رحم دل یسوع مجھے اپنی پناہ میں لے۔ اے میرے نجات دینے والے مجھ کو اس تکلیف سے رہا کر اس خیالی صورت کو اتنا اختیار نہ دے کہ جسم جس گناہ

سے بچا رہا ہے خیال اس کا مرتکب ہو جائے۔ جسم پر جب مجھ کو فتح نصیب ہو چکی ہے تو خیال کو اتنی جسارت نہ دے کہ وہ میری تباہی کا باعث ہو جائے۔ میں جانتا ہوں کہ جس قدر خطرے مجھے اس وقت درپیش ہیں اتنے کبھی پہلے نہ تھے۔ تجربہ نے مجھے بتایا کہ خیال کو بہ نسبت واقعہ کے زیادہ قوت حاصل ہے اور اس کے سوا کچھ اور ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ خواب یا رویا ایک اعلیٰ درجہ کا اوراک ہے۔ وہ بھی روح ہے۔ افلاطون گو بت پرست تھا مگر اپنی خیالی امثال کا ایک وجود واقعی تسلیم کرتا تھا۔ خداوندا شیاطین کی اس ضیافت میں جہاں تو میرے ساتھ تھا میں نے ان لوگوں کی تقریریں سنی تھیں جو گناہوں میں از سرتا پا ڈوبے ہوئے تھے مگر عقل و دانش سے ہرگز بے بہرہ نہ تھے۔ یہ لوگ بھی اس بات پر متفق تھے کہ جو چیزیں ہم کو حالت تنہائی یا استغراق یا روحانی کیفیتوں میں نظر آتی ہیں وہ محض خیالی نہیں ہوتیں بلکہ واقعی ہوتی ہیں اور تیری انجیلوں سے بھی خواب کی تاثیر اور ان خیالی صورتوں کی اصلیت پر بار بار شہادت ملتی ہے جن صورتوں کو خداوندا تو خود یا تیرا دشمن شیطان دکھاتا ہے۔"

پفنونوس میں اب کوئی نیا آدمی گھس بیٹھا تھا۔ اس کی راتیں خوابوں کا ایک طولانی سلسلہ ہوتی تھیں اور اس کے دن بھی ایسے ہوتے تھے کہ راتوں سے فرق نہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک رات صبح ہوتے اس نے ایک خواب ایسا دیکھا کہ سوتے سوتے چونک پڑا اور اس طرح آہیں کھینچنے لگا جیسے چاندنی رات میں مقتول مجرموں کی قبروں سے سنائی دیتی ہیں۔ خواب یہ تھا کہ تائیس کی صورت سامنے آئی ہے اور اپنا زخمی پاؤں اسے دکھاتی ہے۔ پاؤں دیکھ کر پفنونوس رونے لگتا ہے اور وہ صورت چپکے سے اس کے پاس بستر پر چلی آتی ہے۔ اب پفنونوس کو مطلق شبہ نہیں رہا کہ تائیس کی یہ خیالی صورت کوئی ناپاک روح ہے۔

دل میں ایک نفرت پیدا ہو گئی۔ گندے بچھونے سے اٹھا اور شرم کے مارے چہرے کو ہاتھوں سے چھپا لیا کہ دن کی روشنی کو بھی اپنی صورت نہ دکھائے۔ گھنٹوں اسی حال میں گزر گئے مگر شرمندگی کی تکلیف کسی طرح دور نہ ہوئی۔ جھونپڑی میں کوئی اور نہ تھا ایک عرصہ کے بعد یہ پہلا دن تھا کہ وہ یہاں تن تنہا تھا۔ تائیس کی صورت غائب ہو چکی تھی لیکن اس کا غائب ہو جانا بھی اس کے لئے غضب تھا۔ ہر وقت اسی خواب کی باتیں یاد آتی تھیں جو آج صبح ہوتے دیکھا تھا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ان کو بھلا دیتی۔ بالکل حواس باختہ ہو کر دل میں کہنے لگا:

"کیوں میں نے اسے اپنے پاس سے ہٹا نہ دیا۔ کیوں اس کے سرد بازوؤں اور گرم گھٹنوں سے میں نے اپنے تئیں چھڑا نہ لیا۔"

اس نجس بستر کے قریب اب وہ خدا کا نام بھی نہ لے سکتا تھا۔ خیال آیا کہ جب یہ جھونپڑی اس قدر ناپاک ہو گئی ہے تو پھر شیاطین اس میں ہر وقت داخل ہوا کریں گے۔ اس خیال کے آتے ہی سات چھوٹے چھوٹے گیدڑ دکھائی دیئے جو دروازے پر ٹھہرے تک نہیں سیدھے ایک کے پیچھے ایک جھونپڑی میں داخل ہو چارپائی کے نیچے آن بیٹھے۔ شام کی عبادت کے وقت آٹھواں گیدڑ داخل ہوا۔ اس میں سخت بدبو تھی' دوسرے دن اک نیا گیدڑ گھس آیا۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں گیدڑوں کی تعداد تو تمیں پھر ساٹھ پھر اسی ہو گئی۔ جوں جوں شمار میں بڑھتے گئے ان کے قد چھوٹے ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ چوہوں کے برابر ہو گئے اور جھونپڑی کے فرش' کرسی اور چارپائی پر بے تکلف پھرنے لگے۔ ان میں سے ایک اچک کر چارپائی کے سرہانے پہنچا جہاں مسیح کی مورت تھی اور اس مورت پر اپنے دونوں پنجے رکھ کر لال لال انگارہ سی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب ہر روز جھونپڑی میں نئے نئے گیدڑ آنے اور بڑھنے شروع ہوئے۔

اس نجس خواب کے اثر کو دور کرنے اور برے خیالات سے پیچھا چھڑانے کے لئے ارادہ کیا کہ اس جھونپڑی کو چھوڑ کر صحرا میں کہیں بہت دور جا کر کسی مقام کو اپنا مسکن بنائے اور وہاں طرح طرح کی ایذائیں اپنے جسم پر برداشت کرے اور نئے نئے طریقوں سے توبہ و استغفار میں مصروف ہو۔ لیکن اس قصد سے پہلے وہ بڈھے راہب پلمون کے پاس مشورے کے لئے گیا۔

دیکھا کہ وہ اپنے باغیچے میں درختوں کو پانی دے رہا ہے۔ آفتاب غروب ہونے کو ہے' دریا کا نیلگوں پانی اودی اودی پہاڑیوں کے قدموں میں بہہ رہا ہے۔ بڈھے راہب کے کندھے پر ایک قمری آن بیٹھی ہے' اس لئے وہ پانی کا گھڑا اٹھا کر بہت آہستہ چلتا ہے۔ کہ کہیں قمری ڈر کر اڑ نہ جائے۔

پفنوتوس کو دیکھ کر پلمون کہنے لگا۔ "خدا ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔ بھائی پفنوتوس خدا کی نعمتوں کی تعریف کرو۔ جو جانور اس نے پیدا کئے ہیں ان کو میرے پاس بھیجتا ہے کہ میں خدا کے کلام ان کے سامنے بیان کروں اور ہوا کے پرندوں میں بھی اس کے نام کی بزرگی کروں۔ ذرا اس قمری کو دیکھو اور اس کی گردن کے طوق پر نظر ڈالو۔ نقاش ازل

نے اس میں کیسے کیسے رنگ بھرے ہیں۔ مگر بھائی پفنوتوس تم تو مجھ سے کسی روحانی معاملہ میں گفتگو کرنے آئے ہو۔" یہ کہہ کر بلمون نے پانی کا گھڑا زمین پر رکھ دیا اور پفنوتوس کی باتیں سننے لگا۔

پفنوتوس نے اپنے سفر اور واپس آنے پر دن میں طرح طرح کی خیالی صورتیں اور رات میں عجیب عجیب خواب دیکھنے کا حال کہا اور جو نجس خواب حال میں دیکھا تھا اس کا قصہ اور جھونپڑی میں گیدڑوں کے آنے کی پوری کیفیت سنائی۔

پفنوتوس۔ "بلمون۔ کیا آپ کی صلاح نہیں ہے کہ میں اب کہیں صحرا میں بہت دور جا کر رہوں اور ایسی حیرت انگیز نفس کشی اور شدید ریاضت کروں کہ شیطان کے بھی ہوش پراگندہ ہو جائیں۔"

بلمون نے جواب دیا۔ "عزیز بھائی میں تو ایک غریب گنہگار ہوں اور مجھ کو دنیا والوں کا حال اچھی طرح معلوم بھی نہیں۔ کیونکہ میری عمر تو اسی باغیچہ اور جنگل کے ہرنوں' ہرنیوں' خرگوشوں اور کبوتروں میں گزری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری اس تکلیف اور شکایت کا سبب یہ ہے کہ دنیا کے شور و شغب سے نکل کر صحرا کی خاموشی میں آنے کے لئے جو احتیاط ضروری تھی وہ تم نے نہیں کی۔ اس قسم کی فوری تبدیلی سے روحانی صحت میں خلل آ جانا ضروری تھا۔ تمہاری مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو بہت گرم موسم سے دفعتاً" کسی سرد مقام میں آ جائے۔ تم اپنا حال تو دیکھو۔ کف نے تمہارا جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے اور بخار نے تمہیں پھونک رکھا ہے بھائی پفنوتوس اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو شہر کی چہل پہل چھوڑ کر اس خوفناک صحرا میں آنے کے بدلے کہیں ایسے کاموں میں مصروف ہو جاتا جو حقیقت میں ایک پارسا راہب تیس کے لئے ہمیشہ مناسب ہوتے ہیں۔ یعنی جو خانقاہ قریب سے قریب ملتی وہاں سکونت اختیار کرتا" ان خانقاہوں میں بعض کی نسبت سنتا ہوں کہ وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ بالخصوص دیر اسرائیلوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں 1432 حجرے ہیں۔ راہبوں کو وہاں کئی جماعتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان جماعتوں کی تعداد اتنی رکھی گئی ہے جتنے یونانی ابجد میں حروف ہیں۔ پھر راہبوں کی ذہنی خصوصیات میں اور ان حروف کی شکلوں میں جو ایک خاص مشابہت ہے اس کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ مثلاً جو راہب حرف (Z) کی جماعت کے ہیں ان کی طبیعت میں تذبذب اور شک کا مادہ موجود ہے۔ اسی طرح جو لوگ (L) کی جماعت والے ہیں پارسائی میں ان کی طبیعتیں بالکل استوار ہیں۔ اگر میں تمہاری

جگہ ہوتا تو ان باتوں کو بچشم خود دیکھنے کا مجھے شوق پیدا ہوتا۔ اور جب تک یہ سب چیزیں نہ دیکھ لیتا دل کو چین نہ آتا۔ نیل کے کنارے جس قدر گروہ راہبوں کے آباد نظر آتے ان میں جاتا اور ہر ایک کی خصوصیات دریافت کرتا اور پھر ایک کا دوسرے سے مقابلہ کرتا۔ یہ کام ایسا تھا جو ایک راہب کے انجام دینے کے لائق تھا۔ تم نے بھی سنا ہو گا کہ افریم قیس نے اپنی خانقاہ کے لئے بے مثل قواعد وضع کئے ہیں' تم تو بڑے خوشخط ہو۔ کیا ممکن نہ تھا کہ اس سے اجازت لے کر ان قواعد کی کتابت کرتے۔ میں تو لکھنے کا کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے ہاتھ کدال اور بیلچہ چلانے کے خوگر ہیں اور انگلیوں میں وہ لوچ اور نرمی نہیں ہے کہ نرسل کا قلم چھال کے کاغذ پر چلا سکوں۔ لیکن اے عزیز تم تو لکھنے پڑھنے میں خوب مشاق ہو اور اس کے لئے تمہیں خدا کا شکر کرنا چاہئے کیونکہ اچھے خط کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ خوشنویسوں اور کتب کے مطالعہ کرنے والوں کے شغل تو ایسے ہیں کہ انسان کو ناپاک خیالات سے ہمیشہ محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ بھائی راہب تم ہمارے بزرگان ملت پولوس اور انطونی کے مکالمات کی نقل کیوں نہیں لکھا کرتے۔ اگر یہی کام شروع کر دو تو گوشہ نشینی پھر تم کو اچھی معلوم ہونے لگے اور طبیعت اس قابل ہو جائے کہ اس سفر سے پہلے جو روحانی ریاضتیں کرتے تھے ان کو پھر اختیار کر لو۔ جس زمانہ میں انطونی یہاں رہا کرتے تھے تو ان کا قول تھا کہ "زیادہ روزے رکھنے سے کمزوری اور کمزوری سے کسل و جمود پیدا ہو جاتا ہے اور بعض راہب سخت روزے رکھ کر اپنی تندرستی خراب کر لیتے ہیں۔ ان کی نسبت یہی کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اپنے سینے میں خنجر بھونک کر اپنی روح کو شیطان کے حوالے کر دیا۔ یہ قول فادر انطونی کا ہے۔ میں تو ایک جاہل آدمی ہوں لیکن خدا کے فضل سے مجھے اپنے ہادی کے تمام احکام و اقوال بر زبان ہیں۔"

پفنونوس نے پلمون کا شکریہ ادا کر کے اس کی نصیحت پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اور جب اس بڈھے راہب کے باغیچہ سے باہر آیا جس کے گرد ہرے ہرے نرسلوں کی باڑھ لگی تھی تو مڑ کر دیکھنے لگا۔ پلمون بدستور کیاری میں پانی دینے لگا تھا اور قمری بھی اس کے کندھے پر اسی طرح بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کا بے اختیار رونے کو جی چاہا۔

جب جھونپڑی میں واپس آیا تو دیکھا کہ لکھو کھا گیدڑ جھونپڑی میں اس طرح گھسے چلے آتے ہیں جیسے تیز ہوا کے جھونکوں سے ریت کے ذرے اڑ کر آتے ہوں۔ رات کو جب سو گیا تو خواب میں پتھر کا ایک بہت اونچا ستون نظر آیا جس کی چوٹی کے نیچے ایک عورت کا سر

بنا ہوا تھا۔ وہاں سے آواز آئی:

"اس ستون پر چڑھ جا۔"

جب آنکھ کھلی تو دل کو یقین دلانے لگا کہ یہ خواب اچھا ہے اور خدا نے اس کی ہدایت کے لئے دکھلایا ہے۔ فوراً اپنے مریدوں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

"اے میرے نور چشمو۔ میں تم سے پھر رخصت ہوتا ہوں تاکہ خدا جہاں لے جائے وہاں جاؤں۔ میری غیر حاضری میں قلعے ویان کی بدستور اطاعت کرتے رہنا اور اپنے بے عقل بھائی پال کی بھی خبر رکھنا۔ اب میں تمہارے حق میں دعا کر کے تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

لتا کہ کر وہ روانہ ہوا۔ سب مرید منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔ جب اٹھے تو دیکھا کہ دور ریگستان کے کنارے پفنوتوس کی ہیئت ایک سیاہ بادل کے ٹکڑے کی سی نظر آتی ہے۔

پفنوتوس دن رات چلتے چلتے ایک بڑی عالیشان عمارت کے کھنڈر میں پہنچا۔ یہ ایک بت خانہ تھا جسے نہایت قدیم زمانہ کے بت پرستوں نے بنایا تھا۔ یہاں پہلے بھی ایک دفعہ اسکندریہ جاتے ہوئے ایک رات قیام کیا تھا۔ سانپ اور بچھو یہاں بکثرت تھے۔ اور ایسی عورتوں کا گزر تھا جن کے نیچے کے دھڑ مچھلیوں کی شکل کے ہوتے ہیں۔ دیواروں پر اب بھی وہی تصویریں موجود تھیں جو پہلے دیکھی تھیں۔ تیس بلند ستون اس قدیم عمارت میں اب تک ایسے موجود تھے جن کے تاج یا تو انسان کے سر یا کنول کی قطع کے تھے۔ ان پر پٹاؤ کے پتھر اور چھتیں قائم تھیں۔ ستونوں کے اس سلسلے کے آخر میں ایک ستون سب سے علیحدہ تھا جس پر نہ پٹاؤ کا پتھر تھا نہ کوئی چھت تھی۔ اور اس کے تاج کا پتھر ایک عورت کی ہنستی ہوئی شکل کا تھا جس کی آنکھیں لمچھوئی اور رخسار پھولے اور ماتھے پر گائے کے دو سینگ سے نکلے تھے۔

اس ستون کو دیکھتے ہی سمجھا کہ یہی وہ مقام ہے جو خواب میں نظر آیا تھا۔ پورے ستون کی بلندی انداز سے بتیس ہاتھ معلوم ہوئی۔ پاس ہی ایک گاؤں تھا وہاں گیا اور ایک بڑھئی سے بتیس ہاتھ سے کچھ زیادہ لمبان کی سیڑھی بنوائی۔ جب یہ سیڑھی ستون پر لگائی گئی تو اوپر گیا اور ستون پر پہنچ کر خدا کو سجدہ کیا اور کہنے لگا۔

"اے خداوند۔ یہ ہے وہ مقام جس کو تو نے میرا مسکن بنانا پسند فرمایا ہے۔ کیا میں

مرتے دم تک تیری رحمت کے سایہ میں یہاں رہ سکوں گا۔"

پفنوتوس نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لی تھی۔ آس پاس کے گاؤں والوں کی خیر خیرات پر بھروسا کر کے خدا پر توکل کیا تھا۔

ستون کی چوٹی پر جگہ اتنی چوڑی چکلی نہ تھی کہ پورے پاؤں پھیل سکتے اس لئے گھٹنے سمیٹ کر اور سر کو سینے کی طرف خم کر کے لیٹا اور سو گیا۔ اس کی یہ نیند جاگنے سے بھی زیادہ خستہ کرنے والی تھی۔ صبح ہوتے ہی جب پرندے بسیرا لے کر اٹھے تو سب طرف سے آ کر اس کو جھپٹے مارنے لگے۔ پفنوتوس سخت حیرانی اور خوف کی حالت میں بیدار ہوا۔

بڑھئی جس نے سیڑھی بنائی تھی دل میں خدا کا خوف رکھتا تھا۔ اسے خیال آیا کہ خدا کے اس نیک بندے کو ستون کے اوپر نہ دھوپ سے کچھ بچاؤ ہے اور نہ مینہ سے۔ کسی دن سوتے میں نیچے آن رہے گا۔ اس لئے وہ تھوڑے سے تختے لایا اور ان کو ستون کی چوٹی پر جڑ کر چاروں طرف ایک کٹہرا سا بنا دیا۔ اور اوپر ایک سائبان ڈال دیا۔

اب یہ عجیب واقعہ کہ ایک فقیر ستون کی چوٹی پر آ کر رہا ہے گاؤں گاؤں مشہور ہو گیا۔ اور ہر ساتویں دن قرب و جوار کے کسان اور کاشتکار مع جورو بچوں کے "کھمبے والے فقیر" کی زیارت کو آنے لگے۔ شدہ شدہ پفنوتوس کے مریدوں کو بھی خبر لگی کہ آقا کہاں جا کر رہا ہے اور وہ بھی سب کے سب اس کے پاس چلے آئے اور اجازت لے کر ستون کے نیچے ادھر ادھر اپنے رہنے کے لئے جھونپڑیاں ڈال لیں۔ ہر صبح وہ حاضر ہوتے اور حلقہ باندھ کر آقا کے سامنے کھڑے رہتے اور جو پند و نصیحت وہ کرتا اسے گوش دل سے سنتے۔

ایک دن مریدوں سے کہنے لگا۔ "اے میرے فرزندو۔ ان معصوم بچوں کی طرح رہو جنہیں یسوع پیار کرتا تھا۔ اسی میں بخشش ہے۔ جسم کا گناہ تمام گناہوں کی جڑ اور ابتدا ہے۔ اسی سے تمام گناہ پیدا ہوئے ہیں جیسے باپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ غرور' طمع' کاہلی' غصہ' حسد یہ سب اسی ایک گناہ کی ذریات ہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے اسکندریہ میں کیا دیکھا۔ جو کچھ دیکھا وہ یہ تھا کہ دولتمندوں میں عیش و عشرت کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے اور ایک گدلے دریا کی طرح ان کو بہا کر تلخ پانی کے سمندر میں ڈبو رہا ہے۔"

خانقاہوں والے قسیسوں نے یعنی افریم اور اسرائیوں نے جب اس نئی قسم کی ریاضت اور اصلاح نفس کی خبر سنی تو انہوں نے اس حالت کو بچشم خود دیکھنا چاہا اور پفنوتوس سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے' ایک دن جب پفنوتوس نے دریا پر ان کی کشتیوں کے

دور سے دیکھے تو خیال کیا کہ خدا نے واقعی ان عابدوں کے سامنے ایک مثال پیش کرنے کے لئے مجھے اس ستون کی چوٹی پر بٹھلایا ہے۔ جب ان دونوں قسیسوں نے راہب کو ستون پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے تعجب کو چھپا نہ سکے۔ آپس میں کچھ باتیں کر کے دونوں نے ایک زبان ہو کر نفس کشی اور توبہ کے اس غیر معمولی طریقہ پر اعتراض شروع کئے اور پفنوتوس سے کہا:

"اتر آؤ۔ اس قسم کی زندگی ہمارے دستور کے خلاف بالکل عجائبات سے ہے۔ رہبانیت کے قواعد میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔"

پفنوتوس نے جواب دیا۔ "رہبانیت کی زندگی عجائبات ہی کی زندگی کا نام ہے اور ایک راہب بھی ایسا ہی عجیب ہوتا ہے جیسے کہ اس کے کام عجیب ہوتے ہیں۔ خدا کے حکم سے میں اس ستون پر چڑھا ہوں اور خدا کے حکم ہی سے میں نیچے اتر سکتا ہوں۔"

اب ہر روز دور دور کے رہبان حاضر ہو کر پفنوتوس سے ارادت حاصل کرنے لگے اور فقیر کے اس معلق تکیہ کے نیچے ادھر ادھر جھونپڑیاں ڈال کر آباد ہو گئے۔ ان میں بعض نے پیر کی تقلید بھی کرنی چاہی اور اس ویرانے کی کسی اونچی منڈیر یا ٹوٹی دیوار کی ممٹی پر جا بیٹھے۔ لیکن جب ان کے ساتھیوں نے ڈانٹا اور خود بھی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو نیچے اتر آئے۔

زائرین کے غول کے غول ہر طرف سے آنے شروع ہوئے۔ ان میں بعض بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے یہاں پہنچتے تھے۔ بھوک پیاس سب کے ساتھ لگی تھی۔ گاؤں کی ایک مفلس بیوہ کو خیال آیا کہ لوگوں کے لئے پانی اور پھلوں کا کچھ بندوبست کرنا چاہئے۔ جس میں اسے بھی چار پیسے مل جایا کریں۔ چنانچہ ستون کے قریب ہی اس نے چار بانس کھڑے کر کے اور ان پر نیلی دھاریوں کا ایک کپڑا تان کر تربوزوں کا ایک ڈھیر لگایا اور ایک طرف کورے کورے مٹکوں میں پانی بھر کر آواز لگانی شروع کی۔ "پیاسو۔ ادھر آؤ۔" اس بیوہ کو دیکھ کر ایک نان بائی بھی کچھ اینٹیں اور مٹی لے کر پہنچا اور ایک تنور تیار کر کے روٹیاں پکا پکا کر بھوکوں کے ہاتھ بیچنے لگا۔ زائروں کا تانتا اسی طرح بندھا رہا۔ مصر کے بڑے بڑے شہروں کے لوگ فقیر کی زیارت کو آنے لگے۔ ایک شخص نے روپیہ پیدا کرنے کے خیال سے ایک سرائے بھی وہاں بنوا دی تاکہ امیر رئیس مع بال موالی جس قدر آئیں ان کو آسائش ہو۔ اور ان کے اونٹوں اور خچروں کے باندھنے کے لئے بھی معقول انتظام ہو۔ اس طرح بہت جلد فقیر

کے کھمبے کے سامنے ایک بڑا بازار جمنے لگا۔ دریا کے کنارے کنارے جتنی بستیاں تھیں وہاں کے ماہی گیر مچھلیاں اور باغبان تازے میوے اور ترکاریاں بیچنے کے لئے لانے لگے۔ اتفاق سے ایک نائی بھی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں کوئی فرمائش کرتا جھٹ کسبت کھول وہیں مونڈنے بیٹھ جاتا اور ہنسی مذاق کی باتیں سنا کر لوگوں کو ہنساتا اور خوش کرتا۔ غرض وہ پرانا بت خانہ جہاں آدمی کا نام و نشان نہ تھا اور جہاں صدہا برس سے ایک ہو کا عالم رہتا تھا وہاں اب ہزارہا آدمی موجود ہو گئے۔ طرح طرح کے کام اور دھندے چلنے لگے ہر طرف بھاگ دوڑ اور چہل پہل رہتی۔ رفتہ رفتہ شراب بیچنے والے بھی وہاں وارد ہوئے۔ بت خانے کے ٹوٹے ہوئے حجروں کو کچھ ٹھیک ٹھاک کر شراب کے شیشے وہاں آراستہ کئے اور ایک تختہ پر پفنوتوس کی کچھ الٹی سیدھی تصویر بنا اور اس کے نیچے یونانی اور قبطی زبان میں یہ عبارت لکھ کہ "انار اور انجیر کی شراب یہاں فروخت ہوتی ہے۔" اس تختے کو ایک ستون پر جڑ دیا۔ اکثر حجروں میں بتوں کے سر دیوار گیروں کی طرح دیواروں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ان پر کہیں کنجڑوں نے پیاز کی گٹھیاں اور کہیں مچھلی والوں نے خشک مچھلیاں ڈوروں میں پرو کر لٹکا رکھی تھیں۔ ایک قصائی نے پوری بھیڑ کی کھال اتار کر ایک بت کی گردن میں لٹکا دی تھی۔ رات ہوتے ہی سینکڑوں چوہے ان کھنڈروں کے پرانے بسنے والے قطاریں باندھے دریا کی طرف بھاگتے نظر آیا کرتے۔ شام کو لق لق دریا کی سمت سے اڑتے ہوئے ان ویرانوں میں آتے اور کہیں بیٹھنے سے پہلے اپنی پتلی نازک ٹانگیں جھلا کر جن کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ کہاں ٹکیں گی کسی اونچی منڈیر یا ٹوٹی دیوار کے کلس پر بسیرا لینے اتر پڑتے۔ مگر جب نان بائیوں کی دکانوں کا دھواں اور شراب خانوں کا شور ان تک پہنچتا تو اپنی لمبی لمبی گردنیں تان کر ادھر ادھر حیرت سے دیکھنے لگے۔

اس عرصہ میں پیمائش کرنے والے بھی جریبیں اور جھنڈیاں لئے پہنچے۔ انہوں نے ناپ ناپ کر سڑکوں اور محلوں کی داغ بیل ڈالی۔ معمار آئے۔ انہوں نے دیر و کلیسا تعمیر کرنے شروع کئے اور چند مہینوں میں یہ ویرانہ ایک پورا شہر بن گیا۔ سرکار کی طرف سے فوج کا ایک دستہ بھی حفاظت کے لئے تعینات ہوا۔ ایک عدالت اور قید خانہ بھی تیار ہو گیا۔ اور ایک اندھے نے جو پہلے کہیں محرری کرتا تھا ایک مدرسہ بھی بچوں کے پڑھنے کے لئے کھول دیا۔

زائرین کا اب شمار نہ تھا۔ بڑے بڑے اساقفہ اور واعظان کلیسا پفنوتوس کے دیدار

کے لئے حاضر ہو کر اس کی تعریف میں اپنی زبانیں خشک کرتے۔ انطاکیہ کا بطریق جو اس زمانہ میں اسکندریہ میں آیا ہوا تھا اپنے تمام قسیسوں کے ساتھ یہاں آیا اور راہب کی اس غیر معمولی نفس کشی کو دیکھ کر بہت پسند کیا۔ جب کلیسا کے اس سب سے بڑے افسر یعنی بطریق کی عمدہ رائے قائم ہوئی تو افریم اور اسرافون کو بھی اس کی خبر گی۔ چونکہ اس سے پہلے وہ بفنوتوس کے اس طریقہ پر معترض ہو چکے تھے اس لئے اب اپنے پہلے خیال کی معذرت کے لئے حاضر ہوئے۔ بفنوتوس نے ان کے عذر سن کر کہا:

"بھائیو۔ اس بات کو سمجھ لو کہ کفارۂ عصیاں بننے کے لئے جس قدر تکلیفیں اور ایذائیں اٹھا رہا ہوں وہ نفس کی ان تحریصوں سے جنہوں نے مجھ پر غلبہ پا رکھا ہے سختی میں بہت کم ہیں۔ ان تحریصوں کا زور اور ان کا شمار اتنا ہے کہ وہ سب مل کر میرا کلیجہ چبائے ڈالتے ہیں۔ انسان کا ظاہر اگر دیکھا جائے تو وہ ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ اس ستون کی چوٹی سے جہاں خدا نے مجھے بٹھایا ہے آدمی مجھے چوہوں کے برابر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر انسان کے باطن پر نظر کی جائے تو اس کی وسعت بے اندازہ ہے۔ وہ اس جہان سے بھی زیادہ ہے کیونکہ جہان خود اس میں موجود ہے۔ یہ جس قدر دیر و کلیسا' مکانات اور سرائیں۔ دریا کے اوپر کشتیاں جو مجھے نظر آ رہی ہیں یا جو گاؤں اور بستیاں' کھیت اور ریگستان مجھے دور دکھائی دیتے ہیں یہ ان چیزوں کے مقابلے میں جو انسان کے اندر ہیں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے دل میں بے شمار شہر اور وسیع صحرا جن کی کوئی حدود نہایت نہیں موجود ہیں اور اسی وسعت لاانتہٰی پر بدی اور موت اس طرح اپنا تاریک سایہ ڈالے ہیں جیسے رات زمین پر چھائی ہو۔ برے اور ناپاک خیالات کی میں ایک دنیا بن گیا ہوں اور وہ دنیا مجھ میں سما گئی ہے۔"

بفنوتوس نے یہ تقریر اس وجہ سے کی تھی کہ عورت کی خواہش اس پر شدت سے غالب ہو چکی تھی۔

ساتویں مہینے اسکندریہ کی دو امیر زادیاں آئیں جو مدت سے بانجھ تھیں اس امید پر کہ فقیر کی دعا اور جس ستون پر وہ بیٹھا ہے اس کی برکت سے وہ صاحب اولاد ہو جائیں گی۔ یہ دور و دراز سفر انہوں نے اختیار کیا تھا۔ یہاں آ کر ستون کے پتھر سے انہوں نے اپنے کولے رگڑے۔ مریضوں کی آمد بڑھتی گئی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ رتھوں' گاڑیوں اور ڈولیوں کا ایک سلسلہ بندھا تھا۔ یہ فقیر کے اونچے تکیے کے نیچے آ کر ٹھہر جاتی تھیں اور ان

میں سے ایسے بیمار اترتے جن کو دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا۔ عورتیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو فقیر کے سامنے لاتیں جن کے ہاتھ پاؤں اینٹھے ہوئے اور آنکھیں اندھی بے نور ہوتیں۔ منہ سے کف جاری۔ اور آوازیں پھٹی پھٹی ہوتیں۔ یفنونوس اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ دیتا۔ اندھے نابینا جن کو سمت کی اٹکل نہ تھی۔ کبھی ادھر کبھی ادھر ہاتھ بڑھا کر جیسے کوئی کسی چیز کو ٹٹولتا ہو سامنے آتے اور منہ اوپر کو اٹھا دیتے۔ چہرے پر آنکھوں کی جگہ جیسے گوشت کے دو لال لال سوراخ نظر آتے۔ مفلوج مرض الموت میں بے حس و حرکت پڑے ظاہر کرتے کہ بدن کے اعصاب اکڑ کر ان کے اعضاء بالکل بیکار ہو گئے ہیں۔ لنگڑے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے کہ کس طرح ٹکوے اور پنجے سمٹ کر ان کی مٹھیاں سی بندھ گئی ہیں۔ عورتیں چھاتیاں کھول کر سرطان کے زخم دکھاتیں اور رو رو کر کہتیں کہ یہ موذی مرض ان کو پھاڑے کھاتا ہے۔ استسقاء کے مرض میں مبتلا عورتیں سامنے آکر بیٹھ جاتیں۔ یفنونوس ان سب مریضوں کے حق میں دعا کرتا۔ تو یہ سے فیل پا کے مریض مشکل سے اپنے بھاری پاؤں اٹھاتے ہوئے آتے۔ ان کے چہروں پر زردی کھنڈی ہوتی اور وہ فقیر کی طرف دیکھ دیکھ کر روتے۔ یفنونوس ان کو دیکھتے ہی صلیب کا نشان بناتا۔ کسی شہر سے لوگ اس کے پاس ایک لڑکی کو لائے جو خون کی قے کرنے کے بعد تین دن سے بالکل بے ہوش تھی۔ بدن میں خون نام کو نہ رہا تھا۔ ماں باپ نے اسے مردہ سمجھ کر کھجور کا پتا اس کے سینے پر رکھ دیا تھا۔ یفنونوس نے خدا سے دعا مانگی' لڑکی نے سر اٹھایا اور آنکھیں کھول دیں۔

جب اس فقیر کی کرامات دور دور مشہور ہوئیں۔ تو ایک خاص قسم کے مریض اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ان کی تعداد ہزاروں سے کم نہ تھی۔ ان کے مرض کا یونانی نام "غیبی عارضہ" تھا یہ لوگ ستون کے قریب پہنچتے تو ان کے اعصاب میں ایک طرح کا تشنج پیدا ہوتا اور وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگتے۔ حرکتیں بالکل مجنونانہ ہو جاتیں کبھی زمین پر کروٹیں بدلتے کبھی ہاتھ پاؤں سمیٹ کر گولا بن جاتے اور اس کیفیت کا اثر یفنونوس کے مریدوں پر بھی ہو جاتا اور وہ بھی ان ہی کی سی حرکتیں کرنے لگتے اور حالت یہ ہو جاتی کہ کیا راہب اور کیا زائر کیا مرد اور کیا عورت جسے دیکھئے ہاتھ پاؤں سکیڑے لوٹ رہا ہے۔ منہ میں جھاگ بھرے ہیں اور مٹی اٹھا اٹھا کر کھاتا۔ اور آئندہ کی خبریں جھوم جھوم کر سناتا ہے۔ یفنونوس جب اپنے ستون کی چوٹی سے یہ حالت دیکھتا تو اس کے بدن پر بھی ایک تھرتھری

چھوٹ جاتی اور خدا سے پکار پکار کر کہتا:

"خدایا میں تو یہودیوں کا بکرا ہو گیا جسے تکفیر کے دن سے کے گناہوں کا کفارہ بنا کر جنگل میں چھوڑا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب لوگوں کے گناہوں نے میرے قلب کو نجس خیالات سے بھر دیا ہے۔"

جب کبھی کسی مریض کو شفا ہو جاتی اور اس کے عزیز و رشتہ دار خوش خوش اسے اٹھا کر لے جاتے تو تمام مرید زور زور سے نعرے لگاتے اور کہتے "دیکھو ایک سلوم کا کنواں شفا کا چشمہ یروشلم میں تھا اور دوسرا یہاں جاری ہوا ہے۔"

لنگڑے آرام پاتے ہی اپنی لکڑیاں جن سے سہارا لے کر چلا کرتے تھے اس باکرامت ستون سے اودھر اودھر کہیں ٹکا دیتے۔ عورتیں تندرست ہو کر پھولوں کے ہار چڑھانے آتیں اور دیوتاؤں کی مورتیاں کھمبے کے پاس رکھ جاتیں۔ یونان والے ستون پر اشعار کندہ کر جاتے۔ باہر سے جو آتا اس کو ستون پر اپنا نام کھودنا ضرور تھا۔ حتی کہ زمین سے لے کر آدمی کے قد تک بے شمار کتبے لاطینی' یونانی' قبطی' قرطاجنی' عبرانی' سریانی زبانوں کے علاوہ سحر اور جادو کی علامات و نقوش کے اس کھمبے پر کندہ ہو گئے۔

عید فسح کے زمانہ میں اس باکرامت شہر میں اس کثرت سے مخلوق آئی کہ سن رسیدہ لوگوں کو پرانے تہواروں کے مجمعے یاد آ گئے۔ خلقت کے انبوہ میں مصریوں کے رنگین دھاریوں والے لباس' بدویوں کے برنس' حبشیوں کے سفید کپڑے' یونانیوں کی اونچی قبائیں' رومانیوں کے بیچے بیچے گھیر دار چغے' صحرائیوں کے سرخ لباس۔ غرض یہ سب چیزیں ایک وسیع میدان میں مل جل کر عجیب کیفیت پیش کرتی تھیں۔ اس بھیڑ بھاڑ میں عورتیں بھی منہ پر نقاب ڈالے گدھوں پر سوار موجود ہیں۔ حبشی خواجہ سرا آگے آگے چل رہے ہیں۔ لوگوں کو ڈنڈے مار کر سواری کے سامنے سے ہٹاتے ہیں۔ نٹ اور بازی گر بھی آن پہنچے ہیں۔ قالین کے ٹکڑے بچھا کر ان پر اپنے کرتب دکھاتے ہیں اور تماشائی چپ کھڑے ان کی چرب زبانیاں سن رہے ہیں۔ سپیرے بانسوں پر کالے اور کوڈیالے لپیٹے ان کے بل کھول رہے ہیں۔ غرض یہ انبوہ کہیں تو اپنے رنگوں کی آب و تاب دکھاتا' کہیں گرد و غبار کے بادل اٹھاتا' کہیں گانے بجانے کی آوازیں اور کہیں سوائے بے تکے شور و غل کے اور کچھ نہ ہوتا۔ تعویذ گنڈے بیچنے والوں کی صدائیں' راہبوں کی انجیل خوانی' آسیب زدہ عورتوں کے ہنکارے اور پیشین گویاں' گداگروں کی زبان پر پرانی حرم سراؤں کے گیت' بھیڑوں کی میں

میں، گدھوں کی بینجوں بینجوں، پھسڈی مسافروں پر کشتی بانوں کی ڈانٹ پکار، حبشی لڑکوں کی تیز آوازیں جو تازی کھجوریں بیچتے اودھر اودھر دوڑتے پھرتے۔ ان سب نے ایک شور قیامت برپا کر رکھا تھا۔

دن کو کورے آسمان کے نیچے دھوپ کی تیزی میں عورتوں کے تیل اور پھلیل کی مہک، حبشیوں کی بساند اور بدبو۔ پکتے کھانوں کی بھاپ، گوند اور چھالوں کا دھواں جنہیں چرواہوں سے خرید کر لوگ وہاں جلاتے تھے۔ ان سب چیزوں سے مخلوق کا دم گھٹا جاتا تھا۔

رات کو ہر طرف جگہ جگہ آگ جلائی جاتی۔ مشعلیں اور قندیلیں روشن ہوتیں۔ ہر چیز کے کسی حصہ پر سرخ روشنی اور کسی پر سیاہ سایہ ہوتا۔ کہیں بہت سے آدمی حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے۔ اور بیچ میں ایک بڈھا دھواں دیتے چراغ کی روشنی میں اپنا قصہ سناتا۔ کہ کسی زمانہ میں ایک جادوگر نے اس پر جادو کر دیا تھا۔ سینہ چیر کر دل نکال لیا اور اس میں چھالیہ کی ایک ڈلی رکھ دی۔ پھر اس سے ایک گھنا درخت پیدا ہو گیا۔ یہ باتیں وہ اس قدر ہاتھ نچا نچا کر اور چہرے بنا بنا کر کہتا کہ در و دیوار پر اس کی پرچھائیاں اور چھلتی کودتی دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی۔ لوگ حیرت سے اس کی داستان سنتے اور تعریفیں بھی کرتے جاتے۔ شراب خانوں میں شراب تکیے لگائے بیٹھے ہوتے اور بار بار شراب مانگتے۔ ناچنے والیاں سرے کا جل سے درست سینہ کھولے کبھی پاک اور پر درد اور کبھی شدت سے نامعقول حرکتیں کرتیں جو ان سب سے الگ ٹولیاں باندھے جوا کھیلتے۔ اور بڈھے رنڈیوں کے پیچھے دوڑتے پھرتے۔

غرض اس تمام چلتی پھرتی مخلوق میں صرف فقیر والا پتھر کا ستون ایسا تھا جو بالکل بے حس و حرکت اپنی جگہ قائم تھا۔ اور اس کے اوپر پفنونوس بیٹھا زمین اور آسمان کے بیچ میں کو کچھ تھا اس کی پاسبانی کرتا تھا۔ دفعتاً" دریا کی سطح سے چاند اس طرح نکلا جیسے کسی پری وش سیم تن کا شانہ برہنہ ہو جائے۔ پہاڑیوں پر سبز و سفید روشنی نے اپنی لٹیں چھوڑ دیں اور اس نیلم اور سبزوں جڑی رات میں جھم جھم کرتی موجوں کے نور سے تائیس کی شکل پفنونوس کو نظر آنے لگتی۔

دن ہفتے مہینے گزر گئے مگر پفنونوس ستون کی چوٹی پر جس پر دن سے جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھا رہا۔ برسات آئی، باران رحمت سائبان سے اتنا ٹپکا کہ فقیر تر بتر ہو گیا۔ دن کی جلتی دھوپ اور رات کی اوس بھری خنکی سے بدن کی جلد پھٹنے لگی، پھنسیاں پھوڑے نکل آئے۔ لیکن تائیس سے ملنے کی آرزو دل سے نہ گئی۔ سینے میں ایک آگ بھڑکی رہتی اور

اس درد و تکلیف میں رو رو کر کہتا:

"اے قوت اور طاقت والے خدا کیا یہ جو کچھ مجھ پر گزر رہا ہے کافی نہیں ہے کہ نفس کی ترغیبیں تیز کر کے ناپاک خیالات اور شیطانی خواہشیں میرے قلب میں اور اضافہ کی جاتی ہیں۔ خداوندا۔ اگر یہی ہے تو انسان کی جتنی شہوت پرستیاں ہیں وہ سب مجھ میں بھر دے تاکہ میں ان کا ایک صدقہ بن جاؤں۔ باطل پرستوں نے یہ قصہ گھڑ رکھا ہے کہ آرگوس کی کتیا ہیلن نے دنیا کے سب گناہ سمیٹ کر اپنے اوپر لے لئے تھے۔ اس قصے کے غلط ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن جو معنی اس میں مخفی ہیں ان کی صحت اور میرے ساتھ ان کی مطابقت کا اندازہ اس وقت مجھ کو خود ہو رہا ہے۔ اولاد آدم کی تمام سیہ کاریاں اور رسوائیاں پاکبازوں کے قلب میں داخل ہو کر ایک زندان تاریک میں مقید ہو جاتی ہیں۔ اور پاک روحوں میں وہ نجاست بھر جاتی ہے۔ جو گنہگاروں کی روحوں میں بھی نہیں ہوتی۔ پس اے قادر مطلق میں تیرا شکر کرتا ہوں۔ کہ تمام عالم کی غلاظت کے لئے تو نے مجھے ایک گندہ نالہ بنا دیا ہے۔"

قضارا ایک دن اسی شہر قدسی صفات میں یہ خبر گرم ہوئی اور پفنونوس کے کانوں تک بھی پہنچی کہ ایک بڑا عالی مرتبت شخص یعنی اسکندریہ کا امیر اسامیل لوقس قوطا یہاں آ رہا ہے۔ اسکندریہ سے روانہ ہو چکا ہے اور اب یہاں پہنچا کا پہنچا ہے۔

یہ خبر بالکل صحیح تھی۔ پیرانہ سال قوطا جو نہروں اور آب رسانی کے محکموں کے معائنہ کے لئے نکلا تھا کئی مرتبہ ارادہ کر چکا تھا کہ ستون والے فقیر کو اور جو شہر اس کے خاص طرز سکونت کی وجہ سے استیلاپولس مشہور ہو گیا ہے اس کو ایک نظر خود دیکھے۔ چنانچہ ایک دن صبح ہوتے ہی اس شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ دریا کی سطح کشتیوں کے بادبانوں سے بالکل ڈھک گئی ہے۔ امیر اسامیل جس کشتی پر سوار ہے اس پر سونے چاندی کا کام ہے اور اس کے بادبان سرخ کپڑے کے ہیں۔ قوطا اپنے نائب کے ساتھ کشتی سے اترا۔ نائب کی بغل میں تختی تھی۔ اس پر امیر جو حکم صادر کرتا تھا نائب فوراً" اسے لکھ لیتا تھا۔ ارسطوس امیر کا طبیب خاص بھی کشتی سے اترا۔ قوطا کو اپنے طبیب سے باتیں کرنے کا بیحد شوق تھا۔

اب ملازموں مصاحبوں اور ہمراہیوں کے غول کے غول کشتیوں سے اترنے شروع ہوئے اور تھوڑی دیر میں دریا کا کنارہ دور دور تک فوجی لباسوں اور ہتھیاروں سے جگمگا اٹھا۔ ستون سے دس قدم ہٹ کر قوطا نے کھمبے والے فقیر کا معائنہ شروع کیا۔ نظر بالکل اس کی طرف جما دی۔ پیشانی کا پسینہ چغہ کے دامن سے کبھی کبھی پونچھتا تھا۔ چونکہ طبیعت میں

تحقیق کا مادہ تھا اس لئے بحری سیوسٹر میں مشاہدے بہت کئے تھے۔ جب سے تاریخ قرطاجنہ لکھی تھی جس میں چشم دید واقعات سے زیادہ بحث کی تھی اس بات کا بہت شوق بڑھ گیا تھا کہ مشاہدات سابقہ کو ذہن میں حاضر رکھ کر جدید واقعات کو تحریر میں لانے کی فکر کی جائے۔ نائب ہر وقت تختی لئے ساتھ رہتا کہ جو کچھ امیر کے منہ سے نکلے فوراً" اسے بطور یادداشت تختی پر لکھ لے۔ غرض اس وقت قوطا کے سامنے جو کچھ تھا اس میں وہ غایت درجہ دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔

پسینہ میں ڈوبا ہوا کھنکار کر کہنے لگا۔ "اس مشاہدے میں جو بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص جو ستون کی چوٹی پر بیٹھا ہے ایک مرتبہ میرا مہمان رہ چکا ہے' ہرگز شبہ نہیں کہ یہی شخص میرے مکان پر ضیافت میں شریک ہوا تھا اور ضیافت کے بعد اسکندریہ کی ایک تماشا کرنے والی طوائف کو لے بھاگا تھا۔"

اتنا کہہ کر اپنے نائب کی طرف جھک کر کہا:

"عزیز القدر۔ اس واقعہ کے ساتھ ساتھ کہ یہ شخص میرا مہمان رہ چکا ہے اس ستون کے دور اور طول کو بھی تختی پر درج کر لو اور ستون کے تاج کی جو شکل ہے اس کو بیان کرنا نہ بھولنا۔"

پھر ایک مرتبہ پیشانی کا پسینہ پونچھ کر کہا:

"معتبر لوگوں نے جن کو صحیح خبریں پہنچتی ہیں مجھ سے بیان کیا ہے کہ جس دن سے یہ راہب اس کھمبے کی چوٹی پر بیٹھا ہے آج تک ایک لمحے کے لئے بھی نیچے نہیں اترا۔ ارسطوس کیا تمہارے خیال میں ایسا ممکن ہے۔"

ارسطوس نے کہا۔ "ایک بیوقوف اور بیمار سے تو یہ ممکن ہے لیکن ایک تندرست آدمی جس کا دماغ صحیح ہو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ تندرستی اچھی یا بری فی الحقیقت کوئی چیز نہیں۔ صرف اعضاء کی مختلف حالتوں کا نام صحت یا عدم صحت بدنی ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امراض فی الحقیقت حیات انسانی کی لازمی صورتیں ہیں۔ مجھے امراض کے پڑھنے میں جو لطف آتا ہے وہ ان سے لڑنے میں نہیں آتا۔ بعض عوارض ایسے ہوتے ہیں کہ جس قدر ان پر غور کیجئے حیرت بڑھتی جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باوجود بے ربطی کے ان میں ایک ربط موجود ہے۔ مثلاً جو تھیئے بخار کو دیکھئے کہ وہ ایک نہایت حسین چیز ہے۔ بعض وقت امراض گو ان کا تعلق جسم سے ہوتا ہے ذہن کو نہایت تیز اور

روشن کر دیتے ہیں۔ آپ کریون سے تو واقف ہوں گے۔ جب یہ بچہ سا تھا تو نہایت غبی تھا اور بے حد ہکلاتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے سیڑھی پر سے گرا۔ سر میں چوٹ آئی۔ چوٹ آتے ہی ذہن کھل گیا اور اب آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ اصول قانون کا کیسا زبردست ماہر ہے۔ یہ راہب جو ستون پر بیٹھا ہے یقیناً اس کے اندرونی اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی سخت صدمہ پہنچ چکا ہے۔ لیکن اس قسم کی زندگی جیسی عجیب معلوم ہوتی ہے واقعی ایسی عجیب نہیں ہے۔ آپ کو ہندوستان کا سفر تو یاد ہو گا۔ وہاں بہت سے جوگی اور سنیاسی ایسے دیکھنے میں آئے تھے جو ایک سال تو کیا چیز ہے بیس بیس اور چالیس چالیس برس تک ایک ہی جگہ دم سادھے بے حس و حرکت بیٹھے رہتے ہیں۔"

قوطا نے کہا۔ "کچھ شبہ نہیں کہ یہ خلل دماغ بدترین قسم کا ہے۔ انسان اس لئے پیدا ہوا کہ کچھ کام کرے۔ جمود اور بیکاری کی حالت ایسا جرم ہے جو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس سے سلطنت کو نقصان پہنچتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مسلک طرز عبادت کو کس مذہب و ملت سے متعلق سمجھوں۔ ممکن ہے کہ بعض مشرقی مذاہب اس کا ماخذ ہوں۔ کیونکہ جس زمانہ میں' میں شام کا حاکم تھا تو وہاں اعضاء تولید کی پرستش کی جاتی تھی۔ اور اس کے لئے جابجا لاٹھ اور مینار بنے تھے۔ ہر سال کسی لاٹھ یا منارے پر ایک آدمی چڑھ کر سات دن تک اس کی چوٹی پر بیٹھا رہتا تھا۔ عام اعتقاد یہ تھا کہ ارباب فلک سے گفتگو کرنے کے لئے اس نے یہ بلندی اختیار کی ہے تاکہ ملک کے حق میں امن و عافیت کا کوئی قول و قرار ان سے حاصل کرے۔ یہ اعتقاد اور طریقہ بالکل عقل کے خلاف تھا۔ لیکن میں نے اس کو بند نہیں کیا کیونکہ رعایا کی رسم و رواج کو بند کرنا حاکم کے لئے کسی حال میں درست نہیں بلکہ اس کو قائم اور جاری رکھنا اس کا فرض ہے۔ اور نہ حکومت کا یہ کام ہے کہ اپنی طرف سے کسی طریقہ کو جبراً رواج دے۔ بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ جو مذاہب اور طریقے رعایا میں موجود ہیں ان کے ماننے والوں کی قطعی تسلی و تشفی کر دے کہ ان میں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی دست اندازی نہ کی جائے گی۔ یہ مذاہب خواہ بھلے ہوں یا برے مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ ان قوموں' مقاموں اور زمانوں کا مقتضیٰ تھے جن میں وہ شائع ہوئے۔ اگر کوئی حاکم ان کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا انجام یقینی برا ہے۔ ایسے حاکم کے تمام افعال ظالمانہ ہو جائیں گے اور پھر رعایا کو اس سے جتنی عداوت ہو وہ کم ہے' علاوہ اس کے ان اوہام پرستوں سے اپنے

تئیں بالاتر رکھنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ان کے مذاہب کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ارسطوس میرے خیال میں تو اس دیوانے مزاج کو اسی طرح آرام سے ہوا میں معلق رہنے دینا چاہئے۔ یہاں سوائے پرندوں کے اور کسی چیز سے اسے گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ میں اس فقیر سے اس پر کسی قسم کا جبر کرکے کوئی بات حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ اس طرح نفع اٹھا سکتا ہوں کہ اس کے خیالات کو سمجھ کر کسی طور پر اپنا اطمینان کر لوں۔"

بڈھا قوطا اس گفتگو کے دوران میں کبھی ہانپنے اور کبھی بار بار کھانسنے لگتا تھا۔ آخر کار اپنے نائب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"عزیز القدر۔ یہ بات ذرا تختی پر لکھ لو کہ عیسائیوں کے بعض فرقوں میں بدکار عورتوں کو بھگا لے جانا اور کسی اونچے ستون پر چڑھ کر اس کی چوٹی کو گوشہ عزلت بنانا نیک کام ہے۔ اس کے ساتھ تم یہ بھی لکھ سکتے ہو کہ اس طریقے کے جو لوگ پابند ہیں غالباً" وہ شہوانی دیوتاؤں کے ماننے والے ہیں۔ لیکن اس امر خاص میں مجھے اس فقیر سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔"

اتنا کہہ کر قوطا نے اپنا سر اونچا کرکے اور دھوپ کی چمک سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرکے بہ آواز بلند پوچھنا شروع کیا۔

"پفنوتوس۔ اگر آپ کو یاد ہو کہ آپ کبھی میرے مہمان رہ چکے ہیں تو جواب دیجئے کہ آپ اس ستون کی چوٹی پر بیٹھے کیا کرتے ہیں۔ آپ اس ستون پر کیوں چڑھے تھے اور کس لئے اب تک وہیں قیام ہے؟ آپ کی دانست میں اس ستون کو اعضاء توالد کی پرستش سے تو کوئی تعلق نہیں ہے۔"

پفنوتوس نے قوطا کو بت پرست جان کر اس کو جواب دینے میں اپنی کسر شان سمجھی۔ لیکن فلے ویان جو پفنوتوس کا مرید اور شاگرد رشید تھا آگے بڑھا کر کہنے لگا۔

"عالی جناب۔ اس بزرگ درویش نے دنیا بھر کے گناہ اپنے اوپر لے لئے ہیں اور وہ مریضوں کو شفا بخشتا ہے۔"

اتنا سن کر قوطا نے اپنے طبیب خاص ارسطوس کی طرف تعجب اور غور سے دیکھا اور کہا۔ "ہائیں۔ ارسطوس تم نے کچھ سنا۔ یہ فقیر تمہاری طرح مریضوں کا علاج بھی کرتا ہے پس ایسے فلک آشیاں طبیب کی نسبت تمہارا کیا خیال ہو سکتا ہے۔"

ارسطوس نے سر ہلایا اور کہا:

"ممکن ہے کہ خاص خاص امراض کا علاج وہ مجھ سے بہتر کر سکتا ہو۔ مثلاً مرگی جسے خاص طور پر "دیوتائی دکھ" کہا جاتا ہے حالانکہ امراض تمام دیوتاؤں ہی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن اس مرض کے علاج کو ایک حد تک انسان کے تخیل سے تعلق ہے۔ قوطا آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ فقیر ایک دیوی کے سر پر بیٹھا ہے اس لئے وہ اپنے مریضوں کی طبیعت پر بہ نسبت میرے زیادہ اثر کرتا ہو گا۔ میں تو اپنے دواخانے میں قرابوں اور ہاون دستوں پر جھکا ہوا ایسا مصروف رہتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی اثر اپنے بیماروں پر نہیں پہنچا سکتا۔ آپ سمجھ لیں کہ بعض قوتیں دنیا میں ایسی موجود ہیں جو عقل اور علم دونوں سے زیادہ تاثیر رکھتی ہیں۔"

قوطا نے پوچھا "وہ کون سی قوتیں ہیں۔"

ارسطوس نے جواب دیا۔ "مثلاً جہالت اور غلطی۔"

قوطا۔ "ارسطوس۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اس فقیر سے زیادہ عجیب چیز آج تک نہیں دیکھی تھی۔ میرے خیال میں ایسا وقت آئے گا کہ کوئی لائق آدمی اس شہر کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا اور پھر اس کے لئے ضروری ہو گا کہ اس شہر کی وجہ تسمیہ لکھنے میں کہ کیوں اسے استیلاپولس "یعنی ستون والا شہر" کہتے ہیں اس کھمبے والے فقیر کی پوری سرگزشت لکھے۔ یہ منظر بلاشبہ عجیب ہے لیکن ایک باکار آدمی کے لئے اس کے دیکھنے میں زیادہ وقت صرف کرنا درست نہیں' اب یہاں سے چلنا چاہئے۔ نہروں کا معائنہ باقی ہے۔ "اچھا۔ پفنوتوس اب ہم آپ سے رخصت ہوتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اگر موقع ملا تو پھر ملاقات کریں گے۔ اگر کبھی زمین پر اترنے اور اسکندریہ میں آنے کا اتفاق ہو تو مجھ سے ضرور ملئے گا اور کھانا بھی میرے ساتھ کھایئے گا۔"

جب اتنے بڑے آدمی کی یہ تقریر مریدوں نے سنی تو اس کا آخری جملہ ایک زبان سے دوسری زبان پر آ کر ہزارہا لوگوں میں مشہور ہو گیا۔ زائرین نے اس احوال کو دور دور شہرت دی۔ اور پفنوتوس کی شان بزرگی اور زیادہ ارفع ہو گئی۔ خوش اعتقاد لوگوں نے اپنی طرف سے تقریر میں وہ وہ رنگ آمیزیاں کیں کہ اس کی صورت ہی بدل گئی۔ عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ فقیر نے ستون کی چوٹی ہی پر بیٹھے بیٹھے امیر مصر کو آبائے نیقیہ کے عقائد کے موافق عیسائی کر لیا۔ بڑے بڑے خدا رسیدہ عیسائیوں نے قوطا کے اخیر الفاظ کو ایک استعارہ

سمجھا اور بیان کیا کہ جس دعوت میں اس درویش کو مدعو کیا گیا ہے اس سے مراد عشاء ربانی اور ضیافت آسمانی ہے۔ اس قصہ کے ساتھ اور عجیب عجیب افسانے گھڑ لئے گئے اور سب سے پہلے جن لوگوں کو ان افسانوں کا یقین ہوا وہ ان کے گھڑنے والے ہی تھے۔ مشہور ہوا کہ جس وقت امیر نے ایک طویل مباحثہ کے بعد دین عیسوی قبول کیا تو آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور اس نے امیر کی پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ اس کے ساتھ یہ روایت بھی عام ہو گئی کہ قوطا کا نائب اور طبیب خاص بھی مشرف بہ نصرانیت ہوا تھا۔ جب فقیر کی یہ کرامات زبان زد خلائق ہوئیں تو ملک لیبیہ کے تمام افسران کلیسائے اس واقعہ کو مستند قرار دے کر اپنے روزنامچوں میں درج کر لیا۔ اور اب بلا مبالغہ تمام دنیا کے عیسائیوں کو پفنوتوس کے دیدار کا بے حد شوق ہوا۔ مغرب سے لے کر مشرق تک ہر مسیحی کی چشم شوق اس فقیر کی طرف لگی تھی۔ ایطالیہ کی بڑی بڑی باعظمت ریاستوں نے اپنے ایلچی اس کی خدمت میں بھیجے۔ روما کے قیصر قسطنس نے جو مجمع نیقیہ کے عقائد کا بڑا حامی تھا پفنوتوس کی خدمت میں شقہ پیش کیا۔ مگر اب خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ ایک رات جب کہ اس راہب کے قدموں کے نیچے سارا شہر بے خبر سوتا تھا ایک آواز اس کے کانوں میں یہ کہتی ہوئی سنائی دی:

"پفنوتوس۔ اب تم اعمال نیک اور تاثیر کلام میں یکتائے روزگار ہو چکے ہو۔ خدا نے اپنی بزرگی کے لئے تمہیں بلند کیا تھا۔ اور تمہارے انتخاب کی غرض یہ تھی کہ تم معجزے دکھاؤ۔ مریضوں کو چنگا کرو۔ بت پرستوں اور راہ گیروں کو خدا کے رستے پر لاؤ۔ اور اریوسی بدعتیوں کو ذلیل و خوار کرو۔ خداوند کے کلیسا میں امن و امان قائم کرو۔"

پفنوتوس نے جواب دیا:

"خدا کا حکم ہر حال میں لائق بجا آوری ہے۔"

"اچھا۔ اب اٹھو اور قیصر قسطنطیوس بے دین سے اس کے محل میں ملاقات کرو اس ملحد نے اپنے بھائی قسطنس کے عقائد نیقیہ کو ترک کر کے اریوس اور مرقوس کے مذہب کی حمایت شروع کی ہے۔ جاؤ جیتل کے اونچے دروازے تمہارے پہنچتے ہی تم پر کھل جائیں گے۔ اور شاہی محلوں میں قیصروں کے تخت کے سامنے فرش ذہب پر تمہاری نعلین کی آواز سب کو ہوشیار کر دے گی۔ اور تمہاری للکار پسر قسطنطین کو راہ بد سے پھیر لائے گی۔ اور کلیسا جو ہر طرح محفوظ اور بااختیار ہو گیا ہے اس کے تم سب سے بڑے سردار ہو جاؤ گے۔ اور جس طرح جسم پر روح قادر ہوتی ہے اسی طرح قلمرو قیصری پر کلیسا حکومت

کرنے لگے گا۔ سلطنت کے مشیروں' نوابوں اور امیروں کے سردار بنا دیئے جاؤ گے۔ غریبوں کی فاقہ کشی اور وحشیوں کے ظلم دور کرو گے۔ اور جس وقت بڈھے قوطا کو معلوم ہو گا کہ عنان حکومت تمہارے قبضے میں ہے تو وہ فوراً حاضر ہو گا اور تمہارے پاؤں دھو دھو کر پئے گا۔ تمہارے مرنے پر تمہاری عباء اسکندریہ کے بطریق سابق اتینلشوس کے پاس بھیجی جائیں گی جس کو ضعف پیری نے اور بھی نورانی کر دیا ہے۔ اور وہ اس کو خدا کے ایک ولی کا تبرک سمجھ کر بوسہ دے گا۔ بس۔ اٹھو اور جاؤ۔"

یفنونوس نے جواب دیا:

"مولا کی جو مرضی ہو۔"

یہ کہتے ہی ارادہ کیا کہ کمر سیدھی کر کے ستون سے نیچے اترے۔ لیکن غیب سے جو ندا لگاتا تھا اس کو بھی یہ ارادہ معلوم ہو گیا اور کہنے لگا:

"سیڑھی سے مت اترو۔ یہ تو ایک معمولی انسان کا کام ہے اور ان نعمتوں کا کفران ہو گا جو تم کو ملی ہیں۔ اے فرشتہ صفت یفنونوس اپنی قوت کا بہتر اندازہ کرو۔ جو شخص تمہاری طرح خدا تک پہنچ چکا ہو وہ ایک پرندے کی طرح پرواز کر سکتا ہے۔ بس کود پڑو۔ فرشتے سنبھالنے کے لئے نیچے کھڑے ہیں۔ کودو۔"

یفنونوس نے کہا:

"حکم قضاء زمین و آسمان پر حاوی ہے۔"

اتنا کہہ دونوں ہاتھ پھیلا کر جیسے کوئی مرغ ہار پرندہ لپٹنے پر نیچے بازو پھیلائے اوپر سے نیچے کودنے کو تھا کہ بڑے زور سے کسی کے قہقہے کی آواز کان میں آئی۔ ہانکل سہم کر کہنے لگا۔ "کون ہنستا ہے۔"

وہی غیبی آواز پھر بولی۔ "ہا ہا! ابھی میری دوستی آپ کے ساتھ کم نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک دن آئے گا کہ آپ کا خلوص بھی میرے ساتھ بہت بڑھ جائے گا۔ اے جناب یہ بندہ ناچیز تھا جس نے آپ کو ستون پر بٹھایا تھا۔ واقعی جس بے زبانی اور توجہ سے آپ نے میری فرمانبرداری کی اس کی جس قدر تعریف ہو کم ہے۔ یفنونوس ہم آپ کے کاموں سے نہایت خوش ہیں۔"

یہ تقریر سن کر راہب بدحواس ہو گیا۔ اور ایسی آواز سے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خوف نے گلا پکڑ لیا ہے کہنے لگا۔

"مردود میرے سامنے سے ہٹ کر پیچھے کھڑا ہو۔ اب میں نے تجھے پہچانا تو وہی ہے جو یسوع کو ہیکل کے کنگرے پر لے گیا تھا اور وہاں سے دنیا کی ساری بادشاہتیں ایک پل میں اس کو دکھائی تھیں۔"

اتنا کہہ کر اور بالکل مایوس ہو کر پفنوتوس اسی پتھر پر گرا جس پر بیٹھا رہتا تھا۔ اور دل میں کہنے لگا:

"ہائے میں نے اس لعین کو پہلے ہی کیوں نہ پہچان لیا۔ میں تو ان اندھوں، بہروں اور مفلوجوں سے بھی بدتر ہو گیا جو علاج کو میرے پاس آتے تھے افسوس۔ امور فوق الفطرت کا ادراک اور شعور اب مجھ سے زائل ہو گیا۔ اب میں دوزخ کے شور اور جنت کی سہانی صداؤں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اب مجھ میں اتنی پہچان بھی نہیں رہی جتنی ایک نوزائدہ بچے میں ہوتی ہے کہ دایہ کی گود سے جدا ہوتے ہی رونے لگتا ہے، میں اب اس کتے سے بھی زیادہ ناسمجھ ہو گیا ہوں جو اپنے آقا کے نقش قدم دیکھتا ہوا اس تک پہنچ جاتا ہے۔ اب میں وہ پھول نہ رہا جو اپنا چہرہ ہر وقت آفتاب کے مقابل رکھا سکتا ہے۔ میں تو اب شیاطین کا ایک کھیل ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ شیطان نے مجھے اس ستون پر بٹھایا تھا اور نہ صرف میں بلکہ تکبر و نفسانیت بھی میرے ساتھ اس ستون پر چڑھے تھے۔ گناہوں کی طرف شدت سے رغبت ہونے کی مجھے پروا نہیں کیونکہ کلزین کے پہاڑ پر ہمارے ہادی انطونی کو بھی یہی چیز برداشت کرنی پڑی تھی۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ گناہوں کی یہ تحریصیں اپنی تلواریں اور متنجر فرشتوں کے سامنے میرے جسم میں بھونک دیں۔ جسم کی جس قدر تکلیفیں تھیں وہ میں نے خوش ہو کر برداشت کر لیں۔ لیکن خدا چپ ہے اور اس کی اس خاموشی نے مجھے حواس باختہ کر رکھا ہے۔ ہائے۔ خدا ہی نے مجھے چھوڑ دیا جس کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا نہ تھا۔ خود غائب ہو کر اپنی غیبت کی ہولناکی میں مجھے تنہا کر گیا۔ وہ مجھ سے بھاگ رہا ہے۔ اور میں اس کے پیچھے دوڑتا ہوں۔ یہ پتھر تو اب میرے تلوے جلائے دیتا ہے۔ بس اب جلدی کر۔ اٹھ اور دوڑ کر خدا کا دامن پکڑ لے۔"

ستون کے سہارے جو سیڑھی لگی تھی فوراً اسے پکڑ کر نیچے اترنے لگا۔ پہلا ہی قدم نیچے رکھا تھا کہ اس سنگین چہرے سے آنکھیں دوچار ہو گئیں جس کے سر پر فقیر بن کر بیٹھا تھا۔ یہ پتھر کا چہرہ اس وقت اسے ہنستا ہوا معلوم ہوا۔ اب پفنوتوس کی سمجھ میں آیا کہ جس مقام کو اس نے اپنی روحانی آسائش اور فضیلت کے لئے تجویز کیا تھا۔ درحقیقت وہی

ایک شیطانی آلہ اس کی تکلیف و الم کا تھا۔ جلد سیڑھی سے اترتا زمین پر پہنچا۔ چلنے کی عادت نہ رہی تھی۔ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ لیکن اس خبیث ستون کا سایہ اپنے اوپر دیکھ کر جس طرح بن پڑا وہاں سے بھاگا۔ سب سو رہے تھے۔ بڑے چوک سے گزرا جس کے چاروں طرف مکان اور سرائیں بن چکی تھیں۔ اور ایک گلی سے بھاگتا ہوا اس رستے پر ہو لیا۔ جو لیبیا کی پہاڑیوں کو جاتا تھا۔ ایک کتا بھونکتا ہوا پیچھے دوڑتا رہا لیکن جب ریگستان کے کنارے پہنچا تو رک گیا اب پفنوتوس کو ایسی زمین پر چلنا پڑا جہاں نہ کوئی سڑک تھی نہ پگ ڈنڈی۔ فقط درندوں کے پنجوں کے نشانوں سے کہیں کہیں ایک لیکھ سی دکھائی دیتی تھی۔ ایک جگہ کچھ جھونپڑیاں ملیں جن میں جھوٹے سکے بنانے والے رہا کرتے تھے۔ ان سے بچتا ہوا ساری رات اور پورا ایک دن چلنے میں گزارا۔

آخرکار بھوک پیاس اور تھکن سے مجبور ہو کر اور اس بات سے لاعلم رہ کر کہ خدا ابھی بہت دور ہے چلتے چلتے ایک جگہ ٹھہرا۔ یہ ایک ویران اور سنسان شہر تھا۔ جس کی شکستہ عمارات دائیں بائیں حد نظر تک پھیلی تھیں۔ مکانات بہت بہت فصل سے ایک ہی وضع کے بنے تھے۔ ان کی دیواریں ڈھلوان دار تھیں اور مجموعی قطع ایسی تھی جیسے مصری اہرام کے اوپر کے حصے تراش کر علیحدہ کر دیئے جائیں اور صرف نیچے کے حصے رہنے دیئے جائیں۔ یہ تمام عمارتیں دراصل شاہان ماضی کے مقبرے تھے۔ دروازوں کے کواڑ کبھی کے گل سڑ کر گر چکے تھے۔ اندر بھیڑیوں اور چرغوں کی مادائیں دیدے چمکا چمکا کر اپنے بچوں کو دودھ پلاتی تھیں۔ دہلیز پر آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ یہ مسافر تھے جن کو قزاقوں نے جان سے مارا تھا۔ اور ان کی لاش کا گوشت اکثر جگہ سے درندے کھا چکے تھے۔ اس شہر خموشاں سے نکل کر پفنوتوس باہر آیا اور ایک چشمے کے قریب جس کے گرد کھجوروں کے جھنڈ تھے ایک مقبرے کے سامنے تھک کر زمین پر گر پڑا۔ اس مقبرے کے اندر بہت نقش و نگار بنے تھے۔ دروازوں میں کواڑ یہاں بھی نہ تھے۔ اور اندر فرش پر بہت سے سانپ کنڈلیاں مارے بیٹھے تھے۔

پفنوتوس اس مقام کو دیکھ کر کہنے لگا۔ "بس یہی میرا پسندیدہ مسکن ہے اور یہی میری توبہ اور ندامت کا خیمہ ہے۔" یہ کہتا ہوا مقبرے کے اندر گیا۔ سانپوں کو اپنے پاؤں سے ہٹا دیا۔ اور اٹھارہ گھنٹے تک فرش کے پتھروں پر سجدے میں پڑا رہا۔ جب یہ وقت گزر گیا تو چشمے پر گیا اور لوک سے پانی پیا۔ پھر کچھ جنگلی پھلیاں اور کھجوریں زمین پر سے اٹھا کر کھائیں۔ اور

اسی طرح زندگی بسر کرنے کو اپنے حق میں بہتر جان کر اسے اپنا قاعدہ بنا لیا۔ صبح سے شام تک سجدے میں پڑا پتھر سے پیشانی نہ اٹھاتا۔

ایک دن اسی طرح سجدے میں تھا کہ ایک آواز یہ کہتی سنائی دی:

"دیواروں کی تصویروں کو دیکھ اور ان سے ہدایت حاصل کر۔"

سجدے سے سر اٹھا کر کمرے کی دیواروں کو دیکھا تو ان پر انسان کے معمولی مشغلوں کی تصویریں بنی ہوئی بکثرت نظر آئیں ان میں بعض ایسی بھی تھیں جنہیں دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ یہ مرقعے اگلے وقتوں کی عجیب و غریب صنعت کے نمونے تھے۔ ان میں کہیں باورچی کلے پھلائے آگ پھونکتے تھے، کہیں کوئی آدمی بطخیں ذبح کرکے ان کے پر نوچ رہا ہے۔ کوئی بھیڑ کا گوشت دیگوں میں بھونتا ہے، کہیں کوئی شکاری ہرن شکار کرکے اسے اپنے کندھے پر اٹھائے لاتا ہے اور ہرن کے جسم پر تیر چبھے ہوئے ہیں۔ کسی تصویر میں کسان اور کاشتکار کھیت بوتے اور اناج کاٹنے میں مصروف ہیں۔ کہیں طرح طرح کے سازوں اور بانسریوں کی لے پر عورتیں ناچ رہی ہیں۔ ایک طرف ایک نوجوان عورت کی تصویر تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بین ہے۔ زلفیں بکھری ہیں اور سر کے جوڑے میں نیلوفر کا ایک پھول لگا ہے۔ لباس اس قدر باریک ہے کہ جسم کے تمام خطوط صاف نظر آتے ہیں۔ چھاتیاں اور دھن پھول معلوم ہوتے ہیں۔ چہرہ ایک طرف کو پھرا ہے اور ترچھی نظروں سے دیکھنے کا انداز عجیب ہے۔ صورت شکل قدو قامت میں حسن کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ پفنوتوس نے اس تصویر کو دیکھ کر اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور جو آواز سنی تھی اسے جواب دیا:

"ان تصویروں کے دیکھنے کی مجھے کیوں ہدایت کی گئی ہے۔ یہ تو کسی بت پرست کے زمانہ حیات کی چند کیفیتوں کے مرقعے ہیں۔ وہ خود ایک سیاہ پتھر کے تابوت میں بند اس فرش کے نیچے ایک تہ خانے میں دفن ہے۔ ان تصویروں سے اس مردے کی زندگی کا زمانہ یاد دلایا گیا ہے۔ گو ان تصویروں میں بہت شوخ رنگ بھرے ہیں مگر پھر بھی وہ ایک عکس بے نمود کا عکس ہیں۔ اول تو اس مردے کی زندگی ہی کیا تھی۔ پھر اس سے ہدایت حاصل کرنے کے کیا معنی۔"

آواز نے جواب دیا۔ "بے شک وہ تو مر چکا ہے مگر کبھی زندہ تو تھا۔ لیکن جب تم مرو گے تو کوئی اتنا بھی نہ کہے گا کہ کبھی زندہ تھے۔"

اس دن سے پھر پفنوتوس کو اس مقبرے میں بھی کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ آواز اس

کو ہمیشہ مخاطب کرتی۔ اور بین والی عورت اپنی سیاہ بالوں کی لٹوں میں سے اس کی طرف نگاہیں جمائے رکھتی اور جب بولنے کی نوبت آتی تو کہتی:

"دیکھ میں ایک راز سربستہ ہوں اور صورت حسین رکھتی ہوں۔ جس عشق کے شعلے نے تجھے پھونک رکھا ہے اسے میری آغوش عشرت میں ٹھنڈا کر۔ ڈرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مجھ سے بچ کر تو کہاں جائے گا۔ میں عورت کا حسن ہوں۔ ارے دیوانے وہ کون سی جگہ ہے جہاں تو مجھ سے بھاگ کر جانا چاہے گا اور میں ساتھ نہ ہوں گی۔ پھولوں کی بہار اور درختوں کے حسن میں' قمریوں کی آواز اور ہرنوں کی چوکڑیوں میں' بہتے چشموں کی فضا اور چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں تجھ کو میں ہی نظر آؤں گی۔ اگر تو نے اپنی آنکھیں بند بھی کر لیں تو بھی تیرے قلب میں سوائے میرے کوئی دوسرا نہ دکھائی دے گا۔ ایک ہزار برس ہوئے کہ جو شخص اس مقبرے میں زمین کے نیچے ایک سیاہ پتھر پر موت کی نیند سو رہا ہے۔ جب وہ زندہ تھا تو کبھی وہ مجھے اپنے سینے سے جدا نہ کرتا تھا۔ ایک ہزار برس ہوئے کہ ان لبوں نے آخری مرتبہ اس کا بوسہ لیا تھا۔ اور یہ اسی بوسے کی شیرینی ہے کہ اب تک موت میں وہ میٹھی نیند سو رہا ہے۔ بفنونوس تم مجھے خوب جانتے ہو۔ پھر پہچانتے کیوں نہیں۔ میں تائیس کے بے شمار اوتاروں میں سے ایک اوتار ہوں۔ تم تو پڑھے لکھے عالم و فاضل راہب ہو۔ تم نے سیرو سفر بھی بہت کیا ہے اور سفر میں انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ وطن سے باہر ایک دن میں اتنی عجیب و غریب چیز دیکھتا ہے جو وطن میں رہ کر دس برس میں بھی نہ دیکھتا۔ تم نے ضرور پڑھا اور سنا ہو گا کہ تائیس پہلے ارگوس میں ہیلن کے نام سے زندہ ہوئی۔ دوسرا جنم اس کا اس ملک کے شہر طیبی میں ہوا۔ اور وہ جنم میں ہوں۔ کیا تم اپنے علم سے اتنا بھی معلوم نہ کر سکے کہ جب میں زندہ تھی تو بہت سے گناہوں میں شریک ہوئی تھی۔ اور اب بھی کو کوئی قالب نہیں رکھتی تمہارے گناہوں میں شرکت کے لئے تیار ہوں۔ اس قدر حیرت سے کیوں دیکھتے ہو' جہاں کہیں بھی جاؤ گے تائیس تم کو وہیں ملے گی۔"

بفنونوس یہ تقریر سن کر پتھروں سے سر ٹکرانے اور خوف سے رونے لگا۔ اب جہاں رات ہوتی اس بین والی عورت کی تصویر دیوار سے اتر کر زندہ ہو جاتی اور بفنونوس کے قریب آ کر نہایت صاف آواز میں باتیں کرنے لگتی۔ اور اس کی باتوں کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھی آتے۔ بفنونوس کو وہ طرح طرح سے گناہ کرنے کی ترغیب دیتی مگر وہ اسے ہمیشہ رد کرتا۔ آخر کار ایک رات وہ کہنے لگی:

"بس لب لذت وصل سے انکار نہ کرو۔ جب تک انکار کرتے رہو گے میں تمہارے آزار کے درپے رہوں گی۔ تم کو ایک مردہ عورت کے صبرو انتظار کا اندازہ نہیں۔ اگر ضرورت ہو گی تو تمہارے مرنے تک وصل کا انتظار کروں گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک ساحرہ ہوں۔ جس وقت تمہارا دم نکلے گا تمہارے مردہ قالب میں اپنے سحر کے زور سے ایک روح ڈال کر اس مردہ قالب کو زندہ کر لوں گی۔ اور پھر جس بات کو تم اس وقت نامنظور کرتے ہو اس کو یہ نئے قالب والی روح منظور کرے گی۔ پفنوتوس غور کرو۔ جس وقت تمہاری پاک روح آسمان پر پہنچے گی اور دیکھے گی کہ دنیا میں جس قالب کو تم چھوڑ آئے تھے وہ گناہوں میں آلودہ ہے تو تم پر کیسی مشکل بنے گی۔ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ہزار ہا برس کے بعد جب یوم جزاء ختم ہو گا تو تمہاری روح کو اس کا جسد سابقہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن جب معلوم ہو گا کہ شیطان نے اسے اپنا گھر بنا لیا ہے اور اب وہ ایک ساحرہ کے قبضہ میں ہے تو خدا بھی حیران ہو گا کہ ایسے جسم کو آسمان پر لا کر کیونکر عزت بخشے۔ نہ تم نے اس مشکل پر غور کیا ہے اور نہ غالباً" یہوواہ کو بھی خیال آیا۔ ہماری تمہاری باتوں میں وہ زیادہ موشگافی سے کام نہیں لیتا۔ ایک معمولی سے معمولی ساحرہ بھی اس کو دھوکا دے سکتی ہے۔ اور اگر اس کے پاس کڑک بجلیاں اور بلائیں نازل کرنے کے لئے آتشبازی آلے نہ ہوتے تو پھر ایک گاؤں کا لڑکا بھی اس کی توہین کے درپے ہو جاتا۔ یہوواہ ہرگز ہوشیار نہیں ہے جیسے سانپ کے بدن میں اس کا دشمن ابلیس ہے۔ یہ سانپ بڑا صاحب فنون ہے۔ اسی نے مجھے بال سنوارنے اور بناؤ کرنا سکھایا تھا۔ مگر تم ایک مدت سے اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے ہو۔ جب تم اس مقبرے میں رہنے آئے تو تم نے یہاں کے سانپوں کو اپنے پاؤں سے روند کر باہر کر دیا۔ اور ان کے انڈے بچے بھی کچل ڈالے۔ تم نے اتنا تک بھی نہ سوچا کہ یہ سانپ اس مار قدیم کی اولاد میں تو نہیں ہیں جو یہوواہ کا دشمن تھا۔ اے مصیبت کے مارے دوست مجھے خوف ہے کہ تمہاری حالت بہت نازک ہو چلی ہے۔ اس بات کا تمہیں علم تھا کہ بہشت والا مار خوش رنگ بڑا مغنی اور حسن پرست ہے۔ پس تم نے اپنی اس حرکت سے علم اور حسن دونوں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ حقیقت میں تمہاری حالت بہت خراب اندیشہ ناک ہے اس بھلاوے میں نہ رہنا کہ یہوواہ تمہاری مدد کو آئے گا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ وسعت میں وہ بالکل اشیائے عالم کے برابر ہے' اس لئے عالم سے باہر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو اس کی ذرا سی جنبش سے یہ سارا جہان درہم برہم ہو

جائے گا۔ اے خوبصورت و شکیل راہب اس وقت تو میں تجھ سے ایک بوسے کی طلبگار ہوں۔"

جادو اور سحر سے جو جو عجائبات ظاہر ہو سکتے تھے۔ ان سے پفنوتوس لاعلم نہ تھا۔ سخت تکلیف و الم کی حالت میں سوچنے لگا:

"یہ مجھے معلوم ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک شاہی مقبرے میں بت پرستوں کی "کتاب اسرار" بہت پوشیدہ طریقہ پر کسی جگہ رکھی ہے۔ اس کتاب کے الفاظ میں یہ اثر ہے کہ اگر کوئی مردہ ان کو پڑھے تو اپنا پہلا قالب اختیار کر کے دنیا میں پھر زندہ ہو سکتا ہے اور زندہ ہو کر پھر یہاں کی رونق سورج کی روشنی اور عورت کا تبسم دیکھ سکتا ہے۔"

اب پفنوتوس کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اس "کتاب اسرار" کی مدد سے اس مقبرے کا مردہ زندہ ہو کر بین والی عورت سے اسی طرح ہمکنار نہ ہو جائے جس طرح زندگی میں ہوا کرتا تھا۔ اور پھر یہ حالت پفنوتوس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنی پڑے کبھی کبھی بوسوں کی آوازیں بھی اس کے کانوں میں آیا کرتیں۔

پفنوتوس کو اپنے ہر چہار طرف سوائے تکلیف اور پریشانی کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور جب سے خدا نے اپنا سایہ اس کے سر سے اٹھا لیا تھا وہ کسی بات کو سوچنے یا کسی چیز کو دیکھنے سے بھی ڈرنے لگا تھا۔

ایک دن حسب معمول سجدے میں پڑا تھا کہ ایک اجنبی آواز یہ کہتی سنائی دی:

پفنوتوس۔ دنیا میں اس قدر متعدد قسم کے انسان آباد ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے۔ اگر میں ان کی صورتیں تمہیں دکھا دوں تو خوف سے تمہاری جان نکل جائے۔ بعض انسان ایسے ہیں جو صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں اور یہ آنکھ ان کے ماتھے پر ہوتی ہے۔ بعض انسان ایک ٹانگ کے ہوتے ہیں اور اچھل اچھل کر چلتے ہیں۔ بعض انسان ایسے ہیں جن میں عورت مرد اور مرد عورت بن جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو آدھے انسان ہیں اور آدھے درخت اور ان کی جڑیں زمین میں دور تک پھیلی ہیں۔ بعض آدمی بے سر کے ہوتے ہیں۔ اور دونوں آنکھیں ناک اور منہ ان کے سینہ پر ہوتا ہے۔ پس کیا تم حقیقت میں اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ ان تمام انسانوں کی نجات کے لئے یسوع مسیح نے اپنی جان دی تھی۔"

ایک اور موقعے پر اس نے خواب میں دیکھا کہ بڑا وسیع میدان ہے دھوپ کھلی ہے۔

اور ایک طرف ایک چوڑی سڑک اونچی ہوتی ہوئی ایک پل کی طرف گئی ہے۔ ادھر ادھر باغ لگے ہیں اور چشمے جاری ہیں۔ سڑک پر ارسطوبلس اور کاراس سرپائی گھوڑوں پر سوار ان کو سرپٹ دوڑا رہے ہیں۔ چہروں پر شہسواروں کا سا جوش و خروش ہے۔ ایک سنگین برآمدے میں قلقراطیس کھڑا اپنے اشعار پڑھتا ہے اور اس کی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے کلام پر بہت فخر و ناز ہے۔ ایک باغ میں زینو تیمس سونے کے سیب درخت کے نیچے سے اٹھا رہا ہے۔ ایک اور دہری پروں والا سانپ اس کے قریب اپنی کنڈلی پر قد آدم کھڑا ہے اور زینو تیمس اس کو چکارتا اور پیار کرتا ہے۔ ایک طرف ہرموڈس کاہنوں کی کلاہ زرین سر پر رکھے پرسی کے درخت کے نیچے مراقبے میں بیٹھا ہے۔ اس درخت میں پھولوں کی جگہ آدمیوں کے سر لگے ہیں ان کے چہرے خوبصورت ہیں۔ اور مصری دیویوں کے سے تاج ان کے سروں پر ہیں۔ شاخوں پر شکرے اور گدھ بیٹھے ہیں۔ اور چہروں کے جھرمٹ سے قرص ماہ تکب نظر آتا ہے۔ اور سب سے علیحدہ ایک حوض کے کنارے کرۂ افلاک سامنے رکھے نیکیاس گردش کواکب پر غور کرتا ہے۔

اتنا ہی خواب دیکھا تھا کہ معلوم ہوا کوئی عورت منہ پر نقاب ڈالے ہاتھ میں پھولوں کی ایک شاخ لئے قریب آئی ہے اور کہتی ہے:

"دیکھو۔ بعض لوگ حسن لازوال تلاش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس حیات چند روزہ میں کسی طرح ہیشگی پیدا کر لیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو اس زندگی میں کسی بات کی زیادہ پروا نہیں کرتے۔ ان کی فطرت نیک جو راہ چاہتی ہے اسی پر چلتے ہیں۔ خوش رہتے ہیں اور حسین ہو جاتے ہیں۔ ان کا زندہ رہنا ہی اس امر کی شہادت ہے کہ وہ خالق دو جہان کی صنعت بے مثل پر اس کی شان و بزرگی کے ہر وقت مداح ہیں کیونکہ انسان درحقیقت اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کی ایک زندہ نظم ہے۔ یہ لوگ مسرت کو گناہ اور خوش رہنے کو جرم نہیں جانتے۔ پفنونوس غور کرو اگر آخر میں یہ لوگ صحیح نکلے تو تم کیسے نادان اور بیوقوف ثابت ہو گے۔" یہاں یہ خواب ختم ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ پفنونوس پر اس کی روح اور جسم نے مسلسل آزمائشوں سے بڑے ظلم برپا کر رکھے تھے۔ کسی دم اسے چین نصیب نہ تھا۔ جس مقبرے میں اب آکر رہا تھا وہاں خبیث روحوں کا گزر اس کثرت سے ہو گیا کہ ایک بڑے شہر کے آباد سے آباد رہگزر پر بھی چلنے والوں کا اتنا ہجوم نہ ہوتا ہو گا۔ بھوت پریت ہر وقت اس پر قہقہے لگاتے۔

ہزار ہا حشرات الارض زمین پر انسان کی طرح کاروبار کرتے ہوئے دکھائی دیتے۔ شام کو جب چشمے پر جاتا تو شیطان کی ذریات اس کے گرد حلقہ باندھ کر ناچنے لگتیں اور اس کو کھینچ کر اپنے رقص میں شامل کرنا چاہتیں۔ خبیث روحوں کو اب اس راہب کا مطلق خوف نہ رہا تھا' نامعقول حرکتیں کرکے اس سے مذاق کرتی تھیں اور کبھی کبھی دوچار دھپ بھی لگا دیتی تھیں۔ ایک دن ایک ہاتھ بھر کا عفریت آیا اور رسی کا ایک ٹکڑا جس کو پفنونوس اپنی کمر سے باندھا کرتا تھا چرا کر لے گیا۔ پفنونوس دل میں کہنے لگا۔

"اے خیال اور واہمہ کی صورتو تم مجھے کہاں تک پہنچاؤ گی۔"

جب پریشان خیالی سے بری نوبت ہوئی تو ارادہ کیا کہ اب ہاتھوں سے کچھ کام لینا چاہئے تاکہ جس راحت کی ضرورت ہے وہ میسر ہو چشمے کے قریب کھجوروں کے نیچے کیلوں کے درخت تھے۔ ان کے تنے کاٹ کر مقبرے میں لے آیا اور پتھر سے کوٹ کر ان کے ریشے اس طرح نکالنے شروع کئے جیسے رسیاں بٹنے والے نکالا کرتے ہیں۔ ارادہ کیا کہ کمر سے باندھنے کا رسی کا ٹکڑا جیسا چوری گیا ہے ویسا ہی ایک اور بنا لے۔ جب اس شغل میں مصروف ہوا تو شیطان کی ذریات کا زور کم ہو گیا اور وہ بین والی عورت بھی جو زندہ ہو کر روز نیچے چلی آیا کرتی تھی نقش دیوار بنی بیٹھی رہی۔ پفنونوس جس وقت ریشے نکالنے میں مصروف ہوتا تو اس کو اپنی ہمت میں مضبوطی اور اعمال میں استواری محسوس ہوتی۔ اسی حالت میں ایک دن کہنے لگا:

"خدا سے امید ہے کہ اب میں جسم پر بھی غالب آؤں گا۔ روح کو تو نجات کی امید پہلے ہی ہو چکی ہے۔ یہ شیاطین خواہ کتنے ہی شکوک خدا کی فطرت کے متعلق میرے دل میں پیدا کرنے چاہیں مگر مجھ پر مطلق اثر نہ ہو گا۔ اور میں یوحنا رسول کے الفاظ میں ان کو جواب دوں گا۔ "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا تھا۔" اس پر میرا ایمان مضبوط ہے۔ اگر یہ الفاظ مہمل بھی ہوں تو بھی مجھے ان کا یقین ہے' اس سے زیادہ کوئی معترض یہ ہی کہہ سکتا ہے کہ "بے شک وہ بے معنی ہیں اور اسی وجہ سے تم ان پر ایمان رکھتے ہو لیکن ان کے بے معنی ہونے کا علم تم کو حاصل کر لینا چاہئے تھا۔" میں اس اعتراض کا یہ جواب دوں گا کہ "علم سے حیات جاوید نہیں ملتی صرف ایمان ہی وہ چیز ہے جس سے نجات اخروی حاصل ہوتی ہے۔"

ریشوں کو کبھی دھوپ میں اور کبھی اوس میں رکھتا۔ اور صبح ہونے سے پہلے ان کو

مقبرے میں لے آتا کہ زیادہ نمی سے سڑ نہ جائیں۔ اس کام میں مصروفیت کا یہ اثر ہوا کہ طبیعت میں ایک طرح کا سکون اور آسودگی پیدا ہو چلی۔ جب کمر سے باندھنے کی رسی تیار کر لی تو پھر درختوں کی شاخیں جمع کر کے ان کی ٹوکریاں اور بورے بنانے لگا اور چند روز میں یہ پرانا مقبرہ ایک بوریہ باف کی دکان معلوم ہونے لگا۔ اب پفنوتوس کام چھوڑ کر آسانی سے عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ لیکن خدا اس پر مہربان نہ تھا۔ چونکہ ایک رات ایک آواز اس نے سنی جس کو سنتے ہی وہ سرد ہو گیا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ آواز اسی مردے کی ہے جس کا یہ مقبرہ ہے۔

یہ آواز اس قسم کی تھی جیسے کوئی دبی زبان سے کسی کو جلدی بلاتا ہو۔

"ہیلن۔ ہیلن۔ جلدی آ میرے ساتھ نہانے چل۔ دیر نہ کر۔"

فوراً" ایک عورت نے جس کا منہ پفنوتوس کو اپنے کان کے بالکل قریب معلوم ہوا جواب دیا:

"میں اٹھ نہیں سکتی۔ ایک آدمی نے مجھے اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔"

اب پفنوتوس کو معلوم ہوا کہ اس کا سر ایک عورت کے سینے پر رکھا ہے اور عورت وہی دیوار والی بین کار ہے۔ اس عورت نے پفنوتوس کا سر ہٹا کر اٹھنا چاہا۔ مگر پفنوتوس اس نازنین کو جس کا جسم ایک معطر پھول معلوم ہوتا تھا لپٹ گیا اور ہوائے نفس سے بے تاب ہو کر کہنے لگا:

"خدا کے لئے نہ ہٹ۔" لیکن وہ عورت کود کر دروازے پر پہنچی اور وہاں کھڑی ہو کر ہنسنے لگی۔ اس کے ہنستے ہوئے چہرے پر چاند کی روشنی پڑتی تھی۔ اور اسی حالت میں کہتی تھی کہ "ہٹوں گی نہیں تو کیا کروں گی۔ جس قدر شوق اور ولولہ تم میں ہے۔ وہی اس مردے میں ہے جسے آپ ایک نقش بے بود کا عکس فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جو گناہ آپ سے ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔"

پفنوتوس رات بھر روتا رہا۔ اور صبح ہوتے ہی اس نے ایسے عجز سے دعا مانگی جو شکوے سے بھی زیادہ شیریں تھی۔

"یسوع۔ میرے یسوع۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ میرے خطرہ کو دیکھتا ہے۔ بس اے رحم اور کرم والے میری مدد کو آ۔ تیرے باپ کا فضل و کرم اب مجھ پر نہیں رہا۔ میری فریاد اب وہ نہیں سنتا۔ اس لئے سوائے تیرے اب میرا کوئی نہیں۔ خدا کو میرے حق میں کوئی

بات منظور ہو اب یہ ممکن نہیں۔ نہ خدا کی یہ بے اعتنائی میری سمجھ میں آتی ہے اور نہ خدا کو میرے حال پر رحم آتا ہے۔ لیکن اے یسوع تو عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے اس لئے تیری ذات سے مجھے بہت کچھ امید ہے۔ یاد رکھ کہ تو انسان ہے۔ میری التجا تجھ سے اس بنا پر نہیں ہے کہ تو "خدا کا خدا اور کا اور۔ اصلی خدا کا اصلی خدا ہے۔" بلکہ اس بنا پر ہے کہ تو اس دنیا میں جہاں مجھ پر تکلیفیں گزر رہی ہیں مفلس اور کمزور انسان کی شکل میں زندہ رہ چکا ہے۔ شیطان نے تیرے جسم کو آزمائشوں میں ڈالا تھا۔ اور موت کی کرب میں تیری پیشانی کا پسینہ برف ہو گیا تھا۔ یہ تیری انسانی خصوصیت ہے جس سے میں فریاد کرتا ہوں۔ اے میرے یسوع۔ اے میرے بھائی یسوع۔"

یہ دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک زور کا قہقہہ سنائی دیا اور چنے کی یہ آواز وہی تھی جو پہلے ایک مرتبہ ستون کی چوٹی سے سنی تھی۔ اب یہ آواز نہایت حقارت سے کہتی تھی:

"واہ واہ۔ یہ دعا تو ایسی تھی جو مرقوس بدبخت کو مانگنی زیبا تھی۔ اچھا اب معلوم ہوا کہ پفنونوس بھی اریوسی ہے۔ پفنونوس اریوسی۔"

یہ سخت توہین کا کلمہ سنتے ہی راہب بالکل بے جان ہو کر زمین پر اس طرح گرا جیسے بجلی نے مارا ہو......

جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بہت سے راہب سیاہ لباس پہنے اس پر جھکے ہوئے منہ پر پانی کے چھینٹے دیتے ہیں اور دعائیں پڑھ کر اس پر دم کرتے ہیں سب کے ہاتھوں میں کھجور کے لمبے لمبے پتے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ "جب ہم اس ویرانے سے گزرے تو اس مقبرے سے رونے کی آواز آئی۔ جب ہم اندر گئے تو دیکھا کہ آپ پتھروں پر بے ہوش پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم کو مطلق شبہ نہ رہا کہ یہ کام شیطان کا ہے۔ اس نے آپ کو زمین پر پٹک دیا ہے اور جب ہم اندر آئے تو وہ بھاگ گیا۔"

پفنونوس نے سر اٹھا کر بہت نحیف آواز سے پوچھا۔

"بھائیو تم کون ہو۔ یہ کھجور کی شاخیں تمہارے ہاتھ میں کیسی ہیں۔ کیا مجھے دفن کرنے آئے ہو۔"

راہبوں نے جواب دیا:

"برادر۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے قسیس محترم انطونی کو جس کا سن اب 105

برس کا ہو گیا ہے بشارت ہوئی ہے کہ خدا سے اس کا وصل اب قریب ہے' اس لئے وہ کلزین کے پہاڑ سے جہاں اس نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی اتر کر آنے والا ہے۔ تاکہ اپنی روحانی اولاد کو جس کی تعداد لاکھوں سے بھی زیادہ ہے برکت دے۔ چونکہ اس روحانی باپ کا یہ دیدار ہمارے لئے آخری ہے اس لئے کھجور کے پتے ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ لیکن اے راہب بزرگ یہ کیا بات ہے کہ اتنے بڑے واقعے کی آپ کو مطلق خبر نہیں۔ کیا کوئی فرشتہ اس مقبرے میں آپ کو اطلاع دینے نہیں آیا۔"

پفنوتوس نے جواب دیا۔ "افسوس صد افسوس۔ میں اب اتنے لطف و کرم کے لائق نہیں رہا۔ اس مقبرے میں کوئی فرشتہ کیوں آنے لگا۔ یہاں تو سوائے شیطان اور منحوس چمگاڈروں کے اور کوئی نہیں بستا۔ بھائیو میرے حق میں دعائے خیر کرو۔ میں انصینو کا قسیس پفنوتوس ہوں۔ اور بندگان خدا میں سب سے زیادہ مظلوم ہوں۔"

پفنوتوس کا نام سنتے ہی سب نے کھجور کی شاخیں جو ہاتھوں میں لئے تھے بلند کیں اور دبے لہجے میں تعریفیں کرنے لگے۔ اور جس راہب نے اب تک باتیں کی تھیں وہی کہنے لگا:

"کیا آپ وہی پفنوتوس ہیں جن کے نیک کام دنیا میں مشہور ہیں۔ اور جن کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عظمت و بزرگی میں ہمارے ہادی محترم انطونی کے ہم پلہ ہونے والے ہیں۔ اے راہب نیک نہاد۔ کیا آپ ہی وہ فرشتہ خصال ہیں جنہوں نے اسکندریہ کی ایک مشہور طوائف کو ضلالت کی تاریکی سے نکالا تھا۔ اور اس کے بعد جب ایک بلند ستون کو اپنی فقیری کا تکیہ بنایا تو ایک رات فرشتے آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ اور جو لوگ اس ستون کے نیچے پاسبانی کرتے تھے انہوں نے یہ حالات بچشم خود دیکھے تھے۔ سفید بادلوں کی طرح فرشتوں کے پروں کا سایہ آپ پر تھا۔ اور اپنے دست راست سے آپ غریبوں اور مسکینوں کو برکت دیتے تھے۔ اور دوسرے دن جب آپ ستون پر نظر نہ آئے تو ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ مگر آپ کے مرید خاص فلے ویان نے لوگوں کو فوراً" آگاہ کیا کہ آپ کو فرشتے اٹھا کر لے گئے ہیں اور آپ کے مریدوں کی نگرانی اب اسی فلے ویان کے سپرد ہے۔ لیکن آپ کے ارادتمندوں میں ایک شخص نے جو بے عقل و مجذوب سا معلوم ہوتا ہے اور جس کا نام پال ہے فلے ویان کے بیان سے اختلاف کیا اور کہا کہ فرشتے نہیں بلکہ شیطان آپ کو ستون کی چوٹی پر سے اٹھا لے گیا ہے۔ یہ سن کر لوگ اس قدر برہم ہوئے کہ

پال کو سنگسار کرنے کا قصد کیا اور مجھے اب تک تعجب ہے کہ اس کی جان کیونکر بچ گئی۔ یہ میرے ساتھی جو اس وقت آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں ان کا میں قسیس ہوں اور میرا نام زوسیموس ہے۔ ان ہی کی طرح میں بھی آپ کو تعظیم دیتا ہوں تاکہ آپ میرے اور ہمراہیوں کے حق میں دعا کریں۔ اور اس کے بعد وہ کرامتیں بیان ہوں جو خدا نے اپنی مخلوق پر آپ کے ذریعے سے فرمائی ہیں۔"

پفنوتوس نے جواب دیا کہ "آپ اس خیال میں ہیں کہ خدا مجھ پر مہربان ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ خدا تو مجھ میں نفس کی نہایت سخت تحریکیں پیدا کر کے میری آزمائش کر رہا ہے۔ مجھے فرشتے اٹھا کر نہیں لے گئے تھے میں اپنے قدموں اتر کر وہاں سے بھاگا تھا۔ اور ایک سیاہ دیوار تھی جو میری آنکھوں کے سامنے میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ ایک خواب کی سی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ سچ یہ ہے کہ جب خدا پاس نہ رہا ہو تو پھر یہ زندگی ایک خواب مہیب و پریشان سے بھی بدتر ہے۔ جس زمانے میں میں اسکندریہ میں تھا تو وہاں ایک ضیافت میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں تھوڑے سے وقت میں بہت سے لوگوں کی تقریریں سننے میں آئیں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ خیالات باطل اور اوہام کا ایک لشکر جرار دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس لشکر نے پوری قوت سے مجھ پر حملہ کیا اور ایسا حملہ کیا کہ اب تک وہ اپنی تلواریں علم کئے سر پر کھڑے ہے۔"

زوسیموس نے عرض کیا کہ "اے قسیس محترم۔ آپ کو علم ہوگا کہ خدا کے اولیاء شدید آزمائشوں میں مبتلا ہو کر تکلیفیں اٹھایا کرتے ہیں۔ یہ مصیبتیں ان کو ہر حال میں اٹھانی پڑتی ہیں۔ ممکن ہے کہ جسمانی طور پر آپ کو فرشتے آسمان پر نہ لے گئے ہوں مگر خدا نے عرش نشینی کی عزت آپ کی روح کے لئے مخصوص فرمائی ہو۔ کیونکہ آسمان کی طرف آپ کے اٹھنے کے عینی شاہد تنہا ویان ہی نہیں بلکہ تمام راہب اور عامی اب تک موجود ہیں۔"

پفنوتوس نے اب مصمم ارادہ کر لیا کہ ان راہبوں کے ساتھ ہو کر وہ خود بھی انطونی کے دیدار سے مشرف ہو کر اس سے برکت حاصل کرے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا:

"برادر زوسیموس۔ مجھے بھی کھجور کی شاخ دیجئے کہ آپ کے ساتھ چل کر میں بھی انطونی کے آخری شرف دیدار حاصل کر لوں۔"

زوسیموس بولا۔ "نہایت مناسب ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ راہب خدا کی ایک فوج

ہیں لور فوج ہی کی سی ترتیب میں نقل و حرکت کرنی ان کے لئے ضروری ہے۔ میں لور آپ دونوں قسیس کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم دونوں آگے آگے رہیں لور باقی راہب خدا کی تعریفیں گاتے پیچھے پیچھے چلیں۔"

غرض فوجی ترتیب سے راہبوں کا کوچ شروع ہوا۔ پفنونوس نے زوسیموس سے کہا۔

"خدا ایک ہے۔ کیونکہ وہ حق ہے لور حق واحد ہوتا ہے۔ دنیا میں تنوع ہے اس لئے وہ خطا پر ہے۔ پس مناظر فطرت سے خواہ وہ کیسے ہی معصوم نظر آتے ہوں انسان کو اپنا منہ پھیر لینا چاہئے۔ ان کی نیرنگی جو دلوں کو مسرور کرتی ہے ان کے زبوں ہونے کا ثبوت ہے۔ شجر بردی کی حسین شاخیں جو شفاف پانی کی تہ میں صاف نظر آتی ہیں میں ان کو نہیں دیکھتا۔ اگر دیکھ لیتا ہوں تو طبیعت پر ایک افسردگی چھا جاتی ہے۔ انسان اپنے حواس سے جس قدر علم اشیا کا حاصل کرتا ہے اس سے نفرت رکھنی چاہئے۔ ریت کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ روح کے حق میں خطرہ ہو سکتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز ہوا و ہوس کی تحریک کرتی ہے۔ بالخصوص عورت جس میں گناہوں کی وہ تمام ترغیبیں جمع ہو گئی ہیں جو نسیم کے جھونکوں' گلزار کے پھولوں لور آب مصفا کے چشموں میں ساری ہیں۔ خوش ہیں وہ جن کی روح ایک سربمہر خزانہ ہے۔ خوش ہیں وہ جو اپنی زبان کو گونگا' آنکھوں کو اندھا لور کانوں کو بہرا کر لینا جانتے ہیں لور جو خدا کو سمجھنے کی دھن میں کسی بات کو نہیں سمجھتے۔"

زوسیموس نے اس تقریر کو سن کر کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا:

"یا ابی۔ جب آپ نے اپنے قلب کی کیفیت بیان کی ہے تو ضرور ہوا کہ میں بھی اپنے گناہوں کا حال عرض کروں۔ لور دینی طریقہ پر اظہار عصیاں کا باہمی تبادلہ ہو جائے۔ رہبانیت اختیار کرنے سے پہلے میں شدت سے بدکار تھا۔ مدرا کے شہر میں رہتا تھا۔ جہاں کی فاحشہ عورتیں دنیا میں مشہور تھیں۔ کوئی برا فعل ایسا نہ تھا جو میں نے نہ کیا ہو۔ کوئی رات ایسی نہ تھی جس میں نوجوان عیاشوں لور ناچنے لور بانسری بجانے والی عورتوں کے جلسوں میں شریک نہ ہوا ہوں۔ لور جس عوت کو پسند کیا ہو اس کو اپنے گھر نہ لے آیا ہوں۔ آپ ایک مرد خدا رسیدہ ہیں۔ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ بدمستی لور سیہ کاری کا جنون میرے سر پر کیسا سوار رہتا تھا۔ شاید ہی کوئی کواری یا بیاہی مجھ سے بچی ہو۔ غرض معصیت لور حرامکاری میں کوئی میرا ہمسر نہ تھا' ہوس بڑھانے کے لئے شراب کثرت سے

پینے لگا۔ یہاں تک کہ سارے شہر میں میرے برابر کوئی شرابی نہ تھا۔ لیکن بہرکیف میں
عیسائی تھا اور باوجود اس تمام فسق و فجور کے مسیح مصلوب پر میرا ایمان ہمیشہ پختہ رہا۔ عیاشی
میں گھر کی دولت جب برباد ہو لی تو اب مفلسی نے آنکھیں دکھائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ
دیکھنا پڑا کہ میرے دوستوں میں ایک شخص جو بہت ہی شکیل توانا و تندرست تھا عیاشی کرتے
کرتے ایک سخت مرض میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس کے قواء نہایت جلد بیکار ہونے لگے۔ گھٹنوں
سے کھڑا نہ ہوا جاتا تھا ہاتھوں میں اس قدر رعشہ تھا کہ کوئی چیز پکڑ نہ سکتا تھا۔ آنکھیں بے
نور ہوتے ہوتے بالکل اندھی ہو گئیں۔ گلے سے ایک کریہ آواز کے سوا اور کچھ نہ نکلتا۔
بدن کے ساتھ دماغ بھی بے حس و بیکار ہو گیا۔ خدا نے اس جرم کی سزا میں کہ انسان پیدا
کیا تھا اور حیوان بن کر جیا اس کو آدمی سے جانور بنا دیا۔ مال و دولت کی بربادی دیکھ کر
خیالات کچھ اصلاح پر آئے لیکن دولت و مال کے زوال سے بڑھ کر پردرد مثال اس دوست
کی تھی جس نے دل پر ایسا اثر کیا کہ ایک دن دنیا چھوڑ کر صحرا میں چلا آیا۔ اب بیس برس
سے میرے قلب کو بالکل سکون اور اطمینان حاصل ہے۔ کوئی چیز اس میں مخل نہیں۔ میرے
تحت یہ جس قدر راہب آپ ملاحظہ کرتے ہیں ان میں کوئی جلاہے کا پیشہ کرتا ہے کوئی معمار
اور بڑھئی کا کام کرکے روزی پیدا کرتا ہے۔ میں بھی ان ہی کاموں میں سے کوئی کام اختیار کر
لیتا ہوں۔ لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ کتابت بھی بہت کی ہے۔ لیکن دماغی کام کی نسبت ہاتھ سے
کام کرنا میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔ میرے دن بہت خوش گزرتے ہیں اور رات کو نیند ایسی
گہری آتی ہے کہ خواب تک نظر نہیں آتا۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ خدا کا فضل و کرم
ہمیشہ میرے حال پر رہا ہے کیونکہ سخت سے سخت گناہوں کی حالت میں بھی کبھی امید کا دامن
میرے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔"

یہ تقریر سن کر پفنوتوس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہنے لگا:

"خدایا۔ اس انسان نے کیسے کیسے گناہ کیے۔ زنا کیا، شراب پی، دین کی بے ادبیاں کیں
مگر تو نے اس پر نگاہ مہر رکھی۔ میں نے ہمیشہ تیرے حکموں کو مانا، ان کو بجا لایا۔ مگر مجھ سے
تو نے منہ موڑ لیا۔ اے میرے خدا۔ یہ انصاف تو سمجھ میں نہیں آتا مگر تیرے کاموں کو کون
سمجھ سکتا ہے۔"

اتنے میں زوسیموس نے ہاتھ کا اشارہ کرکے کہا:

"پفنوتوس۔ دیکھئے وہ افق کے کنارے کنارے دور تک ایک باریک سیاہ خط سا نظر

آنا شروع ہوا ہے جیسے چیونٹیاں قطار باندھے نکلی ہوں۔ یہ سب ہمارے بھائی راہب ہیں جو ہماری طرح انطونی کے دیدار کو آرہے ہیں۔"

جب نو یسوس اور پفنو توس چلتے چلتے اس مقام پر پہنچے جہاں صحرا کے تمام رہبان زہاد و عباد انطونی سے رخصت ہونے کے لئے جمع ہو رہے تھے تو ایک عجیب کیفیت ان کو نظر آئی۔ دیکھا کہ راہبوں کی بے شمار فوج تین صفوں میں آراستہ ہے۔ اور یہ صفیں ایک وسیع نصف دائرہ کی شکل رکھتی ہیں۔ سب سے آگے کی صف میں نہایت سن رسیدہ مسیحی درویش ہیں۔ ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک صلیب ہے اور ان کی داڑھیاں لٹک کر زمین تک پہنچی ہیں۔ رہبان جن کے افسر افریم اور اسرابیون تھے اور دریائے نیل کے مشہور عابدوں اور زاہدوں کے گروہ دوسری صف میں تھے۔ آخری صف میں وہ تارک الدنیا عیسائی تھے جو یہاں سے بہت دور کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ ان میں کوئی اپنے لاغر جسم پر کپڑوں کی جگہ محض چیتھڑے لگائے تھا کسی نے ستر پوشی کے لئے صرف درختوں کے پتے چھال کے ریشوں سے باندھ رکھے تھے۔ بہت سے بالکل برہنہ تھے۔ مگر خدا کے حکم سے ان کے بدن پر اس قدر بال پیدا ہو گئے تھے جیسے بھیڑ کے جسم پر اون ہوتی ہے۔ ان سب کے ہاتھوں میں کھجور کی شاخیں تھیں اور اس وقت ان راہبوں کو دیکھ کر یا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ آسمان پر سبز دھنک نکلی ہے یا اس سے تشبیہ دی جا سکتی تھی کہ وہ ایک مقبول و منتخب طائفہ خدا کی تعریفیں گانے والوں کا ہے یا یہ کہ ان کی صفیں خدا کے شہر یروشلم کی زندہ دیواریں اور فصیلیں ہیں۔

اس مجمعے کی ترتیب ایسی مکمل تھی کہ پفنو توس کو اپنے مریدوں کو تلاش کرنے میں کچھ دقت نہیں ہوئی۔ سب کے سب ایک ہی جگہ نظر آ گئے۔ اور یہ ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ لیکن اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا کہ کوئی پہچانے نہیں اور انطونی کے انتظار میں جو نیازمندانہ کیفیت اس وقت اس پر طاری ہے اس میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے اتنے میں دفعتاً سب کے منہ سے ایک نعرہ بلند ہوا۔

"ولی۔ ولی۔ وہ ہے ہمارا ولی۔ ہمارا باپ انطونی جس پر شیطان کبھی غالب نہ آ سکا۔ انطونی خدا کا بہت پیارا ہے۔"

اسکے بعد ہر طرف خاموشی تھی اور کوئی پیشانی نہ تھی جو زمین پر نہ جھکی ہو۔

صحرائے لق و دق میں ایک پہاڑی کی چوٹی سے انطونی نیچے اترتا نظر آیا۔ اس کے

مشہور تلامذہ مکاریوس اور لماشوس دونوں استاد کے ایک ایک ہاتھ کو سہارا دیئے ہوئے تھے۔ چال بہت آہستہ تھی۔ مگر قد خم نہ تھا۔ صورت سے اب بھی کسی زمانہ میں غیر معمولی طاقت رکھنے کے آثار ظاہر تھے۔ سفید بگلا سی داڑھی تمام سینہ پر بکھری تھی۔ پیشانی اور سر آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ نظر میں تیزی عقاب کی سی تھی۔ اور لبوں پر معصوم بچوں کی سی مسکراہٹ۔ انطونی شاگردوں کے سہارے تن کر کھڑا ہو اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لئے جو برسوں کی ریاضت و جفاکشی سے اب لاغر و ناتواں ہو گئے تھے اور پھر زبان سے خلوص و محبت کے یہ جملے ادا کئے:

"یعقوب کیسے خوبصورت ہیں تیرے شامیانے اور اسرائیل کیسے دلکش ہیں تیرے خیمے۔"

ان جملوں کو سنتے ہی تمام مجمع نے ایک مناجات بڑے موثر لہجے میں گانی شروع کی:

"شادماں فقط وہی ہیں جو ڈرتے خدا سے ہیں۔"

نغمے کی یہ مجموعی صدا بادل کی گرج کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک کڑکتی اور گونجتی چلی گئی۔

دونوں شاگردوں کا سہارا لئے انطونی پہلے صحرا کے پیرانہ سال درویشوں میں سے اور پھر عابدوں اور زاہدوں کی صفوں میں سے گزرا۔ قسیس اعظم انطونی وہ مرد باخدا تھا جس نے دوزخ اور جنت دونوں کی کیفیتیں اسی دنیا میں دیکھ لی تھیں۔ یہ وہ فقیر تھا جس نے پہاڑ کی چوٹی سے مسیحی کلیسا پر بادشاہی کی تھی۔ یہ وہی خدا کا منتخب ولی تھا جس نے سخت آزمائشوں کے زمانہ میں ان لوگوں کے دلوں کو قوی رکھا تھا جنہوں نے آخر کار مسیحی دین کی شہادت میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ یہ وہ دانشمند تھا جس کی آتش بیانی نے اہل بدعت کے دھوئیں اڑا دیئے۔ اس وقت وہ نہایت محبت اور دلی خلوص سے اپنے ہر مرید سے دو دو باتیں کرکے ہمیشہ کے لئے رخصت چاہتا تھا کیونکہ اس کی مبارک موت جس کا خدا نے آخر کار وعدہ فرما لیا تھا عنقریب پیش آنے والی تھی۔

افریم اور اسرائیون سے اس نے کہا:

"تمہارے زیر فرمان مسیحی راہبوں کی بے شمار فوجیں ہیں۔ تم خدا کے اس لشکر کے بڑے سالار اور امیر ہو۔ پس آسمان پر پہنچ کر سونے کی زرہ تم زیب تن کرو گے اور ملائکہ سے میکائیل تم کو اپنے لشکر کی سالاری کا منصب دے گا۔"

بڑے راہب ملمون کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لے کر کہا:

"دیکھو میرے بچوں میں سب سے زیادہ اچھا اور پیارا بچہ یہ ہے۔ اس کی روح میں ایک تازگی ہے اور اس میں سے ان ہری ہری ترکاریوں اور پھولوں کی خوشبو آتی ہے جو وہ اپنی پیاری کیاری میں بویا کرتا ہے۔"

زوسیموس سے اس نے کہا:

"تم کبھی خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوئے اس لئے خدا نے تم پر ہمیشہ اپنا فضل و کرم رکھا۔ اور تمہارے گناہوں کی کوڑی پر تمہاری نیکیوں کا درخت لگا دیا جس میں اب پھول کھل رہے ہیں۔"

ہر شخص سے جو مختصر سا جملہ کہہ دیتا تھا وہ عقل و دانش کا ایک در بے بہا ہوتا تھا۔

بڑے درویشوں سے کہا:

"اور پھر خدا کے نبی نے دیکھا کہ خدا کے تخت کے گرد چوبیں بڑے بیٹھے ہیں جن کے پیرہن سفید ہیں۔ اور ان کے سروں پر تاج رکھے ہیں۔"

جوانوں سے کہا:

"خوش رہو۔ رنج و یاس ان کے لئے چھوڑو جو دنیا پر ناز کرتے ہیں۔"

اسی طرح پند و نصیحت کے موتی بکھیرتا وہ اپنی روحانی اولاد کی صفوں میں سے گزرنے لگا۔ پفنوتوس نے جب اس کو اپنے قریب آتے دیکھا۔ تو زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے' اس وقت اس کا دل خوف اور امید سے عجیب اضطراب میں تھا۔ جب انطونی بالکل ہی قریب آ گیا۔ تو پفنوتوس بڑی عاجزی سے کہنے لگا۔ "یا ابی۔ میری مدد کیجئے۔ میں ہلاک ہوا جاتا ہوں۔ تائیس کو گمراہی سے نکال کر خدا کے حضور میں پیش کیا۔ ستون پر فقیر بن کر بیٹھا۔ پھر مقبرے میں جا کر رہا۔ پیشانی زمین پر اتنی رگڑی کہ اس کی جلد مردہ ہو گئی۔ لیکن خدا مجھ میں نہ رہا۔ اے باپ برکت دیجئے کہ میری نجات ہو۔ زوفے کی جھاڑی کو ہلا دیجئے کہ میرے گناہ دور ہوں اور میں پاک ہو کر مثل برف کے چمکنے لگوں۔"

انطونی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور انصینو کے راہبوں کو ایسی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا جس کی تاب کسی کو نہ تھی۔ آخر کار اس کی نظر پال پر پڑی جو ایک بے عقل مجذوب تھا۔ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا ہر شخص کو حیرت تھی کہ اتنا بڑا ولی ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوا ہے جو عقل کچھ نہیں رکھتا مگر انطونی نے

ان لوگوں سے کہا:

"خدا نے اس آدمی کو وہ برکت دی ہے کہ تم میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اے میرے فرزند پال اپنی آنکھیں اونچی کر اور بتا کہ تو آسمان پر کیا دیکھتا ہے۔"

پال نے نظر اونچی کی۔ اس کے چہرے پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور اس کی زبان اس طرح کھلی:

"میں دیکھتا ہوں کہ عرش پر ایک سیج بچھائی گئی ہے۔ تین کنواری لڑکیاں اس کے گرد پاسبانی کرتی ہیں تاکہ ان روحوں کے سوا جو خدا نے منتخب کی ہیں کوئی روح اس سیج کے قریب نہ آئے کیونکہ ان ہی منتخب روحوں میں سے کسی کے لئے یہ سامان آراستہ کیا گیا ہے۔"

پفنوتیوس اتنی بات سن کر سمجھا کہ اسی کی بزرگی کے لئے یہ سیج آسمان پر سجائی گئی ہے۔ بہت خوش ہو کر بہ آواز بلند خدا کا شکر کرنے پر آمادہ ہوا۔ لیکن انطونی نے اشارے سے کہا "خاموش۔ پال جو کچھ کہتا ہے اس کو سنو۔" پال نے اسی حالت جذب میں کہنا شروع کیا:

"تینوں کنواریاں کہتی ہیں کہ اس دنیا سے خدا کی ایک پیاری روح رخصت ہونے والی ہے۔ اسکندریہ کی تائیس مرنے کو ہے۔ ہم نے اس کے عزت و جلال کے لئے یہ سیج بچھائی ہے۔ کیونکہ ہم اس کی نیکیاں ہیں۔ یعنی ایمان، خوف اور خلوص۔"

انطونی نے پوچھا:

"اے پیارے فرزند اور بھی کچھ نظر آتا ہے۔"

پال نے آسمان پر مغرب سے مشرق اور سمت الراس سے سمت القدم تک نگاہ دوڑائی۔ ناگہاں انصینو کے تیس پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔ پال کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اسی حالت میں کہنے لگا:

"میں دیکھتا ہوں کہ اس آدمی کو تین عفریت نہایت خوش ہو کر گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں ایک اونچا مینار ہے۔ دوسری عورت ہے۔ تیسرا ایک ساحر۔ ہر ایک کے جسم پر گرم سلاخوں سے اس کا نام داغ دیا گیا ہے۔ پہلے کا نام اس کی پیشانی پر، دوسرے کا نام اس کے شکم پر اور تیسرے کا نام اس کے سینے پر نقش ہے اور یہ نام تکبر، عیش اور شک ہیں۔ بس جو کچھ مجھے دیکھنا تھا وہ دیکھ چکا۔"

یہ کہہ کر پال گردن ٹیڑھی کر کے پریشان نظری کے ساتھ پھر اپنی بے عقلی کی حالت میں آ گیا۔

انصینو کے راہب نہایت سراسیمہ ہو کر انطونی کی صورت دیکھنے لگے۔ انطونی نے کہا :

"خدا نے اپنے عدل و انصاف سے سب کو آگاہ کر دیا۔ بس اب خدا کی تعریف کرو اور کچھ منہ سے نہ نکالو۔"

اب انطونی سب کے حق میں دعا کرتا ہوا پہاڑ کی طرف واپس چلا۔ آفتاب نے افق مغرب کے قریب پہنچ کر شفق سے تمام عالم کو لالہ زار کر دیا اور آسمان کے نور نے انطونی کا سایہ زمین پر ڈال کر اتنا دراز کیا کہ ریگ بیابان پر ایک سیاہ غالیچہ تا حد نظر بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا اور یہ علامت تھی کہ جس قدر یہ سایہ دراز ہوتا جائے گا اتنے ہی زمانہ دراز تک خدا کے اس ولی کی یاد لوگوں کے دلوں میں زندہ رہے گی۔

پفنوتوس کھڑا تھا۔ مگر ششدر۔ جیسے کوئی بجلی کا کڑکا سر کے اوپر سن کر سہم جائے۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ نہ کچھ دیکھ سکتا تھا نہ کچھ سن سکتا تھا۔ کانوں میں سوائے اس آواز کے کہ "تائیس مرنے کو ہے۔" اور کوئی آواز نہ تھی دل میں کبھی یہ خیال نہ گزرا تھا کہ تائیس مر جائے گی۔ صلیب پر مسیح مردہ کی تصویر دیکھتے ہوئے تیس برس گزرے تھے مگر اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوا کہ موت ایک دن تائیس کی آنکھیں بھی بند کر دے گی۔

"تائیس مرنے کو ہے۔" یہ چند الفاظ کیسے عجیب و خوفناک معنی رکھتے ہیں۔ "تائیس مرنے کو ہے۔" اگر ایسا ہے تو پھر یہ چاند سورج باغ اور چشمے بلکہ جو کچھ مخلوق ہو سب بیکار ولاحاصل تھا۔ پھر ان کو پیدا کرنے سے نتیجہ ہی کیا نکلا' اتنا سوچ کر ایک دفعہ ہی جست لگائی اور زور سے بھاگنا شروع کیا۔ کچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جاتا ہے اور کس حال میں ہے۔ لیکن عقل حیوانی دلیل رلو بن گئی۔ اور وہ سیدھا دوڑتا ہوا دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ یہاں بادبانی کشتیاں بکثرت موجود تھیں۔ تو بیہ والوں کی ایک کشتی میں بیٹھ گیا۔ کشتی بہاؤ پر تیز چلنے لگی۔ پفنوتوس کی نظر فاصلے کو تکتی تھی کہ کب اور کیونکر ختم ہو۔ روتا تھا اور کہتا تھا:

"میں احمق تھا۔ بیوقوف تھا۔ موقع ملا تھا کہ تائیس کو اپنا کر لیتا۔ مگر بات کو نہ پہنچا۔ نادان تھا جو سمجھا کہ دنیا میں تائیس کے سوا بھی کوئی چیز لائق تمنا ہے۔ دیوانہ تھا' مجنوں تھا۔ جو خدا کے خیال میں رہا۔ روح کو محفوظ رکھنے اور آسمانی زندگی حاصل کرنے کی جستجو کی۔ گویا

تائیس کو دیکھنے کے بعد بھی ان چیزوں کی کوئی قدروقیمت تھی- کیوں میری سمجھ میں نہ آیا کہ مسرت جاوید تائیس کے بوسوں کے سوا کہیں میسر نہیں- بغیر اس کے زندگی کی کوئی چیز نہ تھی- اگر تھی بھی تو ایک بھیانک خواب- ارے احمق- اس جہان میں تائیس جیسی نعمت کو دیکھنے کے بعد بھی تو نے دوسرے جہان میں نعمتیں حاصل کرنے کی آرزو کی- ارے بزدل تائیس سے مل کر بھی خدا سے ڈرا- خدا' آسمان- یہ کیا ہیں- ان کے پاس رکھا کیا تھا جو تجھے کچھ دیں- اگر کچھ دیتے بھی تو تائیس کی دادو دہش کا دہ عشر عشیر بھی نہ ہوتا- ارے دیوانے مخبوط الحواس- وہ کونسی آسمانی خیروبرکت تھی جو تائیس کے لبوں کے سوا کہیں اور تلاش کی جاتی- اس دن کس نے تیری آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا- برا ہو اس کا جس نے اس وقت تجھے اندھا بنایا- تائیس کا وصل- ارے کمبخت- ساری دوزخ کے عذاب کو قیمت میں لگا دیتا اور اس لذت کو ایک آن واحد کے لئے مول لے لیتا- لیکن تجھ سے کچھ نہ ہو سکا- تائیس ہاتھ پھیلائے تیری طرف بڑھی- وہ گورے گورے ہاتھ' وہ بھرے بھرے بازو جن میں پھولوں کی خوشبو آتی تھی- مگر تجھے جنبش نہ ہوئی- جس سینے پر بند قبا کھلے ہوئے تھے اسی پر اپنی ہستی کیوں نہ مٹا دی- ارے کج فہم- رشک رقیب کے حکم پر کہ "پرہیز کر" عمل کرتا رہا اور دھوکا کھایا- ہائے افسوس' ہائے پشیمانی' ہائے ناامیدی- ایک ساعت کے لئے بھی وہ عیش حاصل نہ کیا جسے دوزخ میں تاابد یاد کیا کرتا- "تائیس مرنے کو ہے" خدایا- کاش تجھے معلوم ہوتا کہ اب تیری دوزخ پر مجھے کیسی ہنسی آتی ہے- ہائے- "تائیس مرنے کو ہے" اب مجھ سے کبھی نہ ملے گی- ہائے ہائے کبھی وہ صورت پھر دیکھنی نصیب نہ ہو گی-"

کشتی بہاؤ پر بڑی تیزی سے جا رہی تھی- اور پفنوتوس دن دن بھر کشتی میں منہ کے بل پڑا رہتا-

"کیا اب وہ صورت دیکھنی نصیب ہو گی' نہیں- کبھی نہیں' کبھی نہیں-"

پھر دفعتاً" یہ خیال آتا کہ تائیس نے سب کو محظوظ کیا مگر وہ ہی محروم رہا- عشق و الفت کی موجیں سب کی طرف پہنچیں مگر اس کے کام و دہان تر کرنے نہ آئیں- اس خیال کے آتے ہی ایک خونی مجنوں کی طرح اٹھ بیٹھتا اور زور زور سے چیخنے لگتا- کبھی ناخنوں سے سینہ نوچتا' کبھی دانتوں سے ہاتھ کا گوشت کاٹتا-

سوچنے لگا- "کیا میں ان لوگوں کو جن سے تائیس ملوث رہی جان سے نہیں مار سکتا- یقیناً میں ان کا خون کر سکتا ہوں-"

خون کرنے کے قصد نے دل کو ایک عجیب وحشت کے ساتھ خوش کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ نیکیاس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے نہایت اطمینان سے اس کی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر کھا رہا ہے۔

پھر یہ شدت جنون دفعتاً کم ہو جاتی۔ زار زار رونے لگتا۔ طبیعت کمزور ہو کر نرم ہو جاتی۔ محبت کا ایک رنگ دل میں پیدا ہوتا اور جی چاہتا کہ نیکیاس سے جو لڑکپن کا دوست تھا دوڑ کر گلے مل جائے اور کہے کہ "نیکیاس مجھ کو بھی تجھ سے ایسی ہی الفت ہے جیسی تجھ کو مجھ سے ہے۔ تائیس کا کچھ حال بیان کر۔ بتا وہ تجھ سے کیا باتیں کیا کرتی تھی۔" باوجود اس کے یہ الفاظ کہ "تائیس مرنے کو ہے۔" خنجر کی طرح سینے میں اترے چلے جاتے تھے۔

"دن کی روشنی۔ رات کے چاند تارو' آسمانو' جھومتے درختو' جنگل کے درندو' انسان کی مضطر روحو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ تائیس مرنے کو ہے۔ باد نسیم کے جھونکو' گلزار کے معطر پھولو۔ جاؤ۔ دور ہو' غارت ہو جاؤ' کائنات کی صورتو اور خیالو۔ صفحہ ہستی سے مٹ جاؤ۔" تائیس مرنے کو ہے۔" وہ دنیا کا حسن تھی۔ جو اس کے قریب آتا تھا وہ بھی اس کے پرتو سے منور ہو جاتا تھا کیسے ہر دلعزیز تھے وہ حسن اور خردمند لوگ جو اسکندریہ میں ضیافت کی شب کو تائیس کے پاس بیٹھے تھے۔ ان کی تقریروں میں کیسا ربط تھا۔ چہرے بشاش تھے۔ اور لبوں پر تبسم تھا۔ اور ہر خیال جو زبان پر آتا تھا۔ مسرت خوشبو بن کر دلوں کو مسرور کرتی تھی۔ یہ سب اس وجہ سے کہ تائیس کا دم وہاں موجود تھا۔ سوائے عشق و محبت' حسن و رعنائی' صدق و صفا کے اور کوئی بات کسی کی زبان پر نہ تھی۔ شیریں تقریروں میں لامذہبی کی چاشنی کس خوبصورتی سے آمیز کر دیتے تھے۔ انسان کی شان و شوکت کو کس طرح بے خطر بیان کرتے تھے۔ افسوس وہ جلسہ ایک خواب تھا۔ "تائیس مرنے کو ہے۔" ظاہر ہے کہ اس کے مرتے ہی میں بھی مر جاؤں گا۔ موت مجھے بھی آ جائے گی۔ لیکن اے رحم مادر کے مضغہ خشک اور اے اشکوں اور تلخیوں میں بھیگے ہوئے پارۂ گوشت کیا تجھ سے یہی ہو گا کہ مر جائے۔ نہیں اے خلقت ناقص سمجھ لے کہ جس نے زندگی کی حلاوت کو نہ جانا اسے موت میں بھی راحت نصیب نہ ہوگی۔ خدا اگر موجود ہے تو مجھے واصل جہنم کر دے۔ اس سے مجھے یہی امید ہے اور یہی میری خواہش بھی ہے۔ اے خدا۔ اب میں تجھ سے بیزار ہوں۔ مگر میری عرض سن لے۔ مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ ورنہ تیری بے ادبی کر کے تجھے اس پر مجبور کروں گا۔ میں تو خود ایک جہنم کی تلاش میں ہوں جس میں ہمیشہ جلتا اور بھنتا رہوں اور

جو غیظ و غضب مجھ میں بھرا ہے وہ میرے دشمن سے شعلوں کی طرح ہمیشہ لکلتا رہے....."

ایک دن علی الصباح البینہ دیر راہبات کے دروازے تک آئی کہ انصینو کے قیس کو خیر مقدم کہے۔ ملاقات ہوتے ہی کہنے لگی۔

"اے ابی۔ اس امن و عافیت کے گھر میں آپ کا قدم رکھنا مبارک ہے۔ کیونکہ بلاشبہ آپ اس نیک بخت عورت کو برکت دینے آئے ہیں جسے کچھ عرصہ ہوا آپ اس دیر میں چھوڑ گئے تھے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ اب خدائے پاک اپنی رحمت اور شفقت سے اسے اپنے پاس بلانے والا ہے۔ اس کی اطلاع آپ کو بھی ہوئی ہو گی۔ کیونکہ اس خبر کو فرشتوں نے قاصد بن کر صحرا صحرا پہنچایا ہے۔ تائیس اب سفر زندگی ختم کر کے منزل راحت میں پہنچنے والی ہے۔ دنیا میں اس کا کام ختم ہوا۔ اور جس طرح وہ اس دیر میں رہی اس کی مختصر کیفیت میں آپ کو سنائے دیتی ہوں۔ آپ کے رخصت ہونے کے بعد وہ اسی حجرے میں بند رہی جس کے دروازے پر آپ اپنی مہر لگا گئے تھے۔ میں روزانہ اس کو کھانا اور کھانے کے ساتھ ایک بانسری اسی قسم کی جو اس کی پیشے والیاں بجایا کرتی ہیں بھیج دیتی تھی۔ یہ میں اس لئے کرتی تھی کہ اس کی طبیعت افسردہ نہ ہونے پائے اور جب خدا کے سامنے وہ آئے تو اس کا حسن اور اس کا ہنر اس سے کم نہ ہو جو انسان کے سامنے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ میرا یہ خیال درست تھا۔ تائیس روز خدا کی حمد وثناء شیریں نغموں میں ادا کرتی تھی۔ اور جو راہبات بانسری سننے کے لئے جمع ہوتیں وہ کہتیں کہ "جنت کے باغوں سے بلبل کے چہکنے کی آواز آ رہی ہے یا مسیح مصلوب کا بہ حالت نزع میں بول رہا ہے۔" غرض تائیس اسی طرح اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور ان کی مکافات میں مصروف رہتی۔ یہاں تک کہ ساٹھ دن گزرنے کے بعد جس دروازے پر آپ مہر کر گئے تھے وہ ازخود کھل گیا۔ کسی انسان کا ہاتھ اس کو نہ لگا تھا اس واقعہ سے میں سمجھ گئی کہ جو آزمائش آپ نے اس کے لئے تجویز کی تھی وہ پوری ہوئی اور مہر کا خود بخود ٹوٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس گانے والی کے گناہ خدا نے معاف کر دیئے۔ اس وقت سے وہ تمام راہبات کے ساتھ ان کے کاربار اور عبادتوں میں شریک ہونے لگی۔ نہایت شیریں گفتگو اور پاکیزہ اخلاق سے وہ اپنی بہنوں کو خوش کرتی۔ اور اسے دیکھ کر مجھے معلوم ہوتا کہ عورتوں میں حیا اور شرم کی وہ ایک مجسم تصویر ہے۔ کبھی کبھی وہ کسی قدر غمگین ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ ایک عارضی کیفیت ہوتی تھی جو جلد دور ہو جاتی تھی۔ جب میں نے بخوبی دیکھ لیا کہ اس کا ایمان راسخ ہے اور امید رحمت اور عشق

انہی میں اس کا تعلق خدا سے مستحکم ہو گیا ہے تو پھر مجھے کچھ خوف نہ رہا۔ اور میں نے اسے اجازت دی کہ جس فن میں وہ یکتائے روزگار ہو چکی ہے اس کے ذریعہ اور اپنے حسن کے اثر سے اپنی بہنوں کو خوش کیا کرے۔ میں نے اس سے فرمائش کی کہ انجیلوں میں جن جری عورتوں اور فرزانہ کواریوں کا ذکر آیا ہے ان کی نقلیں اتار کر اپنی بہنوں کو محظوظ کرے۔ چنانچہ آسر، دبورہ، یودی، لعزر کی بہن ماریہ اور یسوع کی والدہ جناب مریم کی تمثیلیں نہایت اثر اور خوبی کے ساتھ دکھاتی رہی۔ اے لبی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس قسم کے تماشوں کو آپ کے ایمان کا تشدد جائز نہ سمجھتا ہو گا۔ لیکن اگر آپ ان موقعوں پر موجود ہوتے تو آپ دیکھتے کہ ان تماشوں میں تائیس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں کس طرح جاری ہو جاتی تھیں اور خدا سے ملنے کے لئے کیسی بیتاب ہو کر وہ اپنے ہاتھ پھیلاتی تھی۔ اگر آپ موجود ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ آپ کے دل پر اثر نہ ہوتا۔ عورتوں کی نگرانی و نگہداشت میں میری عمر کا ایک حصہ گزر چکا ہے' میں نے ہمیشہ اپنا یہ قاعدہ رکھا کہ کوئی بات جو عورت کی اصلی فطرت کے خلاف ہو اسے کبھی نہ کرنا چاہئے۔ سب بیجوں سے ایک ہی طرح کے پھول پیدا نہیں ہوتے۔ ہر شخص کو ایک ہی طریقہ سے پاکیزگی نفس حاصل نہیں ہوتی۔ پھر مجھے اس بات کا بھی خیال تھا کہ تائیس نے زہد و پارسائی اس وقت اختیار کی تھی جبکہ وہ جوان اور حسین تھی۔ اور یہ اتنا مشکل کام ہے جس کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ یہ حسن صورت اس کا ایسا تھا کہ تین مہینے کی شدید تپ کے بعد بھی جس کو اب اس کا مرض الموت سمجھنا چاہئے زائل نہیں ہوا۔ اس علالت کے زمانے میں وہ بار بار آسمان کو دیکھنے کے لئے کہا کرتی تھی۔ اس لئے میں نے اجازت دی کہ اس کا پلنگ صحن میں انجیر کے درخت کے نیچے جہاں پانی کا چشمہ ہے روز صبح کے وقت بچھا دیا جایا کرے۔ چنانچہ اب تک یہی ہو رہا ہے۔ اس دیر میں جس قدر عابدات ہیں وہ اس کی تیمارداری میں شریک رہتی ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو وہیں صحن میں درخت کے نیچے اسے دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن تاخیر نہ فرمایئے۔ کیونکہ خدا کے ہاں اس کی طلبی جلد ہو رہی ہے۔ اور ممکن ہے کہ آج شام تک اس چہرے پر نقاب پڑ جائے جسے خدا نے اس جہان کی زینت اور فضیحت دونوں کے لئے پیدا کیا تھا۔"

پفنوتوس البینہ کے ساتھ ساتھ خانقاہ کے صحن میں آیا۔ صبح کا وقت تھا۔ صحن خوب روشن تھا۔ چھتوں کی اونچی نیچی منڈیروں پر سفید سفید قمریاں اس طرح پاس پاس بیٹھی تھیں جیسے کسی نے موتیوں کی جھالر لٹکا دی ہو۔ انجیر کی چھاؤں میں پلنگ پر دونوں ہاتھ سینے

پر رکھے تائیس لیٹی تھی۔ رنگ بالکل سفید ہو گیا تھا۔ بستر کے گرد راہبات منہ پر نقابیں ڈالے سکرات کی شدت کو کم کرنے کے لئے یہ دعا پڑھتی تھیں۔

"اے میرے خدا۔ اپنے فضل و کرم سے مجھ پر رحم کر اور اپنی غفاری سے میرے گناہوں کو معاف کر۔"

پفنوتوس نے آواز دی۔

"تائیس۔"

تائیس نے پلکیں اٹھا کر جدھر سے آواز آئی تھی اودھر آنکھیں پھیریں۔ البینہ نے نقاب والی عورتوں سے کہا کہ چند قدم ہٹ کر کھڑی ہو جائیں۔

پفنوتوس نے پھر آواز دی۔

"تائیس۔"

تائیس نے اس آواز پر تکیہ سے کچھ سر اونچا کیا اور اس کے سفید لبوں سے یہ نحیف آواز سنائی دی:

"بابا۔ کیا آپ ہیں۔ وہ چشمے اور درختوں کے نیچے کھجوروں کا اٹھانا یاد ہے' وہ دن تھا کہ عشق خدا میں حیات جاوید حاصل کرنے کے لئے میں اس دنیا میں از سر نو پیدا ہوئی تھی۔"

اتنا کہہ کر چپ ہو گئی اور سر پھر اسی طرح تکیہ پر رکھ لیا۔

موت قریب تھی۔ پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ آنے لگا تھا۔ ہر طرف بالکل خاموشی تھی کہ اتنے میں ایک قمری نے حق سرہ کی صدا لگائی۔ اور اب راہب کا گریہ راہبات کی اس دعا میں شامل ہوا۔

"میرے اعمال دھو دے۔ گناہوں سے مجھے پاک کر دے کیونکہ اس وقت میرے اعمال اور میرے گناہ سب تیرے سامنے ہیں۔"

دفعتاً" تائیس لیٹے سے اٹھ بیٹھی اور اس کی خوبصورت آنکھیں پوری کھل گئیں' دونوں ہاتھ بڑھا کر دور کی پہاڑیوں کی طرف نظر کی۔ اور نہایت روشن آواز سے کہا۔

"دیکھو وہ صبح ازل کی گلابی روشنی نمودار ہو رہی ہے۔"

اتنا کہتے ہی آنکھوں میں نور اور پیشانی پر ہلکی سی سرخی آئی۔ اس وقت اس کا حسن اور حسن کی ملاحت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ پفنوتوس جھک کر اس کو لپٹ گیا اور ایسی آواز سے جس کو خود نہ پہچانتا تھا کہنے لگا۔ "تائیس مر نہیں' مجھے تجھ سے عشق ہے۔ مر نہیں'

سن- میں نے تجھے دھوکا دیا تھا- میں بدنصیب احمق تھا- نہ خدا کچھ ہے- نہ آسمان کوئی چیز ہے- دنیا کی زندگی اور دنیا کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے- تائیس میں تیرے عشق میں ڈوب رہا ہوں- مر نہیں- تو اور مر جائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے- تیری جان کا مول نہیں- آ- میرے ساتھ چل- میں تجھے اپنی گود میں اٹھا کر بہت دور تک لے جا سکتا ہوں- ہم دونوں عشق و محبت میں زندہ رہیں- میری جان- میری بات سن- اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ" ہاں ابھی جیوں گی' جینے کو میرا جی چاہتا ہے- تائیس تائیس- اٹھ-"

تائیس نے ایک بات بھی نہ سنی- آنکھوں کی پتلیاں پھیر کر یہ کہتی ہوئی سنائی دی:

"عرش کے دریچے کھل گئے ہیں- ملائکہ' انبیاء اور خدا کے اولیاء نظر آ رہے ہیں- مقدس تیدور شہید میرا پاک احمس بھی ان ہی میں ہے اور اس کے ہاتھوں میں پھول ہیں- وہ ہنستا ہے اور مجھے پکارتا ہے- دیکھو- وہ دو فرشتے بڑھے ہوئے میری طرف آ رہے ہیں- لو- وہ آ گئے کیسے خوبصورت ہیں...... خدا کا دیدار شروع ہو گیا-"

منہ سے ایک خوشی کا نعرہ نکلا اور سر بے حس ہو کر تکیہ پر گرا- تائیس گزر گئی- پفنوتوس اس کو چمٹ کر ایسی حرکتیں کرنے لگا جس میں ہوائے نفسانی غضب اور عشق شامل تھا-

البینہ یہ حالت دیکھ کر چلائی:

"دور ہو خبیث-"

یہ کہہ کر البینہ نے تائیس کی آنکھیں بند کیں- پفنوتوس پیچھے ہٹ گیا- سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا- آنکھیں ایسی سرخ تھیں جیسے کسی نے آگ جلا رکھی ہو- اسے معلوم ہو رہا تھا کہ زمین شق ہو گئی ہے اور وہ اس کے اندر دھنسا چلا جاتا ہے-

دوشیزہ راہبات نے ذکریا نبی کی یہ مناجات شروع کی:

"تعریف ہو اسرائیل کے خداوند کی"-

گاتے گاتے دفعتاً یہ عورتیں رکیں- اتفاق سے ان کی نظر پفنوتوس کی صورت پر جا پڑی- اسے دیکھتے ہی سب چیخ چیخ کر کہنے لگیں:

"خفاش' خفاش- روزکور' روزکور-"

پفنوتوس کی شکل خود بخود ہیبت ناک ہو گئی تھی- اور جب اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اپنی بدنمائی اسے معلوم ہوئی-

○

تلمیحات

1- دیو کالیون- یہ تسلی کے ملک میں علاقہ فتھیا کا بادشاہ تھا- اس کی ملکہ کا نام پرہا تھا- یہ دونوں بہت نیک بخت تھے- لیکن ان کے زمانے میں لوگ بداعمال ہو گئے- اور زیوس نے جو سب دیوتاؤں میں بڑا تھا- ان سب کو غرق کرنا چاہا- دیو کالیون کو جس وقت زیوس کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے باپ کے مشورے سے ایک جہاز تیار کیا- جس میں وہ اور اس کی بیوی سوار ہو گئے- اس کے بعد زیوس کے حکم سے ایک سیلاب آیا- جو نو دن تک جاری رہا- اور اس میں تمام مخلوق غرق ہو گئی- سیلاب کے کم ہونے پر دیو کالیون کا جہاز یونان میں پرناسوس کے پہاڑ پر جا لگا- بادشاہ اور ملکہ جہاز سے اتر کر تھیمس دیوی کے مندر میں گئے اور اس سے پوچھا کہ دنیا پھر کس طرح آباد ہو' دیوی نے جواب دیا کہ "سروں کو بچا کر اپنی ماں کی ہڈیاں اٹھا اٹھا کر پیچھے کو پھینکو-" پہلے یہ حکم ان کی سمجھ میں نہ آیا- پھر وہ اس کا مطلب سمجھ گئے- ماں کی ہڈیوں سے مراد زمین کے پتھر تھے- چنانچہ انہوں نے پتھر اٹھا اٹھا کر پیچھے پھینکنے شروع کیے- دیو کالیون نے جتنے پتھر پھینکے وہ مرد اور پرہا نے جس قدر پتھر پھینکے وہ عورتیں بن گئیں- اور اس طرح پھر دنیا آباد ہو گئی- یہ اعتقاد بت پرستوں کا تھا- عیسائی طوفان نوح میں جیسا کہ توریت میں مذکور ہے بنی نوع انسان کے غرق ہونے کا یقین رکھتے تھے- مصنف نے گو طوفان نوح کا ذکر نہیں کیا ہے- لیکن بظاہر ایک خوش اعتقاد عیسائی بن کر لکھتا ہے (جس میں ایک طرح کا طنز بھی موجود ہے) کہ بفنونوس کی بے دینی اور اس قدر زیادہ تھی کہ دیو کالیون کے سیلاب کا یقین رکھتا تھا- دراصل حالانکہ صحیح واقعہ نسل انسان کے غرق ہونے کا طوفان نوح میں پیش آیا تھا-

2- وینس' لیدا' پاسیفی- یہ تینوں یونان اور روما کے قدیم باشندوں میں دیویوں کا رتبہ رکھتی تھیں- وینس جس کو یونانی افرودیتی کہتے تھے- حسن و عشق کی دیوی تھی- شروع میں روما کے لوگ وینس کو کوئی بڑی دیوی نہیں مانتے تھے- لیکن جب یونانیوں کی دیوی افرودیتی سے وینس کی مطابقت ثابت کر لی گئی تو اس کی پرستش عام ہو گئی- سب سے پہلے یونان کے جزائر

قبرص اور قترہ میں اس کی پرستش شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد یونان اور روما میں اس کا رواج ہو گیا۔ اپریل کا مہینہ یعنی فصل بہار کا پہلا مہینہ وینس کی پوجا کے لئے مخصوص تھا۔ نباتات میں سیب' کوکنار' برگ ریحان اور شاخ گل' حیوانات میں کنجشک' قمری' بط' ابابیل اس دیوی کی وجہ سے متبرک مانے جاتے تھے۔ ان پرندوں سے یا تو وہ اپنا رتھ کھچواتی تھی یا ان سے قاصد کا کام لیتی تھی۔ مصور اور بت تراش جب اس کی تصویر یا بت تیار کرتے تھے تو اس کے معصوم بچے ایروس کو بھی اس کے ساتھ بناتے تھے۔ اس دیوی کی پیدائش کی نسبت پرانے شاعروں نے لکھا ہے کہ وہ سمندر کے کف سے پیدا ہوئی تھی۔ آگ کا دیوتا ولکن اس کا شوہر تھا۔ لیکن خاوند سے اس نے بے وفائی کی۔ پہلے لڑائی کے دیوتا ایروس سے پھر بکس خدائے شراب سے ملوث ہوئی۔ اس کے بعد رب الارباب زیوس کے قاصد مرکیوری اور سمندر کے دیوتا پوسیدون پر جان دینے لگی۔ دیوتاؤں کے علاوہ آدمیوں میں انکی سیس اور نوعمر ایڈونس سے آشنائی کی۔ غرض اپنے دامن عصمت پر بار بار داغ لگانے سے مطلق پرہیز نہ کیا۔ حسن و جمال میں کوئی دیوی اس کو نہ پہنچتی تھی۔ شہزادہ پارس سے خوبصورتی میں انعام پا چکی تھی۔ عورتوں کو حسین اور دل فریب بنا دینے کی قدرت اس میں تھی۔ اور جب کسی عورت کی کمر سے اپنا سحرانگیز کمربند کھول کر باندھ دیتی تھی تو مرد اس عورت پر عاشق ہو کر اس کے خواہشمند رہنے لگتے تھے۔

اسی طرح لیدا اور پاسیفی کی نسبت جو قصے مشہور تھے وہ بھی بعض باتوں میں اخلاقی حیثیت سے بہت گرے ہوئے تھے۔

لیدا ملک اسپارٹا کے شاہان سلف میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی نہایت حسین تھی۔ زیوس دیوتا اس پر عاشق ہوا اور ایک بط کی شکل میں اس کی سیج پر گیا اور اس سے مباشرت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیدا کے بطن سے دو انڈے پیدا ہوئے۔ ایک انڈے سے ہیلن ظہور میں آئی جو دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت سمجھی گئی اور دوسرے انڈے سے ہیلن کے دو بھائی کیسٹر اور پولکس پیدا ہوئے۔

اسی طرح پاسیفی کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سورج دیوتا کی بیٹی تھی۔ اس نے ایک بیل سے صحبت کی اور اس کے پیٹ سے مینوس پیدا ہوا۔ جو ایک مردم کش جانور آدھا بیل اور آدھا انسان تھا۔

خلاصہ یہ کہ ایسے ہی فحش اور جوانوں کے دل بھڑکانے کے قصے تھے جن کی نقلیں اتار کر

تائیس اپنے تماشائیوں کو خوش کیا کرتی تھی۔

3- فارفروس- یہ یونان کا ایک مشہور حکیم فلسفہ افلاطونیت جدیدہ کا استاد تھا۔ فلسطین کے شہر بطانیہ یا صور میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی سریانی نام ملک تھا۔ ایتھنز میں اس کے استاد نے اس کا نام فورفاریوس رکھ دیا۔ جو ایک یونانی لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی ارغوانی رنگ کے ہیں جو بادشاہوں کے لباس کا رنگ ہوا کرتا تھا اور ملک کی رعایت سے یہ نام رکھا گیا تھا۔ تیس برس کی عمر میں وہ روما کے شہر میں آباد ہوا۔ اور عیسائی مذہب کے رد میں اس نے ایک بڑی تصنیف لکھی جو شہنشاہ روما تھیوڈوسیوس کے حکم سے جلا دی گئی۔

4- یولی سیز- یونان کے علاقہ اینتھیکا کے بادشاہ لیارتیس کا بیٹا تھا۔ یونان میں وہ دیوتا مانا گیا۔ ایشیا کی پرانی مشہور لڑائی میں جسے جنگ تروجہ کہتے ہیں یونانیوں کا طرفدار بن کر شریک ہوا۔ نہایت بہادر، فصیح اور عاقل تصور کیا گیا ہے۔ جس وقت اس لڑائی میں یونانیوں کا سب سے بڑا سردار اکلیز مارا گیا تو اس کے ہتھیاروں پر دشمن نے قبضہ کر لیا۔ تو یولی سیز اس موقع پر بڑی بہادری سے لڑا اور دشمن سے اکلیز کے ہتھیار چھین لئے۔ جنگ تروجہ میں یونانیوں نے جو لکڑی کا ایک بہت بڑا گھوڑا بنایا تھا جس کے اندر تیر انداز بیٹھ کر تیر چلاتے تھے وہ یولی سیز ہی کی ایجاد تھا۔ تروجہ کی لڑائی کے بعد یولی سیز نے دنیا کی سیروسیاحت میں شہرت حاصل کی گو یونانیوں میں یولی سیز دیوتائی کا درجہ رکھتا تھا۔ لیکن اس کے کام جس قدر تھے وہ انسانوں کے سے تھے۔ اسی وجہ سے نیکیاس فلسفی کہتا ہے کہ ایسا خدا خدا کا ہیکو بلکہ محض ایک انسان ہوا۔

5- جوپیٹر- یہ قدیم رومانیوں کا دیوتا ہے۔ یونانیوں میں اس کا نام زیوس تھا۔ جوپیٹر دو لفظوں سے مرکب ہے جن کے معنی آسمان کے باپ یا مالک کے ہیں۔ مالک آسمان ہونے کی بنا پر وہ بارش، طوفان، کڑک اور بجلی کا خدا مانا جاتا تھا۔ دیوتاؤں میں اس کا درجہ سب سے اعلیٰ تھا۔ اور قوت میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ روما کے شہر میں ایک اونچی پہاڑی پر اس کا مندر بنایا گیا۔ اور اس شہر کا وہ خاص طور پر نگہبان اور سرپرست سمجھا گیا۔ چنانچہ جب شہر میں نئے حاکم مقرر ہوتے تو وہ اپنی خدمت شروع کرنے سے پہلے جوپیٹر کے مندر میں جاکر اس کی پوجا کرتے اور بلدان چڑھاتے۔ روما کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ انسان کے تمام معاملات اسی دیوتا کے حکم سے طے ہوتے ہیں۔ آئندہ کے حالات کا علم وہ رکھتا ہے۔ اور مستقبل میں جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں وہ سب اسی کے ارادے اور قصد کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

آسمان پر خاص خاص علامتیں پرندوں کی پرواز میں خاص خاص کیفیتیں دکھا کر انسان پر آئندہ کے حالات ظاہر کرتا ہے اس لئے کوئی کام چاہے مذہب سے متعلق ہو' چاہے دنیا سے اس دیوتا کے سامنے حاضر ہوئے بغیر نہیں کیا جاتا تھا۔ قانون' عدل' نیکی کا محافظ بھی وہی تھا۔ اور جو لوگ اپنے ملک سے بغاوت یا کسی اور طریقے سے دغا و فریب کے مرتکب ہوتے تھے ان کو اس پہاڑ کی چوٹی سے جہاں اس دیوتا کا مندر تھا نیچے گرا دیا جاتا تھا۔ چونکہ آسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کو نور کا خدا بھی مانا گیا۔ اس کے مندر کے خدام ہمیشہ سر کا لباس سپید رکھتے تھے۔ مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوتا میں انسانی صفات اس قدر تسلیم کی جا چکی تھیں کہ بعض لوگوں نے اس کو دیوتا ماننے سے انکار کر دیا۔

6- برقلس۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں سلطنت ایتھنز کا سب سے بڑا مدبر گزرا ہے۔ اس نے ایتھنز کی ریاست کو ترقی دیتے دیتے شہنشاہی کے رتبہ تک پہنچا دیا اور چالیس برس کے عرصہ میں جبکہ عنان حکومت اس کے ہاتھ میں رہی ایتھنز یونان کا سب سے زیادہ شائستہ شہر بن گیا۔ حکیم اناناغورس اس کا استاد تھا۔ برقلس کے زمانہ حکومت میں مذہبی معتقدات پر مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ بعض لوگوں نے چند دیوتاؤں کو اس بنا پر کہ ان میں انسانی صفات زیادہ دکھائی دیتی ہیں دیوتا ماننا ترک کر دیا۔ مصنف نے یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

7- اناناغورس۔ حکمائے یونان میں یہ بڑے درجہ کا حکیم گزرا ہے سنہ 500 قبل مسیح میں ایشیا کے صوبہ ایونیا میں پیدا ہوا۔ بیس برس کی عمر میں اپنا کل مال و اسباب عزیزوں میں تقسیم کر کے وطن سے نکلا۔ اور ایتھنز کے شہر میں آ کر تیس برس تک وہیں بودوباش رکھی۔ برقلس نے جو اس وقت مدبران ایتھنز میں سب سے بڑا صاحب تدبیر اور بااختیار شخص تھا اس حکیم کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن اناناغورس کے مسائل حکمت کچھ ایسے تھے جن سے اہل ایتھنز کے مذہبی خیالات کو صدمہ پہنچتا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر انہوں نے لامذہبی کا الزام لگا کر اس حکیم کو سپرد عدالت کرا دیا۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو برقلس نے اپنے استاد کی صفائی میں ایک بڑی فصیح و بلیغ تقریر کی جس کی وجہ سے استاد کی جان تو بچ گئی لیکن بجائے استاد کے خود برقلس کو جرمانہ اور شہر بدر کیے جانے کا حکم ملا۔ اناناغورس اس حکم کے سنتے ہی ایتھنز سے نکل کر لمپ ساکس کے شہر کو چلا گیا۔ اور وہاں 72 برس کی عمر کو پہنچ کر دنیا کو خیرباد کہا۔ اس حکیم کی سب سے بڑی تعلیم یہ تھی کہ تمام اشیاء کی علت ایک عقل ہے۔ جو

سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ عیسائیت کے غلو میں پفنونوس کو یہ حکیم بھی دوزخ میں نظر آتا ہے۔

8- یورپیڈیس۔ یونان کا مشہور شاعر تھا۔ ڈرامے میں الم انجام قصے خوب لکھتا تھا۔ اس کے والدین ایتھنز کے رہنے والے تھے۔ ایرانیوں نے جس وقت یونانیوں پر فوج کشی کی ہے تو یہ لوگ ایتھنز سے نکل کر سلامس کے مقام کو چلے گئے۔ یہاں 480 قبل مسیح میں جس دن یونانیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تو یورپیڈیس پیدا ہوا۔ جوانی میں ورزشوں کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس میں اس نے انعام بھی پایا۔ لیکن پھر اس شغل کو ترک کیا اور حکیم اناناغورس سے حکمت و فلسفہ کا سبق لینے لگا۔ یونان کے مشہور ادیب پرلوٹیکوس سے فن بلاغت سیکھا اور حکیم سقراط کے بڑے ملنے والوں میں ہو گیا۔ یورپیڈیس کے کلام میں اناناغورس کے خیالات جابجا پائے جاتے ہیں۔ ڈراما نویسی میں 441 قبل مسیح میں اس کو سب سے پہلا انعام ملا۔ 408 ق۔ م تک وہ شاعری کرتا رہا۔ اس کے بعد ایتھنز سے رخصت ہو کر بادشاہ مقدونیہ کے دربار میں پہنچا۔ یہاں زیادہ دن تک نہ جیا۔ اتفاق سے بادشاہ کے کتوں نے اس کو زخمی کیا اور اسی تکلیف سے 75 برس کے سن کو پہنچ کر مر گیا۔ اس کے ڈرامے میں یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ یونان کے پرانے سورماؤں اور بہادروں کے حالات لکھنے میں اس نے سابق کے شعراء کی طرح مبالغہ نہیں کیا بلکہ ان کا تذکرہ اس طرح کیا کہ گویا وہ اپنے ہی زمانے کے معمولی لوگ ہیں۔ ارسطو نے لکھا ہے کہ یورپیڈیس اپنے کلام میں آدمیوں کو اس طرح بیان نہیں کرتا جیسا کہ ان کو ہونا چاہیے۔ بلکہ ایسی شکل میں ان کا حال لکھتا ہے کہ جو شکل وہ فی الحقیقت رکھتے ہیں۔ اور اسی اصلیت پرستی کی وجہ سے حکیم سقراط نے اس کی شاعری کی تعریف کی تھی۔

9- میناندر۔ یہ بھی ایتھنز کا ایک مشہور شاعر تھا۔ 342 قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اور 291 ق۔ م میں اتفاق سے ڈوب کر مر گیا۔ یہ حکیم تھیوفراستوس کا شاگرد تھا۔ اور حکیم ابی قور کا بڑا دوست تھا۔ اس کا کلام کل ضائع ہو گیا۔

10- بیکس۔ اصلی نام دیونیوس ہے۔ بیکس یا باکوس لقب ہے جس کے معنی شور مچانے والے کے ہیں' یونان اور روما کے لوگوں میں وہ زیادہ تر بیکس کے نام سے مشہور تھا۔ یہ شراب کا دیوتا مانا جاتا تھا۔ نہایت حسین اور جوان تھا۔ لیکن اکثر خصلتیں عورتوں کی سی رکھتا تھا۔ اس کا باپ زیوس دیوتا تھا۔ ماں کا نام سیمیلی تھا جو شہر تھیبس کی ایک امیرزادی تھی۔

زیوس کی ایک پہلی بیوی بھی تھی جس کا نام ہیرا تھا۔ یہ ایک دن سیملی کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ کہ جب زیوس نے مجھ سے شادی کی تھی تو وہ اپنے پورے جاہ و جلال میں مجھ پر ظاہر ہوا تھا۔ تم بھی اس سے یہ ہی فرمائش کرو۔ سیملی نے ہیرا کے کہنے کے مطابق شوہر سے درخواست کی۔ زیوس نے بادل ناخواستہ اس کی درخواست منظور کی۔ فوراً" گرج اور بجلی کی شکل میں اس پر ظاہر ہوا۔ سیملی اس وقت حاملہ ہو چکی تھی۔ جب بجلی کے شعلوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تو اس کا حمل اسقاط ہو گیا اور کچا بچہ پیدا ہوا۔ زیوس نے اس بچے کی جان بچانی چاہی۔ اور اپنی ران چیر کر بچے کو اس میں رکھ لیا۔ جب وقت معین آیا تو بچہ پورا ہو کر زندہ سلامت زیوس کی ران سے پیدا ہوا۔ کوہ نیسا کی پریوں نے اس بچے کو پرورش کیا اور اس خدمت کے صلے میں زیوس نے ان پریوں کو آسمان پر پانچ ستاروں کا جھمکا بنا دیا۔ جب بیکس بڑا ہوا تو اس کی سوتیلی ماں ہیرا نے اس کی طبیعت میں دیوانگی پیدا کر دی۔ اور اسی حال میں وہ دنیا کے مختلف حصوں میں گشت کرتا رہا۔ پہلے مصر گیا' پھر شام میں پہنچا اور یہاں سے اس نے ایشیا کے تمام ملکوں کی سیاحی کی۔ جہاں جاتا وہاں کے لوگوں کو انگوروں کے باغ لگانے سکھاتا تھا۔ اس کے ساتھ تہذیب اور تمدن کے اور سبق بھی دیتا۔ ایشیا کے جس ملک میں اس نے برسوں سیاحت کی وہ ہندوستان بیان ہوا ہے۔ جب یورپ واپس آیا تو تھریس کے ملک سے اس کا گزر ہوا۔ یہاں کے بادشاہ نے اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا۔ اس لئے وہ یہاں سے اپنی ماں کے وطن تھیبس میں چلا آیا۔ اور یہاں آ کر اس نے تمام عورتوں کو حکم دیا کہ "فوراً" اپنے اپنے گھروں سے نکل کر کنھرون کے پہاڑ پر جمع ہوں اور وہاں میری پوجا کریں۔" جن لوگوں نے اس حکم کو بجا لانے میں مزاحمت کی تھی ان کو سخت سزائیں دیں۔ پھر تھیبس سے نکل کر آرگوس کے علاقہ میں آیا۔ یہاں شروع میں لوگوں نے اس کو دیوتا ماننے سے انکار کیا۔ لیکن جب بیکس نے ان کی عورتوں میں وحشت اور دیوانگی پیدا کرنی شروع کی تو سب اس کو دیوتا مان کر پوجنے لگے۔ اخیر سفر بیکس کا شہر اکاریا سے جزیرہ نکسوس کا بیان ہوا ہے۔ اکاریا سے وہ ایک جہاز پر سوار ہوا کہ نکسوس کے جزیرہ کو جائے۔ یہ جہاز اتفاق سے بحری قزاقوں کا تھا۔ جب بیکس جہاز میں بیٹھ لیا تو ملاحوں نے جو قزاق تھے بجائے نکسوس جانے کے ساحل ایشیا کا رخ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر بیکس کو غلام بنا کر کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ بیکس کو ملاحوں کا یہ قصد معلوم ہو گیا۔ اس نے جہاز کے بادبانوں اور پتواروں کو سانپ بنا دیا اور خود شیر بن گیا۔ جہاز کے گرد درخت اور بیلیں اگ آئیں اور

وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ چاروں طرف سے بانسریوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں ملاح ان آوازوں کو سنتے ہی دیوانے ہو گئے۔ اور سب کے سب سمندر میں کود پڑے۔ اور پانی میں پہنچتے ہی مچھلیاں بن گئے۔ خلاصہ یہ کہ جب بیکس نے اپنا دیوتا ہونا سب سے منوا لیا تو دنیا چھوڑ کر تخت اشرفی میں آیا اور وہاں سے اپنی ماں کو ساتھ لے کر اولمپس میں جو تمام دیوتاؤں کا مسکن ہے آباد ہوا۔

شروع زمانے میں اس دیوتا کی پرستش یونان کے لوگوں میں لازمی نہ تھی۔ لیکن جب سے انگور کی کاشت کو وہاں ترقی ہوئی بیکس کے تہواروں کی رونق بڑھ گئی۔ سکندر مقدونی کے زمانے میں ان جلسوں میں بیہودگی اور بدمستی حد سے زیادہ ہو گئی۔ پہلے تہواروں میں بیکس کے ساتھ حسن اور آراستگی کی دیویاں دکھائی جاتی تھیں۔ پھر ایسی عورتیں ساتھ رہنے لگیں جو شراب کے نشہ میں چور سر کے بال کھولے مستانہ روش رکھتی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں چھڑیاں ہوتی تھیں جن کے سروں پر انگور کے خوشے لگے ہوتے تھے۔ غرض بیکس کے یہ ہی دلچسپ حالات ان تماشوں یا مے نوشی کے جلسوں میں جو اس کے نام سے کئے جاتے تھے دکھائے جاتے تھے۔

11- "اب تماشا شروع ہوا۔" جو تماشا یہاں بیان کیا گیا ہے اس کے سمجھنے کے لئے اس قدیم اور مشہور لڑائی کے حالات جس کو جنگ تروجہ کہتے تھے معلوم کرنے چاہئیں۔

ایشیا کے ساحل پر بحرا یجین اور آبنائے دردانیال سے ملحق ایک بڑا علاقہ تھا۔ جس کا پرانا نام تروس تھا اور اس کے دارالحکومت کو ترائے یا تروجہ کہتے تھے۔ اس کے بادشاہ کا نام پریام اور اس کی ملکہ کا نام ھکوبہ تھا۔ جب ملکہ کو حمل رہا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے بطن سے ایک جلتا ہوا لکڑی کا کندہ پیدا ہوا ہے جس کے شعلوں نے تمام شہر میں آگ لگا دی ہے۔ اس خواب کو سن کر بادشاہ ڈر گیا۔ اور جب لڑکا پیدا ہوا تو اس کو ایدا کے پہاڑ پر جو تروس کے علاقہ کا ایک پہاڑ تھا ڈلوا دیا۔ وہاں ایک چرواہے نے اس بچہ کو اٹھا کر پرورش کیا اور اس کا نام پاریس رکھا۔ یہ لڑکا جوان ہو کر گلوں کی رکھوالی اور چرواہوں کی حمایت میں بڑا جری اور بہادر ثابت ہوا۔ رفتہ رفتہ اس کو معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ پریام کا بیٹا ہے۔ بادشاہ سے اس کی ملاقات ہوئی اور اس نے پاریس کو اپنا فرزند تسلیم کیا۔ اس موقعہ پر پرانے قصہ نویس لکھتے ہیں کہ ملک تھسلی میں علاقہ فتھیا کے بادشاہ پی لیوس نے سمندر کے دیوتا کی بیٹی تھیتس سے شادی کی۔ اس تقریب میں زمین و آسمان کی جس قدر دیویاں اور دیوتا تھے سب

مدعو کیے گئے لیکن ایریس کو جو فتنہ و فساد کی ملکہ تھی بلاوا نہیں دیا گیا۔ اس پر ایریس کو غصہ آیا اور جب شادی کے موقع پر سب دیویاں اور دیوتا ایک جگہ بیٹھے تو اس نے سونے کا ایک سیب ان میں پھینک دیا۔ اس سیب پر لکھا ہوا تھا کہ "جو دیوی سب سے زیادہ خوبصورت ہو گی اس کو یہ پھل دیا جائے گا۔" جب سیب پر یہ عبارت سب نے پڑھی تو تین بڑی حسین دیویوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ ہر ایک کو دعویٰ ہوا کہ سیب اس کو ملنا چاہئے۔ اس وقت آکاش کا مہا دیوتا زیوس بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے ہرمیس دیوتا کو بلا کر حکم دیا کہ ان تینوں دیویوں کو ایدا کے پہاڑ پر جو تروجہ کے ملک میں ہے لے جاؤ۔ وہاں ایک چرواہا پارس رہتا ہے۔ اس سے یہ کل قصہ بیان کرو۔ اور جس دیوی کو مستحق سمجھے اس کو وہ یہ سیب دے دے۔ غرض ہرمیس تینوں دیویوں کو پارس کے سامنے لے گیا۔ ان میں سے ہیرا دیوی نے پارس سے کہا کہ اگر یہ سیب مجھ کو دیا تو میں تجھے تمام ایشیا کا بادشاہ کر دوں گی۔ اینھینا دیوی نے کہا میں تجھے ایسا سورما بنا دوں گی کہ لڑائی میں تیرے برابر کوئی نہ نکلے۔ افرودیتی بولی کہ اگر یہ پھل مجھ کو دیا تو میں تجھے ایسی عورت دوں گی جو دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو گی۔ پارس نے افرودیتی کے حق میں فیصلہ کر کے سیب اس کو دے دیا۔ اس پر ہیرا اور اینھینا جل گئیں۔ اور ان کو تروجہ کی سلطنت سے جس کا مالک پارس کا باپ پریام تھا خاص عداوت ہو گئی۔

اب ایسا ہوا کہ پارس نے سیر و سفر کا قصد کیا۔ افرودیتی پارس کی حفاظت و نگہبانی پر مستعد ہوئی اور پارس جہاز پر سوار ہو کر یونان کے جزیرہ آرگوس کو روانہ ہوا۔ وہاں کے بادشاہ مینی لاس نے اس کو اپنے محل میں مہمان کیا اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ لیکن پارس نے یہ حرکت کی کہ بادشاہ مینی لاس کی ملکہ ہیلن کو جو نہایت حسین تھی بھگا کر اپنے ملک میں لے آیا۔

ہیلن کے حالات سابقہ یعنی مینی لاس سے شادی ہونے سے پہلے کے یہ ہیں کہ وہ زیوس دیوتا کی بیٹی اسپارٹا کی ملکہ لیدا کے بطن سے تھی۔ اس کے دو بھائی کیسٹر اور پولکس تھے۔ ہیلن کی خوبصورتی اس قدر مشہور ہوئی کہ ایتھیکا کا شہزادہ تھیسوس اس کو کسی طرح اپنے وطن میں لے آیا۔ ہیلن کے بھائیوں کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ اور جب ان کو معلوم ہوا کہ تھیسوس تحت الثریٰ کی سیر کو گیا ہوا ہے تو یہ دونوں بھائی ایتھیکا پہنچے اور اس کے پایہ تخت ایتھنز کو برباد کر کے اپنی بہن کو اپنے گھر لے آئے۔

جب ہیلن اپنے وطن میں پہنچ گئی تو یونان کے بڑے بڑے سرداروں اور رئیسوں نے اس سے شادی کرنے کا پیغام بھیجا۔ ہیلن نے اسپارٹا کے بادشاہ مینی لاس کو پسند کیا۔ اور اسی سے شادی کر لی۔ اس حال میں یہ دونوں خوش و خرم رہتے تھے کہ شہزادہ پارلیس تروجہ سے آکر ان کے گھر مہمان ہوا اور ہیلن کے بھگا کر اپنے ملک میں لے آیا۔

اس واقعہ نے یونان کے تمام بادشاہوں اور رئیسوں کو سخت برہم کیا اور انہوں نے ایک بڑی مہم تیار کر کے تروجہ پر حملہ کر دیا۔ تروجہ کی طرف سے خاص خاص لڑنے والوں میں بادشاہ پریام کے بیٹے ہیکٹر اور پارلیس تھے۔ اور یونان کی طرف سے اکیلیز، اکاس، نستور، اگاممنن، یولی سیز وغیرہ وغیرہ تھے۔ دس برس تک یونانیوں نے شہر تروجہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار اکیلیز لڑائی میں کامیاب ہوا۔ شہر فتح کر کے اس کو منہدم کر دیا۔ بادشاہ پریام کے بیٹے اور خاندان کے بہت سے لوگ اس جنگ میں مارے گئے اور جو بچے ان پر یونانیوں نے سخت ظلم کئے۔

یہاں جس تماشے کا ذکر ہوا ہے وہ اسی لڑائی کے بعد کا ایک ظالمانہ واقعہ ہے۔ جس میں بادشاہ پریام کی کنواری بیٹی کو اکیلیز کی روح کی تسکین کے لئے بے دردی سے ہلاک کیا گیا ہے۔

12- اکیلیز۔ یونان سے متصل تسلی کے ملک میں علاقہ فتھیا کا بادشاہ تھا۔ تروجہ کی لڑائی میں یونان کی طرف شریک ہوا۔ بڑا دلاور اور خوش رو جوان تھا۔ گو اگاممنن اس جنگ میں یونانیوں کا سپہ سالار تھا۔ لیکن ہمت، شجاعت اور درجہ میں اکیلیز اس سے کم نہ تھا۔ لڑائی میں اکیلیز پریام کے بیٹے بیکنر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ لڑائی کے زمانہ میں ہی یونان کے سرداروں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ فتح کی صورت میں بادشاہ پریام کی کنواری لڑکی پولی زینہ اکیلیز کو انعام کے طور پر دی جائے گی۔ لیکن چونکہ لڑائی کا نتیجہ معلوم ہونے سے پہلے ہی اکیلیز قتل ہو گیا۔ اور آخر کار یونانیوں نے لڑائی فتح کر لی۔ تو یونان کے سرداروں نے اپنے فیصلہ کی تعمیل اس طرح کی کہ پولی زینہ کو اکیلیز کی قبر پر لا کر اس کو ذبح کر ڈالا۔ گویا اس معصومہ کی روح کو اکیلیز کی روح کے پاس جو پولی زینہ کے لئے بیقرار تھی پہنچا دیا۔ اور اکیلیز کی روح کو تسکین ہو گئی ہے۔

13- اکاس۔ یونان کے علاقہ ایتیکا کے بادشاہ تھیسوس کا بیٹا ملکہ فیدرا کے بطن سے تھا۔ ملکہ فیدرا مینوس کی بیٹی تھی۔ اور مینوس زیوس کا فرزند دیوی یوربیا سے تھا۔ اکاس جنگ

تروجہ میں یونانیوں کی طرف سے لڑا تھا۔

14- نسطور- یونان میں جزیرہ نمائے پیلوپونیس کا بادشاہ تھا۔ بڑا بہادر تھا عمر کے آخری زمانے میں یونان کے سرداروں کے ساتھ جنگ تروجہ میں شریک ہوا۔ اس نے بڑی عمر پائی۔ رعایا کی تین پشتوں پر سلطنت کی تھی۔ دانشمندی اور دلوگستری میں مشہور تھا۔ فنون جنگ کا بہت ماہر مانا جاتا تھا۔

15- اگامemنن- جزیرہ نمائے پیلوپونیس کے علاقہ آرگوس میں شہر میکینی کا بادشاہ تھا۔ مینی لاس بادشاہ اسپارٹا جس کی بیوی ہیلن کو تروجہ کا شہزادہ پارس لے بھاگا تھا۔ اگاممنن کا بھائی تھا۔ جنگ تروجہ میں اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔ یونان کی فوجوں کا سپہ سالار اور یونانی سرداروں کا افسر ہو کر نہایت بہادری اور شجاعت سے لڑا۔ جب یونانیوں نے تروجہ فتح کیا تو مفتوح بادشاہ پریام کی دوسری بیٹی کسندرہ اس کے عقد میں آئی۔

16- تروجہ- دیکھو جنگ تروجہ کا حال جو اوپر بیان ہوا۔

17- ہکوبہ- تروجہ کے بادشاہ پریام کی ملکہ تھی۔ کثیرالاولاد تھی۔ جنگ تروجہ کے زمانہ میں اور اس کے بعد اس کی بہت سی اولاد قتل ہو گئی۔ بڑی مصیبت زدہ ملکہ تھی۔

18- پولی زینہ- بادشاہ تروجہ پریام کی ایک کنواری لڑکی تھی۔ ملکہ ہکوبہ اس کی ماں تھی۔ پولی زینہ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اکیلیز کے قتل اور آخرکار تروجہ پر یونانیوں کے فتح کے بعد اکیلیز کی روح کی تسکین کے لئے ہلاک کر دی گئی (دیکھو جنگ تروجہ)

19- لائس- یہ یونان کی ایک مشہور حسین طوائف کورنتھ کی رہنے والی تھی۔

20- قلوپطرہ (قلبطرہ) مصر کے بطلیموسی بادشاہوں میں گیارہویں بادشاہ بطلموس لوییس کی سب سے بڑی بیٹی خوبصورتی اور ذہانت میں مشہور تھی۔ 51 ق- م میں جب بادشاہ کا انتقال ہوا تو 17 برس کی عمر میں اس شرط کے ساتھ تخت مصر پر بٹھائی گئی کہ سلطنت میں اس کا چھوٹا بھائی بھی شریک رہے گا اور اس بھائی کے ساتھ اس کو اپنا عقد کرنا پڑے گا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے جو ان دونوں کے اتالیق و نگراں مقرر ہوئے تھے قلوپطرہ کو تخت سے اتار دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ روما کی سلطنت کو بڑا اقتدار حاصل ہوتا جاتا تھا۔ قلوپطرہ نے روما کے مشہور سپہ سالار سیزر سے آشنائی کر کے تخت مصر پھر حاصل کر لیا۔ سیزر سے اس کے اولاد بھی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد قلوپطرہ سیزر کے ساتھ روما میں چلی آئی۔ 44 ق- م میں جب سیزر کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ تو قلوپطرہ مصر واپس آئی۔ 41 ق- م میں روما کے ایک

دوسرے سپہ سالار انطونی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت قلوپطرہ کی عمر 28 برس کی تھی۔ حسین صورت اپنے کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ ذہانت اور قابلیت نے انطونی کو اس کا بالکل گرویدہ کر لیا۔ اور جب تک وہ زندہ رہا قلوپطرہ کا عاشق زار اور غلام بنا رہا۔ 31 ق-م میں ملک شام کے مقام ایکتوم پر روما کے جرنیل اوکتے ویان اور انطونی میں جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں قلوپطرہ بھی انطونی کے ساتھ گئی تھی۔ لیکن لڑائی ختم ہونے سے پہلے اپنا جہازی بیڑا اسکندریہ کو واپس لے آئی۔ اس حرکت سے انطونی کو ایکتوم کے میدان میں اور بھی جلد شکست ہو گئی۔ اور وہ شام سے اسکندریہ میں قلوپطرہ کے پاس چلا آیا۔ اب قلوپطرہ نے یہ دیکھ کر کہ انطونی کا ستارہ اقبال گردش میں آ چکا ہے' روما کے سپہ سالار اکتوس سے خط وکتابت کر کے وعدہ کر لیا کہ وہ انطونی کو ہلاک کرا دے گی۔ اسی قصد سے قلوپطرہ اسکندریہ سے نکل کر ایک عالی شان مقبرہ کی عمارت میں چلی گئی۔ جو اس نے اپنے لئے اپنی زندگی میں ہی تیار کرایا تھا اور وہاں پہنچ کر مشہور کرا دیا کہ قلوپطرہ مر گئی۔ انطونی نے یہ خبر سن کر زندگی سے ہاتھ دھوئے مقبرے کے قریب پہنچ کر اپنے سینہ میں خنجر بھونک لیا۔ قلوپطرہ کو جب معلوم ہوا تو مقبرے کی بلند دیوار سے رسیاں ڈال کر زخمی عاشق کو اوپر کھینچ لیا۔ اور اس وقت اس عاشق صادق کی جان نکلی ہے تو قلوپطرہ کے سینہ پر اس کا سر تھا۔ اس واقعہ کے بعد قلوپطرہ نے چاہا کہ کسی طرح اکتوس کو اپنے دام میں پھنسائے مگر وہ ایسی ٹھنڈی طبیعت کا نکلا کہ ملکہ کا حسن و جمال اس پر کچھ کارگر نہ ہوا۔ قلوپطرہ کو اب یقین ہو گیا کہ اکتوس اس کو قید کر کے مصر سے روما لے جائے گا۔ اس ذلت و خواری سے بچنے کے لئے قلوپطرہ نے ایک زہریلے سانپ سے اپنے تئیں کٹوا کر خودکشی کی (30 ق-م) موت کے وقت اس کی عمر 38 برس کی تھی۔ اس کے مرنے پر مصر میں بطلیموسی خاندان شاہی کا خاتمہ ہو گیا۔ قلوپطرہ کے حسن و جمال پھر خداداد ذہانت اس کے ساتھ بڑے بڑے لوگوں سے اس کی آشنائیاں اور بیوفائیاں ایسے واقعات تھے جو قصہ نویسوں کے قلم کے لئے دلچسپ مضامین بن گئے۔

21- آئی سیس- یہ ملک مصر کے دیوتاؤں اور دیویوں میں سب سے بڑے درجے کی دیوی مانی جاتی تھی۔ شروع میں اس کو زمین کی دیوی مانا گیا۔ پھر چاند کی دیوی سمجھنے لگے۔ یونانیوں نے اس کو اپنے ملک کی دیوی ڈیمیٹر سے مطابق سمجھ کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ روما میں اس کی پرستش جمہوری حکومت کے آخری زمانہ میں شروع ہوئی۔ جب شہنشاہی قائم ہو گئی

تو یہ پرستش ہر طبقہ میں عام ہو گئی۔ روما کے شہر میں اس دیوی کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس مندر کے پروہت ہمیشہ سوتی لباس پہنتے تھے۔

22- ہرمیس۔ یہ باشندگان روما کا دیوتا تھا جسے یونانی مرکیوریوس کہتے تھے۔ یہ زیوس دیوتا کا بیٹا اٹیلس کی بیٹی مایا کے بطن سے آرکیڈیا کے علاقہ میں کوہ کلینی کے ایک غار میں پیدا ہوا تھا۔ اور پیدا ہوتے ہی وہ خصوصیات اس سے ظاہر ہونے لگیں جو فطری طور پر اس میں ودیعت کی گئی تھیں۔ ہنڈولنے میں بچہ سا پڑا تھا کہ اس سے نکل کر پیرا کے شہر میں آیا اور یہاں سے اپولو کے بیل چرا کر پیلوس کی طرف ہانک لے گیا۔ پھر خود کوہ کلینی کو واپس آیا۔ یہاں پہنچا تو غار کے منہ پر ایک کچھوے کو بیٹھا دیکھا۔ جھٹ اسے پکڑ کر اس کی ڈھال نکال لی۔ اور ڈھال میں تار لگا کر بربط کی طرح اسے بجانے لگا۔ اپولو نے اپنی قوت سے بیلوں کا چور معلوم کر کے ہرمیس پر سرقہ کا الزام لگایا۔ لیکن ہرمیس کی ماں مایا نے کہا کہ بچہ تو ہنڈولے میں پڑا تھا۔ وہ بیل چرانے کہاں جاتا۔ اپولو نے نہ مانا اور ہرمیس کو زیوس کے سامنے لے گیا۔ زیوس نے پہلے تو ہرمیس کو حکم دیا کہ بیل واپس کرے لیکن جب اس کا بربط سنا تو ایسا خوش ہوا کہ اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اور ہرمیس کو دیوتاؤں کے دربار میں قاصد اور ایلچی کی خدمت عطا کی۔ دیوتاؤں نے ہرمیس سے جو جو خدمتیں لیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ ترواجہ کے بادشاہ پریام کو یونان کے سردار اکیلیز کے پاس لے گیا تاکہ اس کی اجازت سے اپنے مقتول بیٹے ہیکٹر کی لاش ترواجہ میں لائے جس وقت زیوس نے اکزیون کو اس کی احسان فراموشی کی سزا دی ہے تو ہرمیس نے بھی اکزیون کو اس چکر سے باندھا تھا جو ہر وقت گردش میں رہتا تھا۔ ہیرا، اینھینا، افرودیتی ان تینوں دیویوں کو ہرمیس ہی زیوس کے حکم سے کوہ ایدا پر شہزادہ پارلس کے پاس اس فیصلے کے لئے لایا تھا کہ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت کون ہے۔ ہرمیس نے ہی ہرکیولز کو غلام بنا کر دیوی لومفیلی کے ہاتھ بیچا تھا۔ اور جب زیوس دیوتا بادشاہ ارگوس کی بیٹی ای یو پر عاشق ہو گیا اور اپنی بیوی جونو کے خوف سے اپنی معشوقہ کو گائے بنا کر اپنے پاس رکھنے لگا لیکن جونو نے خبر پا کر سو آنکھوں والے دیو لوگس کا پہرا اس گائے پر بٹھا دیا کہ وہ زیوس کے پاس نہ جانے پائے تو ہرمیس ہی نے اس دیو کو مار کر ای یو کو زیوس کے پاس پہنچایا تھا۔ بعض دیوتاؤں نے مردوں کی روحوں کو عالم بالا سے عالم اسفل کی طرف لے جانے کی خدمت بھی ہرمیس سے لی تھی۔ چونکہ قاصد یا سفیر کو عام مجمعوں میں اکثر تقریریں کرنی پڑتی تھیں اور ہرمیس کو دیوتاؤں کے دربار میں قاصد یا

سفیر کی خدمت حاصل تھی اس لئے وہ فصاحت و بلاغت کا خدا مانا جاتا تھا۔ احتیاط' ہوشیاری' چالاکی چاہے زبانی ہو یا عملی بلکہ دغا و فریب' جھوٹے حلف اور چوری کا دیوتا بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے۔ چونکہ بہت عاقل و زیرک تھا اس لئے حروف تہجی' اعداد' علم ہیئت' موسیقی' بربط نوازی' فن حرب' جسمانی ورزشیں' زمینوں کی کاشت' پیمانے اور اوزان کا وہ موجد سمجھا گیا ہے۔ پیغام لانے اور لے جانے میں چونکہ وہ اکثر سفر میں رہتا تھا اس لئے راستوں اور مسافروں کا بھی وہ ہی محافظ تھا۔ گھروں کے سامنے اور سڑکوں کے کنارے جو بت اکثر نصب کئے جاتے تھے وہ ہرمیس ہی کے ہوتے تھے۔ وہ تجارت اور منافع کا بھی خدا تھا۔ اور قمار بازی کے جلسوں میں اسی کو صدر نشین سمجھا جاتا تھا۔ طرح طرح کی قربانیاں بھی اس نے جاری کی تھیں اس لئے قربانی کے جانوروں کی نگہداشت اسی کے ذمہ تھی۔ گڈریے اور چرواہے خاص طور پر اس کی پرستش کرتے تھے۔ یونانیوں کے جس قدر ورزش خانے تھے ان سب کی حفاظت بھی اسی کے ذمہ تھی۔ اسی وجہ سے جس قدر بت اس کے بنائے جاتے تھے ان کی شکل ایک ایسے نوجوان کی سی ہوتی تھی جس کا بدن ورزشوں سے خوب بنا ہوا ہو۔ سب سے پہلے اس کی پوجا اس کے وطن ارکیڈیا میں شروع ہوئی پھر ایتھنز میں بھی اس کا رواج ہو گیا۔ اور آخر تمام یونان میں پھیل گئی۔ تاڑ کا درخت' کچھوا اور اکثر قسم کی مچھلیاں اس کی وجہ سے متبرک مانی جاتی تھیں۔ اس کے بت پر جو نذریں چڑھائی جاتی تھیں وہ لوبان' شہد' روئی' سور' بھیڑ اور بکری کے بچے ہوتے تھے۔ لباس اور وضع کے متعلق یہ چیزیں مخصوص تھیں (1) اس کے سر کی پوشش ایک سنری ٹوپی ہوتی تھی جس کے کنارے باہر کو نکلے ہوتے تھے اور ان میں دو چھوٹے چھوٹے پر لگے ہوتے تھے (2) ایک چھوٹا سا عصاء قاصد رکھا کرتے تھے اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا جو اپولو دیوتا نے اس کو دیا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں جو بت اس کے بنائے گئے ان میں اس عصا میں دو سفید فیتے لگے ہوتے تھے۔ لیکن اس کے بعد کے زمانہ میں ان فیتوں کی جگہ دو سانپ بنائے جانے لگے۔ (3) چپلیں جن کو پہن کر یہ دیوتا زمین اور سمندر کی سطح پر تیز ہوا کی مثل چلتا تھا۔ ان میں ٹخنے کے قریب دونوں جانب ایک ایک چھوٹا سا پر لگا ہوتا تھا۔

23- جونو- یہ رومانیوں کی دیوی تھی- یونانیوں میں اس کا نام ہیرا تھا۔ جس طرح مردوں کا نگہبان جوپیٹر دیوتا تھا۔ اسی طرح پیدائش سے لے کر موت تک عورتوں کی محافظ اور نگہبان جونو مانی جاتی تھی۔ ہر عورت اپنی سالگرہ پر اس کے مندر میں جا کر نذر چڑھاتی تھی۔ شادی

کے وقت بھی سمجھا جاتا تھا کہ جونو دیوی موجود ہے۔ جون کا مہینہ جو اسی دیوی کے نام پر ہے
شادی بیاہ کے لئے بہت مبارک سمجھا جاتا تھا۔ وضع حمل کے وقت عورتیں جونو سے دعا
مانگتی تھیں کہ کسی طرح یہ وقت آسان ہو۔ نوزائیدہ بچوں کی حفاظت اور دولت کی رکھوالی
بھی اسی دیوی کے سپرد تھی۔ روما میں اس دیوی کے بڑے بڑے مندر تھے۔ اور ان کے
مجاور بہت بااثر مانے جاتے تھے۔

24- روڈوپس۔ یونان کی ایک مشہور طوائف کا نام ہے جو دراصل تھراکیا کی رہنے والی تھی
شروع میں جزیرہ ساموس میں ایک رئیس ایدامیون کی لونڈی رہی جس کا شاعر ایسپ بھی
اسی زمانے میں غلام تھا۔ اس کے بعد اسی جزیرہ کے ایک دوسرے رئیس کے ہاتھ وہ
فروخت ہو گئی۔ اور وہ اس کو اپنے ساتھ بادشاہ مصر اٰماسیس کے زمانے میں مصر کے شہر
نوکراتیس میں لے آیا جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ یہاں پہنچ کر روڈوپس کسب کرنے لگی
تاکہ اس کی آمدنی اپنے مالک زیتھوس کو دیا کرے۔ یہ ہی زمانہ تھا کہ مشہور شاعر سافو کا بھائی
کارازوس تجارت کرتا ہوا اس شہر میں آنکلا اور روڈوپس پر عاشق ہو گیا۔ بہت سا روپیہ دے
کر اس کو غلامی سے آزاد کرایا۔ سافو نے اسی بنا پر اپنی ایک نظم میں روڈوپس کی ہجو لکھی۔
روڈوپس نے نوکراتیس میں بدستور سکونت رکھی اور اپنی آمدنی کے دسویں حصے سے ڈلفائے
کے مندر میں دس آہنی سیخیں کباب لگانے کی نذر چڑھائیں۔ ان سیخوں کو مورخ ہیرودوتس
نے بچشم خود دیکھا تھا۔ ہیرودوتس نے اس طوائف کا نام روڈوپس لکھا ہے اور سافو نے دوریکا۔
غالباً دوریکا اس کا اصلی نام تھا اور روڈوپس کا نام اس کے حسن کی وجہ سے پڑ گیا تھا جس کے
معنی گلعذار کے ہیں۔

25- اپی قورس (اپی کورس) یونان کا مشہور فلسفی تھا 342 ق۔م میں جزیرہ ساموس میں پیدا ہوا
اور 36 برس کے سن میں مستقل طور پر شہر ایتھنز میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے
ایک باغ مول لے کر اس میں حکمت کی تعلیم کا ایک مدرسہ کھولا۔ یہ باغ اس فلسفی کے نام
پر اپی کوریان کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہو گیا۔ 72 برس کی عمر پائی۔ عمر کا آخری حصہ
ایک نہایت تکلیف دہ مرض میں گزرا۔ لیکن ان تمام تکلیفوں کو نہایت حکیمانہ صبرواستقلال
سے برداشت کیا۔ یہ فلسفی اس مذہب حکمیہ کا سب سے نامور پیشوا گزرا ہے جس میں
مسرت کو اعلیٰ ترین خیرونیکی سمجھا گیا تھا۔ لیکن جس مسرت اور خوشی کا حاصل کرنا وہ اپنے
شاگردوں کو سکھاتا تھا وہ نفس کی مسرت نہ تھی بلکہ اس سے مراد وہ سکون قلب تھا جو تمام

نیکیوں پر عمل کرنے سے انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اس حکیم کے مذہب کے مطابق نیکی پر عمل کرنا اس بنا پر لازمی ہے کہ اس سے مسرت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن حکمت رواقی کے پیرو کہتے تھے کہ نیکی پر عمل کرنا محض نیکی بنا پر لازمی ہے۔ بلحاظ اس کے کہ اس سے مسرت کا پیدا ہونا ضروری ہو۔ طبیعات کے اعتبار سے اس حکیم کے فلسفے میں جزو لاتیجزی کا اصول تسلیم کیا گیا تھا۔ ابی قور کے شاگرد بکثرت تھے۔ اور ان کو اپنے استاد سے انتہائی شغف تھا۔ اس حکیم کے فلسفے پر اعتراضات نہایت سختی سے کیئے گئے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ جب اس کا زمانہ گزر لیا تو جو لوگ اپنے کو اس کا معتقد کہتے تھے وہ نفس کی لذتوں میں مصروف ہو گئے۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ اس کی ہدایتوں کو لوگ اچھی طرح سمجھے نہ تھے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ نیکی کو آئندہ مسرت پر منحصر کر دینے یعنی یہ کہ جس چیز کا نتیجہ مسرت ہو وہ ہی نیکی ہے اس کا مذہب ایک غلط اصول پر قائم ہو گیا۔

26- ڈموس تھینس۔ یونان کا سب سے بڑا خطیب' ولادت مسیح سے تقریباً" 385 برس پہلے یونان کے علاقہ اٹیکا میں پیدا ہوا۔ سات برس کے سن میں یتیم ہو گیا۔ باپ مالدار تھا اپنے بچوں کی ذات و جائیداد کی نگہداشت کے لئے جن میں ایک لڑکا اور اس کی نابالغ بہن تھی چند لوگوں کو ولی مقرر کر گیا۔ ان میں ایک شخص افوبس تھا۔ ان لوگوں نے ان یتیم بچوں کی طرف سے غفلت کی اور ان کے باپ کا متروکہ بھی خورد برد کر دیا۔ ڈموس تھینس نے جوان ہو کر 20 برس کی عمر میں افوبس پر اپنے مال کا دعویٰ کیا۔ اور عدالت کے سامنے اپنے دعوی میں خود ایک بڑی پر زور بحث کر کے مقدمہ جیت لیا۔ اس کامیابی سے ہمت بڑھی اور تقریر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن ساتروس تماشاگر نے جو اسے تقریر کرنی سکھاتا تھا نصیحت کی کہ جو ارادہ کر لیا ہے اس میں ثابت قدم رہنا چاہئے' فن تقریر کے سیکھنے میں بعض قدرتی موانع بھی ایسے تھے کہ سخت مشکلات کا سامنا ہوا۔ آواز کمزور تھی اور ہکلاتا بھی تھا۔ مگر ہمت پست نہ ہونے دی۔ نہایت محنت شاقہ سے آواز کے ان تمام نقائص کو رفع کیا۔ بیان ہوا ہے کہ جس وقت وہ تقریر کرتا تھا تو لکنت کم کرنے کے لئے منہ میں دو چار کنکریاں رکھ لیتا تھا۔ پہاڑ پر دوڑ کر چڑھتا تھا اور اشعار پڑھتا جاتا تھا تاکہ آواز میں قوت پیدا ہو۔ سمندر کے کنارے چلا جاتا اور وہاں موجوں کے شور میں تقریر کرتا۔ تاکہ عموم کی مجالس میں خطبوں کی تقریر کے وقت جو شور و غل ہوا کرتا تھا طبیعت اس کی خوگر ہو جائے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مہینوں تک زمین کے نیچے ایک غار میں بیٹھ کر مشہور مورخ تھوسی ڈائیڈیز کی

تاریخ کے مضامین کو اپنی عبارت میں لکھا کرتا تھا تاکہ اپنا کوئی خاص طرز تحریر پیدا کر لے۔ 30 برس کی عمر کو جب پہنچا تو تقریر کے فن میں اس کی شہرت عام ہو چلی۔ خوش بیانی سے بہت جلد جمہور ایتھنز کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ لیکن عوام کے دل پر جو کچھ اثر پیدا کیا اس سے کوئی ذاتی اقتدار نہیں بڑھانا چاہا بلکہ ملک اور قوم کو فائدہ پہنچانا اپنا مقصود رکھا۔ اس کا اسے کامل یقین ہو گیا تھا کہ مقدونیہ کا بادشاہ فیلقوس تمام یونان کو فتح کرنے کا مصمم قصد رکھتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ پس جس قدر قوت اور قابلیت رکھتا تھا وہ سب اس نے اس بادشاہ کے منصوبوں کو توڑنے میں صرف کی۔ چودہ برس تک ایتھنز کی سیاسی مجلس میں بادشاہ مقدونیہ فیلقوس کے خلاف تقریر کرتا رہا۔ طرح طرح کی دھمکیاں بھی سنیں۔ رشوتوں کے وعدے بھی کئے گئے مگر اپنے مقصد سے نہ پھیرا۔ یہ سچ ہے کہ آخر میں اس کو ناکامی ہوئی لیکن اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ یونان کی جس قدر ریاستیں متحد ہو کر فیلقوس کے مقابلہ میں جدوجہد کر رہی تھیں ان سب کا خاتمہ جنگ کرونیا میں ہو گیا (338 ق-م) ڈموس تھینس اس لڑائی میں بذات خود موجود تھا۔ جہاں اور ہزاروں یونانی میدان جنگ سے بھاگے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ جب ایتھنز میں پہنچا تو مجلس جمہوریہ ایتھنز کے سامنے ارکان مجلس نے اس پر بہت سے الزام لگائے۔ تیسی فون اس کا بڑا دوست تھا۔ اس نے ایک موقع پر یہ تحریک کی تھی کہ ڈموس تھینس کو اس کی ملکی خدمات کے صلے میں سونے کا ایک تاج تماشاگاہ میں جمع ہو کر جمہور کی طرف سے پیش ہونا چاہئے۔ اس کی نیس نے جو ڈموس تھینس کا بڑا مخالف تھا اس تحریک کو ایک جرم قرار دے کر تیسی فون پر ایک مقدمہ چلا دیا۔ یہ حملہ دراصل ڈموس تھینس پر تھا۔ مقدمہ تین برس تک بار بار ملتوی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ڈموس تھینس نے اپنے دوست کی صفائی پر وہ پرزور تقریر کی جو اب تک دنیا میں مشہور ہے۔ اس کی نیس کو قطعی شکست ہوئی اور وہ ایتھنز سے نکل گیا۔ 325 ق-م میں ایک دوسرا معاملہ پیش ہوا۔ ڈموس تھینس اس الزام میں ماخوذ ہوا کہ ہارپاس سے کچھ روپیہ وصول کر کے کھا گیا ہے۔ یہ الزام ایسا تھا جس کی صحت میں لوگوں کو اب تک شبہ ہے۔ لیکن عدالت میں یہ جرم ثابت ہو گیا اور وہ قید خانہ بھیج دیا گیا لیکن کسی طرح قید خانہ سے بھاگ کر وہ تری زون کے شہر میں چلا آیا۔ کبھی اس شہر میں اور کبھی جزیرہ اگینا میں جا رہتا تھا اور یہاں سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بڑی حسرت سے اپنے وطن کی طرف دیکھا کرتا تھا۔ یہ جلاوطنی اس کی زیادہ مدت تک نہ رہی۔ کیونکہ مقدونیہ کے بادشاہ

فیلقوس کا بیٹا سکندر اعظم جب مر گیا تو یونان کی تمام ریاستوں نے بالاتفاق اس کی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتارنا چاہا۔ اب ایتھنز والوں نے ڈموس تھینس کو اپنے پاس بلا لیا۔ لیکن اس کے دوسرے ہی برس یونان کی متحدہ ریاستوں کا مقابلہ انتی پاتر کی فوجوں سے ہوا۔ انتی پاتر اس وقت مقدونیہ میں اسکندر اعظم کا جانشین تھا اس موقعہ پر بھی یونانیوں کو قطعی شکست ہوئی۔ اور ڈموس تھینس نے لکوریہ کے جزیرہ میں آ کر پوسیدون کے بت خانہ میں پناہ لی۔ لیکن انتی پاتر کے جاسوس لگے ہوئے تھے۔ ان کو پتا چل گیا۔ ڈموس تھینس کو جس وقت یقین ہو گیا کہ اب دشمن گرفتار کرے گا تو فوراً زہر کھا لیا۔ جو کچھ عرصے سے وہ اپنے پاس رکھا کرتا تھا۔ غرض اس طرح 322 ق-م میں یونان کے اس مشہور خطیب نے اپنی جان شیریں جاں سپار کو سونپی۔ ڈموس تھینس کی 61 تقریریں اس زمانہ کے لوگوں تک پہنچی ہیں۔ ان میں 17 تقریریں سیاسی مضامین پر ہیں اور ان میں سے 12 محض فیلقوس بادشاہ مقدونیہ کی مخالفت پر ہیں۔ 42 تقریریں عدالتی مقدمات سے متعلق ہیں۔ دو تقریریں ایسی ہیں جن کی نسبت بعض اور تقریروں کی طرح مشہور ہے کہ اس کی نہیں ہیں۔

27- ایپس۔ یہ مصر میں شہر منف کے ایک بیل کا نام ہے جس کو مصر کے لوگ دیوتا مان کر پوجتے تھے۔ مصر میں دستور تھا کہ بیل جس کے بدن پر خاص خاص علامات ہوتی تھیں ان کو دیوتائی کا رتبہ دیا جاتا تھا۔ منف میں اس بیل کے رہنے کے لئے ایک بہت وسیع احاطہ نہایت پر تکلف تھا جس میں متعدد روشیں اور صحن اس کے آسائش کے لئے بنے ہوئے تھے اس کی سالگرہ کا جشن کیا جاتا تھا اور تمام اہل مصر کے لئے یہ دن بڑی خوشی و شادمانی کا ہوتا تھا۔ اسی طرح جب وہ مر جاتا تو مصر کے تمام لوگ اس کا سوگ کرتے اور جب تک پیشوایان مذہب کوئی دوسرا بیل تلاش و تحقیق کے بعد دیوتائی رتبہ کے قابل دریافت نہ کر لیتے تھے یہ سوگ جاری رہتا تھا۔

28- پلاس ایتھینا۔ اس کا شمار یونان کی سب سے بڑی دیویوں میں ہے۔ روما کے لوگ اس کو مینروا کہتے تھے۔ اس کا باپ زیوس ایتھینا کی پیدائش سے پہلے اس کی ماں میٹس کو نگل گیا تھا۔ اس لئے ایتھینا اپنے باپ کے سر سے زرہ بکتر لگائے نعرہ جنگ بلند کرتی ہوئی پیدا ہوئی۔ چونکہ باپ بہت صاحب قدرت اور ماں نہایت زیرک تھی اس لئے قوت اور عقل میں یہ دونوں چیزیں ایک اعلیٰ درجہ کی مناسبت کے ساتھ ایتھینا میں جمع تھیں، سلطنت کی محافظ اور تمام ایسی چیزوں کے بخشنے والی جن سے سلطنت کے استحکام اور اقبال میں

ترقی ہو اور زراعت کی نگہبان مانی جاتی تھی۔ زیتون کا درخت اسی نے پیدا کیا تھا۔ تمام علوم جو انسان کے فوائد یا ترقی حسن کے لئے مخصوص ہیں ان کی سرپرست تھی۔ اس لحاظ سے علم و دانش کی دیوی بھی وہی تھی۔ لوگوں کو عدل و قانون کا پابند رکھنا اور ایتھنز کی مجالس سیاسی کا قیام و استقرار بھی اسی کے ذمہ تھا' چونکہ باہر کے دشمنوں سے سلطنت کو محفوظ رکھتی تھی اس لئے وہ لڑائی کی دیوی بھی تھی۔ جس وقت اس کے باپ زیوس کی لڑائی خبیث روحوں سے ہوئی ہے تو اینتھینا نے ایک بہت بڑے دیو کو جس کے سو ہاتھ تھے اور جس کا نام ایکی لادوس تھا مار کر صقلیہ کے جزیرہ میں دفن کر دیا۔ دیوتاؤں کے سردار پلاس کو قتل کیا جنگ تروجہ میں یونانیوں کی سرپرستی کی۔ لڑائی کی دیوی ہونے کی وجہ سے بت تراشوں نے اس کے بت اس شکل کے بنائے کہ پورے ہتھیاروں سے اسے سجایا۔ سر پر تاج رکھے اور ہاتھ میں عصا لئے کھڑی ہے اور فولادی سپر یا سینہ پر ہار آئینے کے بیچ میں گرگن چڑیل کا چہرہ بنا ہے جس کے سر پر بالوں کی لٹوں کی جگہ سانپ بل کھائے ہوئے لپٹے ہیں۔ یہ دیوی کنواری مانی جاتی تھی۔ اس لئے عشق و محبت کے آزار سے ناآشنا تھی۔ چنانچہ تھریسیا کے ایک فل گیر نے جب اس کنواری دیوی کو نہاتے میں برہنہ دیکھ لیا تو وہ اندھا ہو گیا۔ اسی طرح ولکن دیوتا نے جب اس کی عصمت کو غارت کرنا چاہا تو نامراد بھاگتا نظر آیا۔ گویہ دیوی شہر ایتھنز کی خاص طور پر معاون و مددگار تھی لیکن یونان کے تمام شہروں میں بھی اس کی پرستش ہوتی تھی۔ قصہ مشہور تھا کہ ایک مرتبہ اینتھینا اور سمندر کے دیوتا پوسیدون میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ ایتھنز پر کس کا قبضہ ہونا چاہئے۔ دیوتاؤں نے مل کر یہ تجویز کیا کہ ان دونوں میں جو سب سے زیادہ مفید چیز انسان کے لئے پیدا کرے اسی کو شہر پر قبضہ دیا جائے۔ اس پر پوسیدون نے اپنا ترسول زمین پر مارا اور فوراً ایک گھوڑا زمین سے برآمد ہو گیا۔ اینتھینا نے اپنی قدرت سے زیتون کا ایک پودا پیدا کر کے زمین میں لگا دیا۔ ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر دیوتاؤں نے کہا کہ زیتون کا درخت بہ نسبت گھوڑے کے انسان کے حق میں زیادہ مفید ہے اس بنا پر ایتھنز کا شہر اینتھینا کو دلوا دیا گیا۔ سانپ' الو' مرغا' زیتون کا درخت اس دیوی کی وجہ سے متبرک مانے جاتے ہیں۔

29- ٹائیفون- جس زمانہ میں دنیا نئی نئی پیدا ہوئی تھی تو یہ اس وقت کا یہ ایک بڑا ہولناک دیو تھا۔ کبھی اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک نہایت تباہ و غارت کرنے والا طوفان تھا اور کبھی اس کو ایسا دیو لکھا ہے جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے رہتے

تھے۔ شاعر ہومر نے لکھا ہے کہ اریمی کے ملک میں جب یہ دیو زمین کے نیچے چھپا دیا گیا تو زیوس دیوتا نے اس زمین پر متعدد بار بجلیاں گرائیں۔

30- اپولو۔ قدیم یونانیوں کے سب سے بڑے دیوتاؤں میں مانا گیا ہے۔ یہ زیوس دیوتا کا بیٹا دیبی لیتوا کے بطن سے تھا۔ اس کے جڑواں بھائی کا نام لوتیمس بیان ہوا ہے۔ لیتوا کو جب حمل رہا تو وہ زیوس کی پہلی بیوی جونو کے خوف سے ولوس کے جزیرہ میں چلی آئی۔ اور یہیں اپولو پیدا ہوا۔ اس دیوتا میں مختلف قسم کی قوتیں مانی جاتی تھیں۔ مثلاً (1) گناہوں کی سزا دینا۔ اسی وجہ سے جب اس کا بت بناتے تھے تو ہاتھ میں کمان اور ترکش میں تیر بھرے ہوئے بناتے تھے (2) بے گناہوں کو ہر طرح کی آفات سے بچانا اور زخمیوں کو اچھا کرنا (3) آئندہ کی خبریں دینا۔ یونان میں چند مقامات ایسے تھے جہاں جا کر لوگ آئندہ کا حال دریافت کیا کرتے تھے۔ ایسے مقام کو اوریکل کہتے تھے۔ ولفائی کے مشہور بت خانہ میں اسی کام کے لئے ایک کاہنہ اور بہت سے خادم مقرر تھے۔ بت خانہ کے وسط میں ایک کمرہ تھا جس کے فرش میں ایک سوراخ تھا اس میں سے ایسے بخور نکلتے تھے جن کے سونگھنے سے نشہ پیدا ہو جائے۔ جب کوئی شخص آئندہ کا حال دریافت کرنے آتا تو کاہنہ اس سوراخ پر ایک تپائی بچھا کر بیٹھ جاتی اور اب جو سوال اس سے کیا جاتا اس کا جواب نظم یا نثر میں دیتی۔ خدام جو حاضر رہتے جواب سنتے ہی فوراً اس کو لکھ لیتے اور اگر جواب نثر میں ہوتا تو اس کو اسی وقت نظم کر دیتے۔ ایسے کل جواب اپولو دیوتا کی طرف سے سمجھے جاتے تھے۔ اپولو میں صرف یہ ہی قوت نہ تھی کہ آئندہ کی باتوں کی خبر دے بلکہ وہ دوسروں میں خواہ انسان ہو یا دیوتا پیشین گوئی کی قوت بھی پیدا کر سکتا تھا۔ اس لئے قدیم زمانہ کے جس قدر فال گیر یا نجومی گزرے ہیں ان کو کسی نہ کسی طرح صورت میں اپولو دیوتا سے ضرور تعلق رہا ہے۔ (4) موسیقی اور نغمے کا خدا مانا گیا ہے۔ اکثر موقعوں پر دیوتاؤں کو اپنا گانا بجانا سنا کر خوش کیا۔ شاعر ہومر کی تصانیف میں جس قدر مغنیوں کا ذکر آیا ان سب کو اس فن میں اپولو ہی سے فیض پہنچا تھا۔ اسی بنا پر شاعری اور نغمے کی جس قدر دیویاں تھیں ان کو اپولو سے ہمیشہ واسطہ رہا اور وہ ان کے طائفہ کا سردار مانا گیا۔ اخیر زمانہ کے مصنفین نے لکھا ہے کہ بانسری اور بربط اپولو ہی نے ایجاد کئے تھے گو قدما کا بیان ہے کہ بربط کا موجد دیوتاؤں کا مشہور قاصد ہرمیس تھا (5) بھیڑوں کے گلوں اور مویشیوں کا رکھوالا بھی یہ ہی دیوتا تھا۔ مشہور تھا کہ تسلی کے ملک میں ایک بادشاہ کے گلے اپولو نے نو برس تک چرائے تھے (6) شہروں کی تعمیر اور ان کے طرز حکومت کے متعلق قوانین وضع کرنا بھی اسی دیوتا کا کام تھا۔ یونانی جب کوئی نئی آبادی یا نیا

شہر بساتے تھے تو پہلے کسی اوریکل میں جا کر اپولو دیوتا سے اس کی اجازت ضرور حاصل کر لیتے تھے اور جب شہر بن جاتا اور اس میں آباد ہوتے تو اپولو کو اپنا روحانی سردار اور سرپرست باور کرتے (7) اپولو کو سورج کا دیوتا بھی مانا گیا ہے گو پرانے مصنفوں کی کتابوں میں اپولو اور سورج جدا جدا دیوتا مانے گئے ہیں لیکن بعد کے مصنفوں نے جب یونان کا تعلق مصر سے ہو چکا تھا تو اپولو اور سورج کو ایک ہی دیوتا مان لیا۔ لیکن اپولو ہر حال میں یونانیوں کا مخصوص دیوتا رہا۔ یونان کے بت تراش جب موسیقی اور نغمے کا دیوتا مان کر اپولو کے بت تیار کرتے تھے تو اس کا لباس بہت نیچا اور زیادہ گھیر کا عورتوں کے لباس کی شکل بناتے تھے۔

31- قائن۔ توریت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت آدم و حوا کا پہلا فرزند قائن تھا' اس کے بعد ہابیل پیدا ہوا۔ قائن نے کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا۔ ہابیل بھیڑ بکریاں چرانے لگا۔ جب قائن نے اپنے کھیت کی پیداوار یہوواہ کو نذر میں پیش کی تو وہ قبول نہ ہوئی۔ لیکن ہابیل نے جب اپنی بھیڑ بکریوں سے ہدیہ پیش کیا تو وہ قبول ہو گیا۔ قائن کو اس کا صدمہ ہوا اور اس نے ہابیل کو ہلاک کر دیا۔ اس پر یہوواہ کا اس پر عتاب نازل ہوا اور ہابیل سے اس نے کہا کہ جب تو زمین پر کھیتی کرے گا تو زمین تجھ کو اپنا حاصل نہ دے گی۔

32- ارفیوس۔ یونان کے پرانے مذہبی قصوں میں بیان ہوا ہے کہ یہ ہومر کے زمانے سے بھی پہلے کا ایک مشہور مغنی اور شاعر تھا۔ اس کی زندگی کا ایک بڑا واقعہ یہ ہے کہ جب ارگوس کے ملاح ایک جہاز تیار کر کے جس کا نام ارگو تھا ایشیا کے شہر کولکس کو اس غرض سے جانے لگے کہ وہاں مریخ کے باغ میں جو زریں اون ایک درخت میں لٹک رہی تھی اس کو لے آئیں تو ارفیوس بھی جو تھریس کا رہنے والا تھا اس مشہور مہم میں شریک ہوا۔ ارفیوس کے شاعر اور مغنی ہونے کا قصہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ جب اپولو نے اس کو بربط دیا اور نغمے کی دیویوں نے اس کو گانے کی تعلیم دینی شروع کی تو وہ موسیقی میں ایسا استاد ہو گیا کہ انسان اور حیوان تو ایک طرف دیوتاؤں کے قیام گاہ اولمپس میں جتنے درخت اور پہاڑ تھے اس کا گانا سن کر اپنی جگہ چھوڑ دیتے تھے اور جدھر سے گانے یا باجے کی آواز آتی تھی اسی طرف چلنے لگتے تھے۔ ارفیوس جب ارگوی ملاحوں کے ساتھ کولکس سے واپس آیا تو بدستور تھریس میں رہنے لگا۔ یہاں اس نے ایک پری سے شادی کی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ پری ایک سانپ کے کاٹنے سے مر گئی۔ مرنے کے بعد جب اس کی روح تحت الثریٰ کو جانے لگی۔ تو ارفیوس بھی ساتھ ہو لیا اور تحت الثریٰ میں پہنچ کر اپنا بربط ایسا بجایا کہ جن روحوں پر عذاب ہو رہا تھا ان کو بھی ایک قسم کی تسکین محسوس ہونے لگی۔ اور تحت الثریٰ کا دیوتا

جو بہت ہی تخت مزاج تھا اس قدر خوش ہوا کہ جب ارفیوس نے اپنی پری کو واپس مانگا تو اس نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ مگر شرط یہ کی کہ جب تک تحت الثریٰ کی حدود سے نکل کر وہ دنیا میں نہ پہنچ لے اپنی بیوی کی صورت نہ دیکھے۔ ارفیوس نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور اب وہ تحت الثریٰ سے چلا۔ پیچھے پیچھے بیوی ساتھ ہوئی۔ دیر تک ضبط کرتا رہا۔ لیکن جب تحت الثریٰ کی سرحد سے نکلنے کو ہوا تو تاب نہ رہی اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا کہ بیوی آ رہی ہے یا کہیں رہ گئی۔ جونہی اس کی صورت نظر آئی تحت الثریٰ کے کارکنوں نے فوراً اس کی بیوی پری کو تہ زمین پہنچا دیا۔ ارفیوس اس واقعہ سے نہایت غمگین ہوا اور ہر وقت غم و غصہ کی حالت میں رہ کر تھریس کی عورتوں کو تحقیر و تذلیل کرنے لگا۔ عورتوں کو یہ امر بہت ناگوار ہوا۔ اور جب شراب کے دیوتا بکس کا تہوار آیا تو اس میں بدمست ہو کر ان عورتوں نے ارفیوس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ نغمے کی دیویوں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ آئیں اور ارفیوس کی لاش کے ٹکڑوں کو جمع کر کے کوہ اولمپس کے دامن میں ایک جگہ دفن کر دیا اور ارفیوس کے سر کو انہوں نے ہیبرس کے دریا میں پھینک دیا جو بہتا ہوا سمندر میں پہنچا۔ اور وہاں سے سمندر کی موجوں نے ارفیوس کے سر اور اس کے بربط کو سیوس کے جزیرہ میں پہنچا دیا۔ بیان ہوا ہے کہ اس قصہ سے صرف اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ سیوس کا جزیرہ موسیقی کے لئے تمام دنیا میں مشہور تھا۔ علم ہیئت کے عالموں نے اس قصہ پر اتنا اور اضافہ کیا کہ نغمہ کی دیویوں نے جب زیوس اور اپولو سے سفارش کی تو ارفیوس کا بربط آسمان پر ستاروں کے ایک برج میں رکھ دیا گیا۔ ارفیوس کی بہت سی نظمیں اس زمانہ میں جب کہ یونان میں وہاں کے علم ادب کو بہت ترقی تھی زبان زد خلائق تھیں۔ لیکن ارفیوس کی نظموں کا جو مجموعہ اس وقت موجود ہے اس میں بہت کم نظمیں ایسی ہیں جن کو ارفیوس کی شاعری کا (جس شکل میں یونان کے قدما اس کا علم رکھتے تھے) اصلی نمونہ سمجھ سکیں۔

33- لقمان- یونانی نام ایسوپس یا ایسوپ ہے۔ اس نے بہت سی حکایتیں لکھی تھیں۔ زمانہ اس کا 570 برس قبل مسیح بیان ہوا ہے۔ حکیم سولن کا ہم عصر تھا۔ دراصل یہ جزیرہ ساموس کے ایک رئیس ایڈامیون نامی کا غلام تھا۔ جب اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا تو وہ ایشیا میں لیڈیا کے بادشاہ کریسس کے دربار میں حاضر ہوا۔ کریسس نے اس کو کچھ روپیہ دے کر ڈیلفی کو روانہ کیا تاکہ وہاں کے خدام میں وہ روپیہ تقسیم کر دے۔ ایسوپ' ڈلفائی پہنچا مگر روپیہ تقسیم کرتے وقت وہاں کے خادموں میں جھگڑا ہوا۔ اور ان لوگوں نے غصہ میں آ کر ایسوپ کو ایک پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دیا۔ ایسوپ اسی صدمہ سے مر گیا۔ اس خون

ناحق کی سزا میں دلفائی کے لوگوں میں وبائیں پھیلنی شروع ہوئیں۔ آخر کار مجبور ہو کر انہوں نے کہا کہ ہم ایسوپ کا قصاص دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ مقتول کا کوئی وارث پیدا ہو۔ ایسوپ کا کوئی عزیز موجود نہ تھا۔ اس لئے اس کے آقائے سابق کے پوتے کو قصاص دیا گیا۔ اور دلفائی پر جو آفات سماوی نازل ہو رہی تھیں وہ بند ہو گئیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ایسوپ نہایت کریہہ منظر تھا لیکن قدیم مصنفین کی تحریر میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ وہ حکایات جن کی تحریر ایسوپ سے منسوب ہے ایتھنز کے لوگوں میں خاص کر جب کہ یہ شہر علمی ترقی کا مرکز تھا بہت مشہور ہو چکی تھیں۔ ابتدا" یہ سب نثر میں تھیں لیکن بعد کو لوگوں نے انہیں نظم کر دیا۔ مشہور ہے کہ ان میں سے بعض حکایتوں کو حکیم سقراط نے نظم کیا تھا۔ جو حکایات آج کل ایسپ یا لقمان کے نام سے مشہور ہیں وہ اصلی نہیں ہیں۔

34- فلسطیون۔ بحیرہ شام کے ساحل سے ملحق جنوب مغربی سمت میں ایک علاقہ فلسطیہ نام کا تھا۔ اس کے پانچ شہر بہت مشہور تھے۔ عزہ یا غزہ۔ عسقلان' اشدود' عقرون' جات' فلسطیون اور بنی اسرائیل میں صدہا سال تک مخالفت اور دشمنی کا بازار گرم رہا۔ اور جب تک حضرت داؤدؑ کا زمانہ نہ آیا فلسطین پر بنی اسرائیل غالب نہ آسکے۔ فلسطیون کی نسبت بیان ہوا ہے کہ دراصل یہ جزیرہ اقریطش سے آکر فلسطیہ میں آباد ہوئے تھے اور پہلے سمندر پر قزاقی کیا کرتے تھے۔

35- قیقرو (ککرو) یہ روما کا بڑا زبردست عالم اور مصنف تھا۔ 106 ق-م میں پیدا ہوا علاوہ عالم و فاضل ہونے کے سلطنت کے جلیل القدر مناصب پر مامور ہوتا رہا۔ 43 ق-م میں جب کہ روما کی شہنشاہی پر اکابر قوم میں سے تین شخص یعنی اوکتے ویان' انطونی اور لیپیڈوس حکومت کرتے تھے تو انطونی کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ جن علوم پر اس نے کتابیں لکھی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) ریطوریقا (خطابیات) اس میں اس کی سات کتابیں مشہور ہیں۔

(2) فلسفہ۔ اس صنف میں فلسفہ سیاسیات' فلسفہ اخلاق' فلسفہ نظریات اور دینیات پر اس نے متعدد کتابیں لکھیں۔

(3) خطبات۔ 56 خطبے اس کے اس وقت تک موجود ہیں۔

(4) خطوط۔ آٹھ سو خطوط جو اس نے 26 برس کے عرصہ میں اپنے قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو لکھے ہمارے زمانہ تک پہنچے ہیں۔

36- فلیپی۔ ملک مقدونیہ کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ جو ایک پہاڑ کی بلندی پر واقع

ہے۔ یہ شہر مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس نے کسی پرانے شہر کے موقع پر آباد کیا تھا۔ روما کے جرنیل جولیوس قیصر کے قتل کے بعد جب روما میں خانہ جنگی ہوئی۔ تو اوکٹے ویان اور انطونی نے اپنی متفقہ فوجوں سے اسی شہر کے سامنے بروتس اور کاسیوس کو شکست دی تھی۔ یہ واقعہ 42ق۔م کا ہے۔ اسی جنگ کی وجہ سے اس شہر کو شہرت ہوئی۔

37- سراتی۔ یعنی سراتیہ کی رہنے والی قوم۔ سراتیہ سے مراد یورپ میں روس کا جنوبی حصہ ہے۔

38- مرکومانی۔ یورپ میں المانی نسل کی یہ ایک زبردست قوم تھی۔ جو ابتداء میں دریائے رائین اور ڈینیوب کے درمیانی ملک میں آباد تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک مستقل حکومت قائم کرلی۔ جس کی جنوبی سرحد دریائے ڈینیوب تک پہنچی تھی۔ اس قوم نے ایک دوسری المانی (جرمانی) قوم کوروی کی مدد سے روما کے شہنشاہ اورلیوس کے زمانے میں رومانی سلطنت پر بڑے بڑے حملے کئے یہاں تک کہ بادشاہ نے روپیہ دے کر ان قوموں سے صلح کر لی۔ یہ واقعہ 180ء کا ہے۔

39- سراپس۔ قدیم مصریوں کے ایک دیوتا کا نام ہے۔ یونان میں اس کی پرستش اس زمانہ میں شروع ہوئی تھی جبکہ مصر پر بطلیموسی بادشاہ جو یونانی نسل سے تھے حکومت کرتے تھے۔

40- ڈ۔میٹر۔ یونان کی بڑی دیویوں میں سمجھی گئی ہے۔ رومانی اس کو کیریس کہتے تھے۔ لفظ ڈ۔میٹر کے معنی دھرتی ماتا کے ہیں۔ یعنی زمین کی ماں۔ یہ زمین کی دیوی زراعت اور زمین پر جس قدر پھل پیدا ہوتے ہیں ان کی محافظ سمجھی جاتی تھی۔ اور وہ کرونس زحل کی بیٹی دیوی لیا کے بطن سے تھی۔ زیوس دیوتا اور اس کا بھائی تھا اور اسی بھائی سے وہ ایک لڑکی پروسرپینی کی ماں ہوئی۔ زیوس نے بغیر ڈ۔میٹر کی اطلاع کے تحت الثریٰ کے دیوتا پلوتو سے اس لڑکی کو بیاہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ جب یہ لڑکی جوان ہو کر ایشیا میں نیسیا کی ایک پھلواری میں پھول چن رہی تھی تو زمین دفعتاً شق ہوئی اور پلوتو اس کو پکڑ تحت الثریٰ میں لے آیا۔ بیٹی کے غائب ہو جانے پر ماں اس کی تلاش میں پریشان رہنے لگی۔ ایک دن سورج دیوتا نے اس کو بتایا کہ اس کی بیٹی کو پلوتو لے بھاگا ہے۔ اتنا سن کر ڈ۔میٹر کو اس قدر ملال ہوا کہ اولمپس کے پہاڑ سے جہاں سب دیوتا رہتے تھے اتر کر اس دنیا میں چلی آئی۔ یہاں جن لوگوں نے اس کی مدارات کی ان کو طرح طرح کی نعمتیں بخشیں اور جن لوگوں نے اسے دور کرنا چاہا ان کو سزائیں دیں۔ بیٹی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کیلیوس کے مقام پر آئی اور اب اس کا غصے اور رنج سے یہ حال ہوا کہ زمین کو پھل پیدا کرنے کی اس نے قطعی ممانعت کر

دی۔ یہ حالت دیکھ کر زیوس نے اپنے قاصد ہرمیس کو تحت الثریٰ بھیجا تاکہ پلوتو سے پروسرپنی کو واپس لے آئے۔ پلوتو نے پروسرپنی کو واپس دینا منظور کر لیا۔ لیکن چلتے وقت ایک انار کا ٹکڑا اس کو کھلا دیا۔ جب ڈ۔میٹر کو بیٹی مل گئی تو پھر وہ اس کو ساتھ لئے اولمپس میں آن بسی۔ چونکہ پروسرپنی نے تحت الثریٰ میں انار کھا لیا تھا۔ اس لئے سال میں چار مہینے اس کو پلوتو کے پاس زمین کے نیچے آنا ضروری ہوتا تھا۔ باقی آٹھ مہینے ماں کے پاس اولمپس میں رہتی تھی۔ اب زمین پر پھر پھل پیدا ہونے لگے۔ اس قصہ کی تاویل یہ کی گئی کہ گویا زمین کی دیوی ڈ۔میٹر کی بیٹی اناج کا بیج ہے جو زمین میں دبے رہنے کے بعد پھوٹتا ہے اور ماں کے پاس پروسرپنی کے رہنے کا زمانہ وہ فصل ہے جس میں اناج پروان چڑھ کر انسان و حیوان سب کی زندگی کا باعث ہوتا ہے۔ ڈ۔میٹر کے اور قصے بھی مشہور ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ سمندر کا دیوتا پوسیدون اس کے پیچھے پڑا تو اس سے بچنے کے لئے وہ گھوڑی بن گئی لیکن پوسیدون نے اپنی ہوس پوری کر لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈ۔میٹر کے بطن سے وہ مشہور گھوڑا پیدا ہوا جس کو اوریان کہتے ہیں۔ ایک قصہ یہ ہے کہ لیاسون سے ڈ۔میٹر کو عشق پیدا ہوا اور وہ اقر۔طش کے جزیرہ میں ایک کھیت میں جس میں کئی مرتبہ ہل چل چکا تھا لیاسون کے ساتھ پڑی رہی اور اس واقعہ سے دولت کو دیوتا پلوتیس اس کے ہاں پیدا ہوا۔ یونان میں اس دیوی کے تہوار بڑی دھوم سے ہوتے تھے' یہ بھی مشہور تھا کہ ہل اسی دیوی نے ایجاد کیا تھا۔ اس کا بت اس شکل میں بنایا جاتا تھا کہ پورا لباس پہنے ہے۔ سر پر اناج کی شاخوں کا ایک تاج رکھا ہے۔ ایک ہاتھ میں کبھی ایک عصا ہے اور کبھی اناج کے خوشے یا مشعل۔ دوسرے ہاتھ میں ایک ڈلی اناج کی بالوں سے بھری ہے۔ روما کے شہر میں اس کا ایک مندر تھا۔ جو لوگ سلطنت سے بغاوت کرتے تھے ان کا مال ضبط ہو کر اس کی آمدنی اسی مندر کی آمدنی میں شامل کی جاتی۔ سیاسی مجلس کے تمام کاغذات جن میں احکام درج ہوتے تھے اسی مندر میں محفوظ تھے تاکہ جس وقت شہر میں نئے حاکم مقرر ہوں تو وہ ان کاغذات کو مندر میں حاضر ہو کر پڑھ لیں۔

41- ہیلن۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

42- پارلیس۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

43- مینی لاس۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

44- الیوم۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

45- ایڈونس۔ یہ ایک بڑا خوبصورت لڑکا تھا جو پوری جوانی کو ابھی نہیں پہنچا تھا۔ اس کے

باپ کا نام کینی راس اور ماں کا نام سمرنہ تھا جو کینی راس کی بیٹی تھی۔ ایڈونس پر دیوی افرودیتی (وینس) عاشق ہو گئی۔ ایڈونس کم سنی کی وجہ سے عشق و جوانی کی لذتوں سے واقف نہ تھا۔ وہ افرودیتی کے شوق وصل سے گھبراتا تھا۔ ایک دن شکار کو نکلا۔ ایک جنگلی سور نے اس کو زخمی کیا اور اسی صدمہ سے وہ مر گیا۔ اس کے زخموں سے خون کی بوندیں زمین پر گر کر گل ریحان بن گئیں۔ جس وقت اس کی ناگہانی موت کی خبر افرودیتی کو پہنچی تو اس کے رنج و الم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تحت الثریٰ کے دیوتاؤں نے جن کی سپردگی میں ایڈونس کی روح تھی۔ افرودیتی کی یہ حالت دیکھ کر حکم دیا کہ سال میں چھ مہینے ایڈونس افرودیتی کے پاس رہا کرے۔ ایڈونس کی پوجا پہلے شام کے لوگوں میں شروع ہوئی تھی پھر یونان میں اس کا رواج ہوا۔ اس کی موت اور پھر زندہ ہونا یعنی مرنے کے بعد سال میں چھ مہینے زمین پر اور چھ مہینے زمین کے نیچے رہنے سے مراد زمستان اور بہار ہے۔ زمستان میں سب چیزیں مردہ معلوم ہوتی ہیں۔ بہار میں ہر چیز میں ایک جان آ جاتی ہے۔ ایڈونس کی موت اور پھر زندہ ہو جانے کے تہوار اسکندریہ اور ایتھنز میں منائے جاتے تھے۔ موت پر اس کا ماتم کیا جاتا تھا۔

46- سرداناپلس۔ یہ ملک اشور کا آخری بادشاہ تھا۔ نینوہ اس کا پایہ تخت تھا۔ سرداناپلس یونانی نام ہے۔ اصلی اشوری نام اشوری جل تھا اور توریت میں یہی نام اسنفر لکھا گیا ہے۔ اس بادشاہ کی نسبت یونانیوں کا بیان ہے کہ وہ اپنا تمام وقت عیش پرستی اور اپنی بیگمات اور حرموں میں گزارتا تھا۔ آخر کار رعایا نے سازش کر کے بغاوت کر دی۔ بادشاہ نے اس موقع پر خلاف توقع بڑی جوانمردی دکھائی اور باغیوں کو دو مرتبہ شکست دی۔ لیکن آخر کار تیسرے حملے میں نینوہ میں محصور ہو گیا۔ دو برس تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار جب کسی طرح دشمن سے جان بخشی نظر نہ آئی۔ تو اس نے ایک چتا چنوائی جس پر اپنا تمام زر و جواہر رکھ دیا۔ تمام بیگمات اور حرموں کو اس پر بٹھلایا اور چتا میں آگ دے کر اوروں کے ساتھ خود بھی جل مرا۔ اشورا کی تاریخ یا توریت سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی اور نہ اس بادشاہ کا عیش پرست ہونا ثابت ہوتا ہے۔

47- افیگینیہ۔ یہ اگامنون بادشاہ میکینی کی بیٹی کلیتم نسترا کے بطن سے نہایت خوبرو حسین پیدا ہوئی تھی۔ جس وقت یونانیوں کا لشکر تروجہ کی لڑائی کے لئے جہازوں پر سوار ہو کر اولیس کے بندرگاہ سے روانہ ہونے کو ہوا تو اگامنون نے اتفاق سے سمندر کے کنارے ایک بارہ سنگھے کو مار ڈالا۔ یہ جانور دیانا دیوی کا بڑا چہیتا تھا۔ اس وقت دیوی ایسی برہم ہوئی کہ یونانیوں کے لشکر میں اس نے وبائیں بھیج دیں۔ ہوا کا چلنا بند ہو گیا۔ جہاز اپنی جگہ سے

نہ مل سکے۔ ان آفات کو دور کرنے کے لئے اگامنون اس بات پر راضی ہو گیا۔ کہ اپنی بیٹی افیگینیہ کو داینا دیوی پر بلدان کر دے تاکہ دیوی کا غصہ کسی طرح فرو ہو۔ لیکن جب اس خوبصورت لڑکی کو ذبح کرنے کی تیاری کی گئی تو خود داینا دیوی کو اس پر ترس آیا۔ اور لڑکی کو اٹھا کر کوئی دوسرا ذبیحہ اس کی جگہ رکھ دیا اب وبائیں بند ہوئیں اور باد موافق چلنے لگی۔ لشکر لڑائی کے لئے روانہ ہو گیا۔

48- ایلکترا۔ یہ بھی بادشاہ اگامنون کی بیٹی کلیتم نسترا کے بطن سے تھی۔ افیگینیہ کی بہن تھی اور اورستیز اس کا بھائی تھا۔ اگامنون جس وقت تروجہ کی لڑائی پر گیا ہوا تھا تو ملکہ کلیتم نسترا نے ایس تھوس سے آشنائی کر لی۔ جب شوہر واپس آیا تو ملکہ اور اس کے آشنا نے یا صرف آشنا نے اگامنون کو مار ڈالا۔ ایلکترا نے جب باپ کا اس طرح قتل ہو جانا دیکھا تو اپنے بھائی اورستیز کو خطرے سے بچانے کے لئے قریب کے ایک بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ جب اورستیز جوان ہوا تو اس نے اپنی ماں کلیتم نسترا کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا۔

49- پلوتو۔ دیکھو ڈیمیٹر اور اس کی بیٹی پروسرپنی کا حال۔

50- پروسرپنی۔ دیکھو ڈیمیٹر اور اس کی بیٹی پروسرپنی کا حال۔

51- اپولیوس۔ افریقہ کے شہر مدورا کا رہنے والا تقریباً 130 برس قبل از مسیح پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم قرطاجنہ میں پائی۔ پھر یونان کے شہر ایتھنز میں آ کر افلاطون کا فلسفہ پڑھا۔ یہ بڑا سیاح تھا۔ اطالیہ' یونان اور ایشیا کے بلاد میں مدتوں سفر کرتا رہا۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف ایک قصہ ہے جس کا نام قروزیتی ہے۔ عشق اور روح کی دلچسپ اور مشہور داستان اسی قصہ میں بیان ہوئی ہے۔

○ ○ ○